شعور الفراق

بیاد

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری قدس سرہ (م ۱۳۸۲ھ)

قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری قدس سرہ (م ۱۳۳۷ھ)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ (م ۱۳۲۳ھ)

تالیف

سید نفیس الحسینی

ناشر

سید احمد شہید اکادمی

نفیس منزل کریم پارک راوی روڈ لاہور

شمع الفراق

بیاد

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ (م ۱۳۲۳ھ)

قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ (م ۱۳۳۷ھ)

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ (م ۱۳۸۲ھ)

تألیف : نفیس الحسینی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

لاہور ○ پاکستان

انتساب

بنام شاہد نازک خیالان
عزیز خاطر آشفتہ حالان

قطب العالم اعلیحضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ کے نواسہ حقیقی اور قطب الارشاد حضرت مرشدنا و مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب[1] رائپوری دامت برکاتہم کے نام

احقر نفیس الحسینی

[1] شعر الفراق کی ترتیب حضرت کی زندگی میں ہوئی۔

فہرست

حرفِ نفیس

پیش نظر کتاب "شعر الفراق" کی مسودہ سازی کا کام یوں تو حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ کی وفات حسرت آیات کے کچھ ہی عرصہ بعد شروع کردیا گیا تھا۔ لیکن اپنے گوناگوں مشاغل کی وجہ سے تاخیر و تعویق کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ بحمد اللہ اب کتاب تکمیل کے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔

تالیف کتاب کے سلسلے میں سب سے زیادہ موثر "حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ" کی توجہ رہی۔ اس کے بعد حضرت مولانا انوار الحسن شیر کوٹی (فاضل دیو بند) رحمہ اللہ کی فیاضی کام آئی۔ کہ انھوں نے "القاسم" کے رسائل مہیا فرمائے جن سے قطب عالم "حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری قدس سرہ" کے مرثیے نقل کر لیے گئے۔

"حضرت اقدس مرشدنا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ" کے مرثیے راقم سطور نے مختلف رسائل سے خود فراہم کیے۔

"شعر الفراق" دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں "حضرت مولانا رائپوری قدس سرہ" کے عنوان سے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کا ایک نہایت جامع مضمون ہے۔ جو "تذکرۃ الخلیل"[1] سے لیا گیا ہے۔

حصہ دوم حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی تالیف "سوانح حضرۃ مولانا عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ" سے ملحق ہے۔

الغرض گلزار رحیمی سے عقیدت و محبت کے پھول چن چن کر یہ گلدستہ تیار کیا گیا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

سید نفیس الحسینی

آغازِ کتاب میں حضرت اقدس گنگوہی کا ذکرِ خیر بھی تبرکاً شامل ہے

۱؎ تذکرۃ الخلیل کے عنوانات حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی نے قائم کیے ہیں

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی [1]
اُستاذ دارالعلوم کراچی

تحسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ہمارے محترم بزرگ جناب شاہ انور حسین نفیس الحسینی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے باغ و بہار طبیعت عطا فرمائی ہے۔ اُن کے قلم سے پھُول کھلتے اور زبان سے پھُول جھڑتے ہیں، اُن کی بے مثال خطّاطی بلاشُبہ ملک بھر کے لیے مایۂ افتخار ہے اور اُس نے علم و ادب کی قلمرو میں ہزارہا گلزار مہکائے ہیں لیکن اُن کے قلبِ پُرگداز میں اکابر اولیاء اللہ کی محبت یادوں کا جو جہان آباد ہے وہ اُن کی خطّاطی سے زیادہ حسین، دلکش اور پُربہار ہے اور جب میں اُن کے قلم سے نکلے ہوئے حُسنِ ظاہر کا مقابلہ اس حُسنِ باطن کے ساتھ کرتا ہوں جو اُن کے دل میں فردکش ہے تو بے ساختہ غالبؔ کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

کچھ عرصے سے شاہ نفیس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چھُپے ہوئے خزانے منظرِ عام پر لانے کی خاص توفیق مرحمت فرمائی ہے۔ انھوں نے مکاتیبِ سیّد احمد شہیدؒ جیسے انمول

---

[1] فرزندِ ارجمند حضرت مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرّہ
مُدیر ماہنامہ البلاغ کراچی ــــــ رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

سرمائے کو شائع کر کے اُمت پر احسان کیا ہے اور زیرِ نظر کتاب کو بھی اسی فن وفن نفع رسانی کا ایک ثمرہ شیریں کہا جا سکتا ہے۔

اس آخری دور میں دوآبہ گنگ وجمن سے علم وفضل، تدیّن وتقویٰ اور دعوت و جہاد کے میدان میں جو رشکِ ملائکہ شخصیتیں نمودار ہوئیں، انھیں بلاشبہ قرونِ اُولیٰ کی تصویر کہا جا سکتا ہے۔ انہی نفوسِ قدسیہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس اللہ سرہٗ کی مبارک شخصیت ہے جو قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور جن کے فیضِ نظر سے رائے پور جیسی بستی دیوبند، تھانہ بھون اور گنگوہ کی صف میں شمار ہونے لگی اور وہاں سے رُشد وہدایت کے وُہ چشمے جاری ہوئے جنھوں نے ایک عالم کو سیراب کیا۔

حضرت رائپوری قدس اللہ سرہٗ حضرت شیخ الہندؒ کے جہادِ عزیمت میں بھی دست بدست اُن کے دست وبازو رہے بلکہ اسارتِ مالٹا کے دوران تحریک کی قیادت کے فرائض بھی آپ ہی نے انجام دیئے اور جب حضرتؒ کی اسارتِ مالٹا ہی کے دوران آپ کی وفات ہوئی تو یہ تمام اکابر علمائے دیوبند کے لیے مختلف جہات سے انتہائی رُوح فرسا سانحہ تھا چنانچہ اس موقع پر بیشتر اکابر نے اپنے جذبات کا اظہار عربی، فارسی اور اُردو کے مراثی کی شکل میں فرمایا۔

یہ مراثی نہ صرف اپنے سوز وگداز اور حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت ومحبّت کے جذبات کے لحاظ سے، بلکہ اپنی ادبی قدر وقیمت کے لحاظ سے بھی یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ جناب شاہ نفیس صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ان نادر مراثی کو محنت سے یکجا فرما کر شائع فرمایا، اور اس کے ساتھ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری قدس سرہٗ کے مراثی کو بھی شامل فرما دیا۔

ان مراثی میں سے بعض ایسے حضرات کے کہے ہوئے ہیں جن کے بارے میں عموماً یہ ذہن میں بھی نہیں آتا، کہ شعرگوئی سے اُن کا کوئی تعلق رہا ہوگا، لیکن انھیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات جس میدان میں جادہ پیما ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کو کمال عطا فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے مذاقِ شعر کا تو پہلے بھی اندازہ تھا لیکن حضرت علامہ عثمانی قدس سرہٗ کا مرثیہ پڑھ کر پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ اس صنف میں بھی حضرتؒ کو اللہ نے یہ مقام عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اُن اساتذہ میں سے ہیں جو باہر کی دُنیا میں زیادہ مشہور نہ ہو سکے اور ساری عمر درس و تدریس میں گزری لیکن اُن کے مرثیے پڑھ کر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ یہ انیس کے کلام کا کوئی حصہ ہے۔

حضرت شاہ نفیس صاحب مدظلہم نے مراثی کے شروع میں حضرت رائپوری قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں بڑا مفید، اثر انگیز، اور معلومات آفریں مقالہ تحریر فرمایا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک مجموعے کو شرفِ قبولیت اور اس کے مُرتّب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

خاکپائے بزرگان

محمد تقی عثمانی

خادم طلبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴

لاہور

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب
شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور

تقریظ

برِ صغیر پاک و ہند میں انگریزوں کا عہدِ نامسعود ہر لحاظ سے بدترین دور تھا۔ اس سرزمین پر اُن کے سبز قدم پڑتے ہی مسلمانوں کا سیاسی، معاشی، دینی اور اخلاقی انحطاط شروع ہوگیا۔ لارڈ میکالے جیسے شاطر انگریز نے مسلمانوں کا صدیوں کا آزمودہ نظامِ تعلیم و تربیت بیک جنبشِ قلم ختم کر دیا اور اس کی جگہ شیکسپیئر کے ڈرامے اور ڈکنس کے ناول نصابِ تعلیم میں شامل کر دیئے جنھیں پڑھ کر لڑکے باپ کو "خبطی" سمجھنے لگے۔ انگریزی تعلیم سے بزرگوں کا احترام دنیا سے اُٹھ گیا اور دین کے جذبات سرد پڑ گئے، ملک تو ہاتھ سے گیا ہی تھا اب دین کے بھی لالے پڑ گئے۔

ان نامساعد حالات میں تھانہ بھون کے ایک مردِ حق، شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ نے اسلام اور مسلمانوں کے چند غمخوار علماء کو دینِ برحق کو انگریزوں سے بچانے کے لیے مامور کیا۔ ان عالموں میں سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دار العلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جہاں سے ایک بڑی تعداد میں جید عالم فارغ التحصیل ہو کر نکلے جنھوں نے ہر محاذ پر انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آج برِ صغیر پاک و ہند میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا گاؤں بھی ایسا نہیں ملے گا، جہاں اس

دار العلوم کا فارغ التحصیل عالم خدا اور اُس کے رسولؐ کا پیغام لے کر نہ پہنچا ہو۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ برِّ صغیر میں رُوحانیت کے ایک قدیم مرکز گنگوہ شریف میں مسند رُشد و ہدایت پر تشریف فرما ہُوئے اور نصف صدی تک مخلوق کو اُن کے خالق سے مِلانے کا واسطہ بنے رہے۔ حضرت کے خلفاء میں سے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ خاص طور پر مشہور ہیں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا نانوتویؒ کی مجلسِ فیض آثار میں تربیت پانے والے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم تھے انہوں نے برّ صغیر پاک و ہند کے عوام و خواص میں آزادیٔ وطن کی لہر دَوڑا دی۔ وہ ریشمی رُومال تحریک کے قائد و امیر تھے۔ انگریزوں نے کئی برس تک بحیرۂ رُوم کے جزیرہ مالٹا میں اُنھیں قید رکھا۔ خلافت کی عدیم المثال تحریک میں بھی حضرت شیخ الہند ہی کی رُوح کارفرما تھی۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علیؒ اور ڈاکٹر انصاری نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعتِ جہاد کر رکھی تھی۔ مولانا اُبوالکلام آزاد اور حکیم اجمل خاں بھی آپ کے متّبعین میں شامل تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے باکمال تلامذہ میں ختم المحدثین مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، فقیہ الامّت مولانا کفایت اللہ دہلوی اور شیخ الاسلام مولانا شبّیر احمد عثمانیؒ جیسے نادرِ روزگار گزرے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ کو قال اللہ اور قال الرسولؐ کے ساتھ آباد رکھا اور ایک ہزار کے لگ بھگ کتابیں اور رسالے لکھ کر مسلمانوں کو گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔ اُن کے خلفاء نے ملک کے طول و عرض میں حال و قال کی محفلیں

جاری کر کے خونِ مسلم کو گرمایا۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے شیخ الہندؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں مجاہدانہ اور سرفروشانہ کردار ادا کیا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے طبقہ علماء میں سب سے بڑھ کر تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا اور اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ کا شمار اُمتِ مرحومہ کے محسنین اور مصلحین میں ہوتا ہے۔ اُن کے دم قدم کی برکت سے رائپور ایک عظیم رُوحانی مرکز بنا اور ان کی کشش عالمِ اسلام سے اصحابِ علم و عرفان کو رائپور کھینچ لائی۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، جن کے بارے میں علامہ اقبال کی یہ رائے تھی کہ گزشتہ پانچ صدیوں میں اُن جیسا عالمِ دین پیدا نہیں ہوا، حضرت رائپوریؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ اُن میں حضرت معروف کرخی جیسی صفات، حاتم طائی جیسی سخاوت اور سلمان فارسیؓ جیسی سلامت روی پائی جاتی تھی۔ شاہ صاحب بصد حسرت فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالرحیمؒ کے انتقال کے بعد اب ایسی ہستی کہاں دیکھنے کو ملے گی ؏

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

خالقِ کون و مکان نے وہ سانچے ہی توڑ دیئے ہیں جن میں شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، جنیدِ وقت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شبلیٔ دوراں مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ اور شیخ العالم مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ جیسے صدق و صفا کے پیکر ڈھلے تھے۔ اس دور میں نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر" ان بزرگوں کی نظیر تو کجا، ان کی پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی۔

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کا سانحہ ارتحال اصحابِ قلب و نظر

کے لیے قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھا۔ اس عہد کے جیّد علماء اور نامور فضلاء نے جس درد و کرب سے ان کے مرثیے لکھے ہیں انھیں پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علمی اور رُوحانی حلقوں میں اُن کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ ان مرثیوں میں برِّصغیر کے جیّد علماء اور نامور شیوخ کے ٹوٹے ہُوئے دلوں کی دھڑکنیں سُنائی دیتی ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ "شعر الفراق" میں جُنیدِ وقت عبد الرحیم رائپوری قدس سرہٗ اور اُن کے جانشین شبلیٔ دوراں حضرت عبد القادر رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کے مرثیے شامل ہیں۔ برِّصغیر کے نامور علماء اور ان حضرات کے دامنِ ارادت سے وابستہ اصحابِ قلب و نظر نے ان کے جو مرثیے لکھے ہیں وہ ہمارے دینی ادب کا ایک قابلِ قدر حصہ ہیں اور انھیں پڑھ کر ان بزرگوں کی محبت دلوں میں جاگزین ہوتی ہے۔ یہ مرثیے انیس و دبیر کے مراثی کی طرح زندہ دلوں کو مردہ نہیں کرتے بلکہ خوابیدہ دلوں کو بیدار کر کے ان میں عمل و ایقان کی قوت پیدا کرتے ہیں۔

آخر میں، میں جناب سیّد انور حسین نفیس رقم زید مجدہٗ کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھے اکابرِ اُمّت کے اس مجموعۂ مراثی پر تقریظ لکھنے کا شرف بخشا۔ میں شاعر نہیں ہوں ورنہ ان بزرگوں کی خدمت میں عقیدت کے منظوم پھول پیش کرتا، تاہم سیّد صاحب نے میرے ہاتھ میں سُوت کی انٹی دے کر مجھے یُوسفؑ کے خریداروں میں شامل کر دیا ہے۔ کیا عجب کہ ان بزرگوں سے محبت اور عقیدت ہی میرے لیے توشۂ آخرت بن جائے۔

"شعر الفراق" کے ناشر بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُن کی سعی و کاوش سے یہ کبریتِ احمر ہم تک پہنچ رہی ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

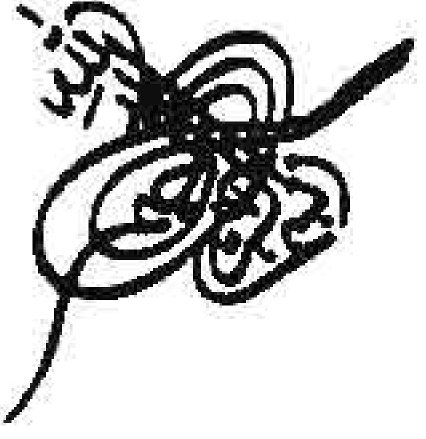
ننگِ اسلاف

محمد اسلم

ندوۃ المصنفین۔ لاہور

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

رباعی ملک الشعرا مولانا گرامی مرحوم در شان قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوهی قدس سره



امداد الله نهاد گنجینهٔ علی را
الله الله عجب مرید رشید
خاک گنگوه را از او رشید
فقر را کلید رشید

کتبه احقر نفیس رقم

۲ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ - لاہور

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

(المتوفی ۱۳۲۳ھ)

تحریر: سید نفیس الحسینی

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۶ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۴ھ مطابق سنہ ۱۸۲۹ء بروز پیر چاشت کے وقت رونق افروزِ عالم ہوئے۔

آپ میزبانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کی دادی صاحبہ کا نسبی سلسلہ قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پارسا، عابدہ و زاہدہ تھیں۔ آپ کے والد ماجد بزرگوار حضرت مولانا ہدایت احمد رحمۃ اللہ علیہ نہایت متقی عالم تھے۔ انھوں نے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے علماء سے تعلیم حاصل کی تھی۔ رُوحانی تربیت اُنھوں نے زُبدۃ العارفین نقشبندیہ حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ) سے پائی اور سلسلۂ طریقہ میں مجاز ہوئے۔

حضرتِ اقدس گنگوہی کی عُمر مبارک ابھی صرف ۷ سال کی تھی کہ والد ماجد نے رحلت فرمائی۔ والدہ ماجدہ کی تربیت اور جد بزرگوار کی سرپرستی میں آپ پروان چڑھے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے مختلف اساتذہ سے پائی۔ ۱۲۶۱ھ میں آپ کو علمِ دین کا شوق دہلی لے گیا۔

استاذ العلماء مولانا مملوک العلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ (م ۱۲۹۷ھ) بھی زیر تعلیم تھے۔ گویا قران السعدین ہوگیا۔ دونوں ساتھی میر زاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ کتب ایسے پڑھتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔

حضرت مولانا مملوک العلیؒ کے علاوہ آپ نے بعض علوم عقلیہ حضرت مولانا مفتی صدر الدین آزردہ (م ۱۲۸۵ھ) سے بھی پڑھے۔ قاضی احمد دین قدس سرہٗ پنجابی بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ حدیث پاک میں صحاح ستہ کی کل کتابیں حرفاً حرفاً قدوۃ العلماء حضرت مولانا شاہ عبد الغنی مجددی مہاجر مدنی (م ۱۲۹۵ھ) سے پڑھیں۔ حضرت اقدس گنگوہی و حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہما اپنی ذہانت و ذکاوت اور غایتِ ادب کی وجہ سے اساتذۂ کرام کی خصوصی عنایات کے مورد رہے۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ سے بھی آپ کو شرفِ تلمذ حاصل رہا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اکیس برس کی عمر میں آپ کے بڑے ماموں مولانا محمد نقیؒ کی صاحبزادی خدیجہ خاتون سے آپ کا نکاح ہوا۔

انھیں دنوں میں آپ نے حفظِ قرآن شروع کیا۔ آخر کار اس دولتِ لازوال سے مالا مال ہوئے۔

خدا طلبی اور معرفتِ خداوندی کا شوق ازل سے آپ کے قلبِ مبارک میں ودیعت تھا۔ چنانچہ تحصیلِ علم اور نکاح کے بعد اب مُرشدِ کامل کی تلاش ہوئی۔

حضرت حجۃ الاسلام نانوتوی اور قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہ ——— دونوں قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۷ھ) کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے۔

اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے حضرت گنگوہی کو بیعت ہونے کے آٹھ ہی روز بعد بشارتِ غیبی کی بنا پر فرمایا: "میاں مولوی رشید احمد جو نعمتِ حق تعالیٰ نے مجھے دی ہے، وہ آپ کو دے دی، آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے"۔ حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں اس وقت بہت ہی متعجب ہوا کہ حضرت کیا فرماتے ہیں، وہ کون سی چیز ہے جو اعلیٰ حضرت کو حق تعالیٰ نے دی تھی اور مجھے عطا ہوئی۔ آخر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ کیا تھا۔"

حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ علم و عمل میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مسلک و منہاج پر تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ خانوادہ ولی اللّٰہی کا طغرائے امتیاز رہا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے حکومتِ برطانیہ کے خلاف آواز بلند کی۔ انھوں نے فتویٰ دیا کہ "انگریزی اقتدار کے باعث ہندوستان اب دارالاسلام نہیں بلکہ دارالحرب ہے۔" [1]

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کے اس فتویٰ "ہندوستان دارالحرب ہے" کی تائید علماء ربانی نے برملا کی۔ اس کے نتیجے میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی وجود میں آئی۔ انگریز کے بعض وفادارلوں نے بعد میں شاہ صاحب کے اس فتویٰ کے خلاف ہندوستان کو "دارالاسلام" قرار دینے کی مذموم کوشش کی اور حکومتِ برطانیہ کا اعتماد حاصل کر کے سرکاری خلعت کے مستحق ٹھہرے۔ ان میں مولوی احمد رضا خاں بریلوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے ۱۳۰۶ھ میں ایک رسالہ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" تصنیف کیا جو مطبع اہلِ سنت و جماعت بریلی واقع آستانۂ عالیہ رضویہ میں خاں صاحب مذکور کے خلفِ اکبر مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب کے اہتمام سے طبع ہو کر ہندوستان بھر میں تقسیم ہوا۔ یہ سب اس وقت کیا گیا جب برصغیر پاک و ہند میں انگریز کے خلاف آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ ناشر

اسی بنیاد پر امام المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہما اللہ (م ۱۲۴۶ھ) نے تحریکِ جہاد چلائی۔ اور بالآخر بالاکوٹ کی سرزمین میں شہادتِ عظمیٰ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے چند ہی سال بعد ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان میں انگریز کے خلاف جگہ جگہ جنگِ آزادی شروع ہوئی۔

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی کمان میں تھانہ بھون کو "دارالاسلام" قرار دے کر اعلانِ جہاد کر دیا گیا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے۔ شاملی کے میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اول اول لشکرِ اسلام غالب رہا۔ انگریزی فوج کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ آخر میں جدید اسلحہ سے لیس انگریزی فوج کامیاب ہو گئی۔ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ نے اسی جنگ میں شہادت سے سرخروئی حاصل کی۔

اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت گنگوہیؒ، اور حضرت نانوتویؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ تینوں روپوش ہو گئے۔ اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ نے ایک نوع خفائی اشارے کی بنا پر حجازِ مقدس کو ہجرت کی۔

حضرتِ اقدس گنگوہیؒ گرفتار ہوئے۔ اول تین چار یوم کال کوٹھری میں اور پھر پندرہ روز جیل خانے میں رہے۔ تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی۔ آخر حکم ہوا کہ واقعہ تھانہ بھون کا ہے۔ اس لیے مقدمہ مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ حضرتِ اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ننگی تلواروں کے پہرے میں دیوبند کے راستے دوڑا دوڑا کر پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے اور مظفر نگر جیل میں بند کر دیئے گئے۔ دیوبند کے قریب سے جب حضرت گنگوہیؒ گزرنے تو

حضرت نانوتویؒ مقررہ راستہ سے کچھ ہٹ کر بغرض ملاقات پہلے آکھڑے ہوئے تھے، گو خود اُن کے بھی وارنٹ جاری تھے اور روپوشی کا زمانہ تھا، بیتابیٔ شوق میں دُور سے سلام ہوئے، ایک دُوسرے کو دیکھا اور مسکرائے۔

مظفر نگر کی جیل میں آپ تقریباً چھ ماہ رہے۔ اس زمانہ میں آپ کے عزم و استقلال اور ثباتِ قدم میں کسی قسم کی لغزش نہیں آئی۔ ابتدا سے انتہا تک ایک وقت کی نماز بھی فوت نہیں ہُوئی۔ حوالات کے دُوسرے قیدی آپ کے معتقد ہو گئے۔ ان میں بہت سے آپ کے مُرید ہوئے۔ جیل میں باجماعت نماز ادا کرتے۔ وعظ و پند و نصیحت کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ لوگوں کو سناتے۔ جب کچہری کے رُوبرُو پیش ہوتے تو جو دریافت کیا جاتا بے تکلف اس کا جواب دیتے۔ آپ نے رخصت کے بجائے عزیمت کا راستہ اختیار کیا۔ جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا صاف صاف دیا۔ پُوچھا گیا کہ تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائے۔ تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا۔ آپ نے ٹھیک ٹھیک جواب دیے کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تم کو پوری سزا دیں گے۔ آپ فرماتے، کیا مضائقہ ہے۔ بالآخر چھ مہینے جیل میں رہنے کے بعد آپ رہا کر دیے گئے لیکن سی آئی ڈی کا پہرہ آپ پر لگا دیا جو جلد کے ساتھ ہی ختم ہُوا۔

آپ نے تین مرتبہ زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا اور اپنے پیر و مرشد اعلیٰحضرت مہاجر مکیؒ کی خدمت میں فیوض و برکات حاصل کیے۔

۱۲۸۰ھ میں پہلے سفرِ حج ہُوا۔ آپ کا قیام حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں دُو سال رہا۔ دوسرا سفرِ حج ۱۲۹۴ھ میں کیا۔ حضرتِ اقدس نانوتویؒ بھی شریکِ قافلہ تھے۔ ۱۲۹۵ھ میں واپسی ہوئی۔ ۱۲۹۹ھ میں شورشِ شوق و محبت نے پھر سفر پر مجبور کیا۔

حضرتِ اقدس گنگوہیؒ کی ذات جلال و جمالِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ تھی۔ آپ کی خانقاہ شریعت و طریقت کی جامع تھی۔ جہاں ایک طرف صوفیا کی جماعت ذکر اللہ میں شب و روز مشغول رہتی تھی تو دوسری جانب طالبانِ علومِ نبوی کے حلقے میں لیل و نہار قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔

سینکڑوں ہزاروں علماء نے آپ سے علمِ حدیثِ نبوی حاصل کیا اور ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا تزکیہ و تصفیہ قلوب کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ گنگوہ شریف میں قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ مبارک کو آپ نے از سرِ نو رونق بخشی۔ آپ کا وجود مبارک کتاب و سنت کی اشاعت کے لیے وقف تھا۔ دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے آپ تاحیات سرپرست رہے۔

معاصر علماء ربانی اور مشائخ باصفا آپ کے مقبول بارگاہِ خداوندی ہونے پر یک زبان تھے لیکن کچھ بندگانِ ہوا و ہوس نے حضرت کی مخالفت میں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ ؎

اس زمانے میں ہے محرومِ ازل کی یہ شناخت
یعنی جو معتقدِ حضرت مولاناؒ نہیں

اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ جان و دل سے حضرت اقدس گنگوہیؒ کے کمالات پر فدا تھے۔ "ضیاء القلوب" میں اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ نے جن الفاظ میں ان کا ذکر فرمایا ہے وہ ایک سندِ اعزاز اور تاریخی دستاویز ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ و مولوی محمد قاسم سلمہٗ را کہ جامع جمیع کمالاتِ علومِ ظاہری و باطنی اند بجائے من راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند۔ اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس

شد کہ اوشان بجائے من و من بمقام اوشان شدم و صحبت اوشان را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند و از خدمت بابرکت ایشان فیض یاب بودہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ (ضیاء القلوب) نوشتہ شد در نظر شاں تحصیل نمایند۔ انشاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہند ماند۔ اللہ تعالیٰ در عمر شاں برکت دہاد و از تمامی نعماء عرفانی و کمالات قربتیت خود مشرف گرداناد و بمراتبات عالیات رساناد و از نورِ ہدایت شاں عالم را منور گرداناد و تا قیامت فیض اوشان جاری داراد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد"۔

"فیصلہ ہفت مسئلہ" کے آخر میں اعلیٰحضرت حاجی صاحب قدس سرہ عامۃ المسلمین اور خصوصاً اپنے متوسلین کو ارشاد فرماتے ہیں :

"اہلِ اللہ کی صحبت اختیار کریں۔ خصوصاً عزیزی جناب مولوی رشید احمد صاحب کے وجودِ بابرکت کو ہندوستان میں غنیمتِ کبریٰ و نعمتِ عظمیٰ سمجھ کر اُن سے فیوض و برکات حاصل کریں کہ مولوی صاحب موصوف جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی کے ہیں اور ان کی تحقیقات محض للّٰہیت کی راہ سے ہیں ہرگز اس میں شائبہ نفسانیت نہیں"۔

حاسدین و معاندین نے بطائف الحیل اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو آپ کی نسبت بدگمان کرنے کی ہزار کوشش کی لیکن حاجی صاحب کے قلب صافی پر اس کی حقیقت منکشف تھی۔ چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم از فقیر امداد اللہ عفی عنہ۔

بخدمت فیضدرجت جامع شریعت و طریقت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی متع اللہ بطول حیاتہ ومراداتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مکتوب

برکت اسلوب مورخہ چہاردہم رمضان شریف بدست مولوی ممتاز علی صاحب ورود سرور لایا ممنون و مسرور ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بایں عنایت و محبت بمکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر کونین میں درجاتِ عالیات قرب و رضا عطا فرماتے۔ مولانا، آپ کی تحریر باعث انشراح قلب و موجب جمعیت خاطرِ فقیر ہے۔ اس لیے آرزو ہے کہ ہمیشہ اپنی خیر و عافیت و حالاتِ ظاہر و باطن سے مسرور و مبتہج فرماتے رہ۔ آپ کے اس خط کے ہر لفظ اور ہر فقرہ سے عجب کیفیت و شیفتگی پیدا ہوئی ہے۔

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

مولانا! ضیاء القلوب میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے وہ آپ سے نہیں لکھا گیا جیسا اتفاق ہوا ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ پس مدہیات کو نہ ماننا اور اپنے ذریعۂ نجات و وسیلۂ فلاح دارین سے علٰحدگی کرنا سخت جہالت محرومی و ادبار ہے۔ خارج کرنا چہ معنی ؟ فقیر تو تم علماء و صلحاء کی جماعت میں اپنا داخل ہو جانا موجب فخرِ دارین و ذریعۂ نجات و وسیلۂ فلاحِ کونین یقین کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعا ہے کہ تم صالحین کی محبت میں جلا دے یا مارے۔ وہ شخص مدبر ہے جو تم مقدس و مقتدائے زمان سے کچھ دل میں کینہ یا سوءِ ظن یا بدعقیدگی یا عداوت رکھے۔ فقیر تو آپ کی سب حرکات و سکنات و اقوال و افعال کو منتج حسنات و برکات و موافق شریعت و طریقت سمجھتا ہے اور کل امور میں مخلص و صادق یقین کرتا ہے۔" الخ

قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے سلاسل طریقت کو حضرت اقدس گنگوہیؒ کے ذریعے سب سے زیادہ فروغ ہوا۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

"تذکرۃ الرشید" کے مطابق آپ کے خلفاء کرام کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (۲) شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹویؒ (۳) قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ (۴) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹویؒ (۵) حضرت مولانا محمد روشن خاں صاحب مرادآبادیؒ (۶) حضرت مولانا سید محمد صدیق صاحب مہاجر مدنیؒ (۷) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۸) حضرت مولانا حکیم محمد اسحٰق نہٹوریؒ (۹) حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب نگینویؒ (۱۰) حضرت مولانا قدرت اللہ مرادآبادیؒ (۱۱) حضرت مولانا عبدالصمد سونی پتیؒ (۱۲) حضرت مولانا حکیم محمد صدیق مرادآبادیؒ (۱۳) حضرت مولانا حافظ محمد یٰسین نگینویؒ (۱۴) حضرت مولانا [illegible] احمد کاندھلویؒ (۱۵) حضرت حاجی نصیر الحق کاندھلویؒ (۱۶) حضرت مولانا محمد اکرام گرسہائےؒ (۱۷) حضرت شیخ عبدالغفور جیپوریؒ (۱۸) حضرت مولانا مخلص الرحمٰن بنگالیؒ (۱۹) حضرت مولانا [illegible] احمد بنگالیؒ (۲۰) حضرت مولانا ضمیر الدین بنگالی (۲۱) حضرت قاری محمد ابراہیم بنگالی (۲۲) حضرت مولانا عبدالباری بنگالیؒ (۲۳) حضرت مولانا عبداللطیف بنگالیؒ (۲۴) حضرت مولانا صادق الیقینؒ (۲۵) حضرت مولانا محمد منظر نانوتویؒ (۲۶) حضرت مولانا داود احمد گنگوہیؒ (۲۷) حضرت مولانا قادر علی دہلویؒ (۲۸) حضرت مولانا عبدالرحمٰن پوربیؒ (۲۹) حضرت مولانا بہاء الدین کابلیؒ (۳۰) حضرت مولانا قاری مغیث الدین ساڈھورویؒ (۳۱) حضرت مولانا حافظ قمر الدین سہارنپوریؒ (۳۲) حضرت مولانا حاجی وارث حسن صاحبؒ

تصانیف

(۱) امداد السلوک (ترجمہ رسالہ مکیہ در فارسی بارشاد حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ)۔ (۲) ھدایۃ الشیعۃ (ہادی علی لکھنوی کے دس سوالوں اور ایک اشتہار کا جواب)۔ (۳) زبدۃ المناسک (تمام ضروریاتِ حج کا ذخیرہ)۔ (۴) لطائفِ رشیدیہ (استفسارات متعلقہ آیاتِ قرآنی مع پردہ مروجہ شرفائے ہند)۔ (۵) القطوف الدانیہ فی تحقیق الجماعۃ الثانیہ (تکرار جماعت کی کراہت)۔ (۶) ھدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی (عدم جواز قراءۃ خلف الامام)۔ (۷) الرائ النجیح فی عدد رکعات التراویح (۲۰ رکعت تراویح کا ثبوت)۔ (۸) اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ (رسالہ جمعہ)۔ (۹) ردّ الطغیان فی اوقاف القرآن۔ (۱۰) فتویٰ ظہر احتیاطی (احتیاط الظہر بعد الجمعہ کی تردید)۔ (۱۱) سبیل الرشاد (حنفیہ و اہلحدیث کے مختلف مسائل میں منصفانہ محاکمہ۔ (۱۲) فتویٰ میلاد (مع فتویٰ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ مجالس مولد شریف کے حسن و قبح کا بیان)۔ (۱۳) مکاتیب رشیدیہ۔ (۱۴) فتاویٰ رشیدیہ (۱۵) الشمس اللامعۃ فی کراہۃ الجماعۃ الثانیۃ۔ (۱۶) فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار السلام (ہندوستان دار الحرب ہے)

وفات :

۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء بروز جمعہ ۷۸ برس کی عمر میں آپ نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ الہند نے "اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ" سے اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ نے "کُنْتَ حَمِیْدًا لَمُتَّ شَہِیْدًا" سے تاریخ وفات نکالی۔

گنگوہ شریف میں مزار مبارک خام حالت میں ہے اور مرجع خلائق ہے۔

یادِ یاراں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بازگو از نجد و از یارانِ نجد   تا در و دیوار را آری بوجد

یادِ یاراں یار را میموں بود   خاصہ کان لیلی و این مجنوں بود

یہ چند سطور بے سروپا حضرت قطب العارفین کہف الطالبین مولانا رشید احمد المحدث الفقیہ الصوفی قدس اللہ سرہٗ السامی کے تذکرہ میں ہیں جو بے غوض و تامّل اس ناکارہ سیہ نامہ کے ذہن میں بے تکلف حاضر ہوئے۔ اس کا مصرف مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ ہے اور غایت اس کی طالبِ سبیلِ حق کو ایک نمونہ اتباع و اقتداء کے لیے دکھلانا ہے وبس۔ اس لیے اُمید ہے کہ عنوان کی بے ربطی پر التفات نہ فرما کر اصل مضمون سے منتفع ہونے پر نظر رکھی جاوے گی۔

تذکرہ ۱۔ سب سے اوّل اس نااہل کو اُس مرکزِ دائرۂ ارشاد کی زیارت اُس وقت ہوئی جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا اور وہاں حضرت اپنی تشریف آوری سے اہلِ مدرسہ و اہلِ شہر کو گاہ گاہ مشرف فرماتے تھے سن یاد نہیں رہا۔ دیکھنے سے میرے قلب میں جو عقیدت و محبت پیدا ہوئی وہ میرے لیے باعث اس کی ہوئی کہ باوجود حقیقت و غایت بیعت نہ سمجھنے کے میں نے بیعت کی درخواست کی چونکہ طبیبِ حاذق کو مریض کی رائے کا اتباع ضروری نہیں بلکہ اگر ایسا کیا جاوے تو مریض کے لیے مُضر بھی ہے، اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک علم سے فراغ نہ ہو جاوے اُس وقت تک ایسا خیال وسوسۂ شیطانی ہے۔

میری سمجھ میں اس جواب کی حقیقت اور عظمت اور حکمت مطلق نہ آئی اور غلط فہمی سے اس کو دَفْعُ الْوَقْتِی محمول کیا لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب حضرتؒ کے اعلیٰ درجہ کی شانِ ارشاد و تربیت کی دلیل ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ شیطان کا اصل مقصود انسان کو ضرر پہنچانا ہے اور ضرر کچھ معصیت ہی میں منحصر نہیں اگرچہ وہ اعلیٰ درجہ کا ضرر ہے لیکن ایک فردِ ضرر کی یہ بھی ہے کہ کسی طاعت سے اور اُس کے ثواب

سے محروم کر دے گو اُس سے کم درجہ طاعت میں مشغول کر دینے ہی سے کیوں نہ ہو پس ضرر قسم اَوّل کا اِدراک تو اکثر صلحاء بلکہ عامۂ مسلمین کو بھی ہو جاتا ہے لیکن دوسری قسم کے ضرر کا اِدراک کرنا مخصوص ہے محققین بلکہ صدیقین کے ساتھ اسی لیے حدیث میں ہے: فَقِیہٌ واحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ فقیہ ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں جو حقائق و علل خفیہ و دقیقہ کو سمجھ سکے پس شیطان اس طریقۂ اغواء کو بڑی گہری نظر کے بعد تجویز کرتا ہے اور واقع میں ہے بھی گہری بات کیونکہ جہاں گناہ کرا سکنے پر قادر ہونے میں کامیابی کی اُمید نہ ہو وہاں نقصِ ثواب ہی کو غنیمت سمجھنا نہایت گہرے درجہ کی عداوت ہے اور یہ فقیہ مُبَصِّر نورِ وہبی سے اس کا ادراک کر کے اس کی قلعی کھول دیتا ہے اور اُس کا بنا بنایا منصوبہ ایکدم میں غلط کرتا ہے پس اُس پر نہایت درجہ شاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تحصیلِ علوم دینیہ بوجہ اس کے کہ خود بھی انسان کے لیے بہت مواقع زَلّت میں آلۂ ہدایت ہے۔ و نیز اس وجہ سے کہ اس کا نفع متعدی بھی ہے لاریب کثرتِ اوراد و نوافل و نحوہا سے افضل ہے اور تجربہ سے یہ بات بھی تقریباً مُتَیَقَّن ہے کہ بیعت کے خواص لازمہ عادیہ سے ہے کہ اُس کے بعد ان اُمور کی طرف میلان و رغبت کی زیادتی ہوتی ہے اور عقلی مسئلہ ہے کہ اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّہُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ اٰنٍ وَاحِدٍ پس اس مجموعہ کا لازمی نتیجہ علوم دینیہ سے بے رغبتی ہونا ہے اور کسی امر کی تکمیل بلا رغبت ہوتی نہیں پس ضرور ایسی حالت میں علم ناقص رہے گا جس پر کبھی تو بوجہ جہل بعض اُمورِ ضروریہ کے ضررِ اعتقادی یا عملی مرتب ہو جاتا ہے جو ضررِ قسمِ اوّل ہے اور اَقَلُّ درجہ طاعت اعظم سے حرمان تو ضرور ہی ہوتا ہے جو ضررِ قسمِ دوم ہے اس مضمون کی بعض مثالیں حضرت قطب الوقت ابن عطاء اسکندری نے اپنے رسالہ تنویر میں خوب لکھی اور اسی مضمون میں حضرت عارف مسعود بکؒ فرماتے ہیں

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق درینجاست بیائید بیائید

سو اس میں خطاب عام نہیں ہے بلکہ صرف خاص اُن کو ہے جن پر حج فرض نہیں اور اُس سے زیادہ ضروری طاعت اصلاحِ نفس کو چھوڑ کر حج کو جاتے ہیں یہ حقیقت ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کے جواب باصواب کی فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ وَلِلّٰہِ بِرُّہٗ

تذکرہ۔ جب اس احقر کا گنگوہ نکاح ہوا غالباً ۱۲۹۸ھ تھا۔ والد صاحب مرحوم کی درخواست پر شیخ غلام محی الدین مرحوم بن عالی جناب حافظ عبدالکریم رئیس اعظم چھاؤنی میرٹھ کے والد مرحوم ان کی ریاست

میں مختار رہتے۔ شادی میں شامل ہونے کے لیے میرٹھ تشریف لائے تھے اور گنگوہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ نکاح حضرت قدس اللہ سرہٗ نے پڑھا تھا جب حضرت مجلسِ نکاح سے تشریف لے گئے تو شیخ غلام محی الدین صاحب مرحوم بھی ساتھ ہولیے ایک موقع پر خود احقر سے بیان فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگ دیکھے بڑے بڑے حکام سے ملا اور بات چیت کی، لیکن جو رُعب و ہیبت حضرت کی دیکھی کسی میں نہیں دیکھی یہ حالت تھی کہ بات کرنا چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی بڑی مشکل سے اتنی جرأت ہُوئی کہ نذر پیش کر سکا یہ شیخ صاحب مردم شناسی و عالی حوصلگی میں مُسلّم و معروف تھے اُن کی شہادت ایک باوقعت شہادت ہے اسی ہیبت کے باب میں کہا ہے۔

؎ ہیبت حق ست ایں از خلق نیست الخ

تذکرہ ۴۳۔ حق پرستی کی یہ شان تھی کہ ایک بار میرٹھ حضرت قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں ایک استفتاء گیا واقعہ یہ تھا کہ حافظ محمد امیر دہلوی مرحوم امام جامع مسجد لال کرتی میرٹھ نے رمضان کے عشرہ اخیرہ حالتِ اعتکاف میں میاں بھورے خزانچی کوٹھی جناب شیخ الٰہی بخش صاحب کو کچھ زیور تولنے کو بلوانے کے واسطے دیا وہ مسجد میں وضو کرنے کے سائبان میں ایک الماری میں رکھ کر وضو کرنے لگے اور وضو کر کے اُس کو بھول کر چلے گئے پھر جو آکر دیکھا تو ندارد۔ امام صاحب اور خزانچی صاحب میں اختلاف ہُوا حضرتؒ کے یہاں سوال بھیجا گیا۔ حضرتؒ نے قاعدہ کلیہ سے جواب تحریر فرما دیا کہ یہ شخص امین ہے اور کوئی تعدی اُنھوں نے امانت میں نہیں کی اِس لیے ضمان لازم نہ آوے گا۔ اتفاق سے یہ احقر کانپور جاتا ہُوا میرٹھ اُترا، اِن صاحبوں نے مجھ سے بھی سوال کیا مَیں نے کتاب نہ ہونے کا عذر کیا اور صرف سوال کی نقل لے کر کانپور چلا گیا اور وہاں طحطاوی میں ایک جزئیہ ملا کہ اگر امین رکھ کر بھول کر کھڑا ہو جاوے تو یہ نسیان عذر نہیں مَیں نے اِس جزئیہ کے موافق جواب لکھ کر بھیج دیا پھر جو ان صاحبوں سے ملاقات ہُوئی تو اُنھوں نے بیان کیا کہ ہم نے وہ جواب حضرت قدس اللہ سرہٗ کے ملاحظہ کے لیے بھیجا تھا حضرتؒ نے اس کی تصحیح اور جوابِ سابق سے رجوع کی تصریح تحریر فرما دی سبحان اللہ حق پرستی کی کیا شان تھی۔

تذکرہ ۴۴۔ مَیں نے دیوبند میں مولوی ضیاء الحق مرحوم داماد حضرت مولانا رفیع الدین مرحوم مہتمم مدرسہ کے پاس چند سوالات کے جواب حضرت قدس اللہ سرہٗ کے لکھے ہُوئے دیکھے ایک سوال یہ بھی تھا کہ بچّہ کو نزع کی تکلیف کیوں ہوتی ہے اُس پر حضرت کا یہ جواب لکھا ہوا تھا کہ مجھ کو تحقیق نہیں سُبحان اللہ دھا انا

مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ پر عمل اس کو کہتے ہیں۔

تذکرہ ۔ جب والد مرحوم کا ۱۳۰۵ھ میں انتقال ہوا میں نے کچھ سوالات متعلق جائداد ترکہ کے جناب کے ہاتھ حضرت قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں بھیجے اور جلدی جواب عطا فرمانے کے لیے عرض کر دیا۔ سوال بہت سے تھے اور اتفاق سے اُس وقت حضرت کو آشوبِ چشم کی تکلیف تھی، مگر اللہ رے دین کی خدمت اور احکام کی اشاعت کہ اُس حالت میں سب جواب تحریر فرما دیے اور اختصارِ اجوبہ کی وجہ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں چنانچہ چشم بند کردہ جواب لکھ رہا ہوں اھ دین کے لیے ایسی مشقت گوارا کرنا اللہ و رسول کی سچی محبت ہے۔

تذکرہ ۔ میں نے اُس واقعہ کے متعلق یہ رائے بھی لی تھی کہ اگر جائداد نہ رکھوں تو کیسا ہے حضرت قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ اگر رکھو رخصت ہے اور اگر نہ رکھو جب بھی حق تعالیٰ روزی سے تم کو کبھی پریشان نہ کرے گا اھ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک جس آرام سے یہ نالائق بسر کر رہا ہے ہرگز اس لائق نہ تھا یہ حضرت کی صریح کرامت ہے، خواہ حسیہ اگر کہا جاوے کہ آپ کو کشف ہوا تھا یا معنویہ اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل کر کے فرما دیا تھا ایسا اعتماد کشف سے ہزار درجہ بڑھ کر کرامتِ عظمیٰ ہے۔

تذکرہ ۔ میں جب ۱۳۱۰ھ یا ۱۳۱۱ھ میں عازمِ سفرِ حجاز ہوا تو ایک بار حاضری کے بعد گھر میں سے وقت پر عریضہ کے ذریعہ سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں اپنی تیاریِ سفر کی اطلاع کی حضرت کا جو جواب آیا اُس میں لکھا تھا کہ وہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر مجھ کو بھی یاد رکھنا اور یہ شعر تحریر فرمایا۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی   بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

اس سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کا کمالِ تواضع ظاہر ہے کہ ایسے نااہل سے ایسی فرمائش یہ قصہ بعینہٖ مشابہ اُس کے ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت عمرہ کی مانگی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھائی ہم کو بھی دعا میں شریک کرنا بھول نہ جانا۔ پس تواضع کے ساتھ کمالِ اتباعِ سنت بھی اس قصہ سے ثابت ہے۔

تذکرہ ۔ جب میں مکہ معظمہ سے چلنے لگا تو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے کہہ دینا کہ گو آپ کے مخالف لوگ یہاں آ کر طرح طرح کی باتیں لگاتے ہیں

ہیں، مگر آپ اطمینان رکھیں یہاں اُن کا کچھ اثر نہیں ہوتا ہماری آپ کی محبت اللہ کے واسطے ہے اور جب اللہ باقی ہے اسی طرح جو محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے وہ بھی باقی ہوتی ہے اور میں نے جو "ضیاء القلوب" میں آپ کی نسبت کچھ لکھا ہے وہ الہام سے لکھا ہے کیا میرا وہ علم اب بدل جاوے گا اھ چنانچہ احقر نے واپس آکر سب ملفوظات عرض کر دیے، حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا بھائی ہم تو توکل کیے بیٹھے ہیں اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں جو گنجائش حضرت مولاناؒ کی تھی اور جو اس شہادت سے ظاہر ہوتا ہے ظاہر ہے اور ایسے شیخ کامل کی شہادت ظاہر ہے کیا وقعت رکھتی ہے۔

تذکرہ ۹۔ پیشاب کر کے جو کلوخ سے استنجا خشک کرتے ہیں میں یہ سمجھتا تھا کہ کسی حدیث مرفوع سے اس کا ثبوت نہیں ایک بار حضرتؒ سے دریافت کیا آپ نے فوراً استدلال میں یہ حدیثِ مرفوع پڑھی "اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ" اور کلوخ لینا یقیناً اِسْتِنْزَاہ میں داخل ہے پس بالکل اطمینان ہوگیا اس واقعے سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کی فقاہت اور قوتِ استنباط اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہے۔

تذکرہ ۱۰۔ ایک بار میں نے یا میرے سامنے کسی اور نے یہ پوچھا کہ یاجوج وماجوج اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں یا نہیں فوراً ارشاد فرمایا کہ جانتے ہیں اور استنباط میں وہ حدیث ارشاد فرمادی کہ جب نکلنے کا وقت مُقَدَّر ہوگا تو دیوار کھود کر کہیں گے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کل یہاں سے نکل جاویں گے اھ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔

تذکرہ ۱۱۔ تَشَہُّد میں جو رفعِ سَبَّابہ کیا جاتا ہے اس میں تردد تھا کہ اس اشارہ کا بقا کس قعدہ تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں حضرت قدس اللہ سرہٗ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ فوراً ارشاد فرمایا کہ ترمذی کی "کتاب الدَّعَوات" میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اس میں سبابہ سے اشارہ فرمارہے تھے اور ظاہر ہے کہ دعا قریب سلام کے پڑھی جاتی ہے پس ثابت ہوگیا کہ اخیر تک اس کا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے اس سے بھی سرعتِ انتقالِ ذہنی اور ملکۂ استنباط بخوبی روشن ہے اور بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو "باب التشہد" میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے۔

تذکرہ ۱۲۔ ایک بار بعض وجوہِ خاصّہ سے آبادی سے الگ خَلْوَت اختیار کرنے کی پسندیدگی حضرت قدس سرہٗ کی حضور میں عرض کی گئی فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے جنگل میں رہنا پسند نہیں کیا اس میں ارشاد

ہے مصلحت کی طرف اور تنبیہ ہے کید نفس پر کیونکہ بعض اوقات نفس کو ایسے خیالات سے دینی امور مقصود ہوتے ہیں جو احیاناً ایسے افعال پر از قبیلِ مفاسد مرتب ہو جاتے ہیں یعنی شہرت و عجب و تحقیرِ خلق اس سے شانِ ارشاد اور تربیت کی عیاں ہے اور اس عنوان سے کہ ہمارے بزرگوں نے اس کس قدر تادّب و تواضع مترشح ہے کہ اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا۔

تذکرۂ ۱۴ - (متضمن بعض احسانات عظیمہ بریں آلودہ اُذنا سے ذمیمہ) حسبِ ارشادِ نبوی مَن لَم یَشکُرِ النَّاسَ لَم یَشکُرِ اللّٰہَ۔

یوں تو ہر صحبت اور ہر مخاطبت میں کچھ نہ کچھ فیض و احسان فائض رہتا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ دو احسان زیادہ قابلِ ذکر ہیں ایک علمِ ظاہری کے متعلق دوسرا باطنی کے متعلق، اوّل کا مختصر بیان یہ ہے کہ میں مدت تک مسائلِ اختلافیہ میں اہلِ الحق و اہلِ البدعۃ کے متعلق باوجود صحتِ عقیدہ والحمد للہ، ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے۔ یعنی بعض اعمالِ رسمیہ مثل مجلسِ متعارف میلاد شریف و امثالہ جو کہ بعض مفاسد کی وجہ سے عوام الناس کو مطلقاً اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں۔

ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا اور یہ صحتِ عقیدہ کی تھی اور عوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا رہتا تھا، لیکن یہ امر میرے خیال میں جم رہا تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا۔ پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرّا ہیں ان کو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح عوام کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ اُن نفسِ اعمال کی اجازت دے کر ان کے ان مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جاوے گی جس کا فساد مدارِ نہی ہے اور بالکل منع کر دینے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہو گی ایک مدت اس حالت میں گذر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ و حدیث وغیرہا کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا حضرت قدس اللہ سرہٗ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایتِ اُلفت و شفقت سے مولوی معشوق علی صاحب دربھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تأسف ظاہر فرمایا اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ اچھے درویشوں سے جن کی حالت

کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا میں نے بخیال خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا کَدِرَ بعض اذکارُ اشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی اور آمد و رفت اور صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا اور لزومِ مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں اور عوام کو حق و باطل پر تقریرًا متنبہ کرتے رہنا دفعِ مفسدہ کے لیے کافی ہے سو حضرتؒ نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تاسّف ظاہر فرمایا اور غایتِ کرم یہ قابل ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایت کرم و حیا سے بِالْمُشَافَہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے باوجود حاضری کَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ کے بِالْمُشَافَہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا اور اس زیادہ لطف و کرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اُس کو محمل حَسَن پر محمول فرمایا اور اُسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر درباب ممانعتِ تنازع و اختلاف مسائل مَعْہُوْدَہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور مجھ کو اُس کی تفصیل کا حکم دیا چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا اُس کی تفصیل بھی اُسی کے موافق عنوان سے حیزِ تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں اُس کو سُنایا چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بوجہ لزومِ خلوت و قلتِ اختلاط مع العوام و بنا بر غلبۂ حسنِ ظن عوام کے حالات اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا لامحالہ اُس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی اور ہر چند وہ عنوان میرا تھا مگر چونکہ اصل مضمون حضرتؒ نے از خود ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا لہٰذا حضرتؒ نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط و مہر سے مزین فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بعنوان "فیصلہ ہفت مسئلہ" شائع کر دیا گیا جس کو بعضے کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مؤید سمجھا وَ اَنّٰی لَہُمْ ذٰلِکَ کیونکہ اُن مفاسد کا اُس میں بھی صراحۃً رَدّ ہے۔ صرف خوش عقیدہ خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وُسعت اس میں مذکور ہے جس کا مبنیٰ وہی خیالِ مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے۔ غرض حضرت قُدِّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا۔ مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرت کے توجہِ فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر تنبہ ہو گیا، لیکن زیادہ بصیرت کے لیے میں نے اس بارہ میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں اور وہ تحریرات سوانح[1] میں

---

[1] یعنی تذکرۃ الرشید میں

چھپ چکی ہیں۔ بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع ہوگئی اور اُس پر اطلاع ہونے سے ایک بابِ عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہوگیا جس کا ملخص یہ ہے کہ مدارِ نہی فی الواقع فسادِ عقیدہ ہی ہے، لیکن فسادِ عقیدہ عام ہے۔ خواہ فاعل اس کا مُباشر ہو خواہ اُس کا سَبَبْ ہو پس فاعل اگر جاہلِ عامی ہے تو خود اُسی کا عقیدہ فاسد ہوگا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اُس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا، اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اُس فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے مگر کُل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سُنا اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا تو یہ شخص اُس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جاوے تو بُرا ہے اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بِالذّات نہ ہو وہاں اُس فعل ہی کو ترک کر دیا جاوے گا۔ پس اس قاعدہ کی بناء پر اُن مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے بلکہ اُن مفاسد سے احتراز کے لیے اس فعل کو ترک کر دیں گے، البتہ جو فعل ضروری ہے اور اُس میں مفاسد پیش آویں وہاں اُس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتَّی الامکان اُن مفاسد کی اصلاح کی جاوے گی، چنانچہ احادیثِ نبویہ و مسائلِ فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں ماہر پر مخفی نہیں اُن میں سے کسی قدر رسالہ "اصلاح الرسوم" میں بندہ نے لکھ بھی دیا ہے جب میرے اس خیال کی اصلاح ہوگئی تو اس کے سب فروع و آثار کی اصلاح بفضلہ تعالیٰ ہوگئی، چنانچہ خلافِ شریعت درویشوں کی صحبت و تلقی سے بھی نجات ہوئی اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھ کر شائع کر دیا گیا جس سے اُس کے متعلق اہلِ افراط و تفریط کے سب اوہام کو رفع کر دیا گیا۔ اور دوسرا احسان متعلق باطن کے سوا اُس کی تفصیل میں چونکہ مخفیات کا اظہار بھی ہے اور نیز وہ قصہ بھی نہایت دردناک اور ناگوار ہے۔ اس لیے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامت اعمال و کثرتِ مَعَاصِیْ سے مجھ پر ایسی ایک حالت شدید طاری ہوئی تھی کہ باوجود صحتِ بدنی کے زندگی سے مایوسی تھی بلکہ موت کو ہزار ہا درجہ حیات پر ترجیح دیتا تھا اور اُس کو اِس سے زیادہ عنوان سے تعبیر نہیں کر سکتا کہ

دو گونہ رنج و عذاب ست جانِ مجنوں را — بلائے فرقتِ لیلیٰ و صُحبتِ لیلیٰ

اُس وقت حضرت قدّس سرّہٗ نے دعا و تعلیم و ہمّت سے خاص توجہ فرمائی جس سے ہوش و حواس درست ہوئے اور جان میں جان آئی اور اُس حالت کے طریان کے اور پھر اُس کے زوال کے منافع بحمد اللہ محسوس ہوئے۔ اِن دونوں احسانوں کو اُمید ہے کہ عمر بھر نہ بھولوں گا اور حکم بھی یہی ہے۔ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ

تذکرہ ۱۴۔ ایک دقیق کمال حضرت قدّس سرّہٗ میں یہ پایا کہ کبھی چلنے کی آواز نہیں سُنی گئی یا زیادہ کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

تذکرہ ۱۵۔ اسی طرح کبھی مَغْلُوْبُ الْغَضَبْ نہیں پائے گئے اور یہ دونوں امر شعبہ ہیں اتباعِ سُنّت کے طبعی ہو جانے کا۔

تذکرہ ۱۶۔ حدیثوں میں جیسا برتاؤ جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیہاتیوں کے ساتھ آیا ہے۔ اس کا نمونہ حضرت قدّس اللہ سرّہٗ میں دیکھا کرتے تھے۔

تذکرہ ۱۷۔ قلّتِ کلام اور کثرتِ ذکر کے مفہوم کا مصداق اتباعِ سُنّت کے حدود کی ساتھ کسی نے حضرت قدّس سرّہٗ کے برابر کہیں کم دیکھا ہوگا۔

تذکرہ ۱۸۔ خوش مزاجی وقار کے ساتھ حضرت قدّس سرّہٗ میں عجیب لطافت کے ساتھ پائی جاتی تھی۔

تذکرہ ۱۹۔ دل جوئی اور تسلّی جس بلیغ اور سلیس طرز پر حضرت قدّس سرّہٗ میں دیکھی بہت کم اس کی نظیر پائی جاسکتی ہے۔ ایک بار ایک شخص نے اپنا خواب عرض کیا تھا کہ گویا آپ کی وفات ہوگئی ہے اور اس خواب نے اُس کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ آپ نے نہایت بے ساختگی سے ارشاد فرمایا کہ بھائی تمہارے سامنے زندہ تو بیٹھا ہوں اور آخر کبھی تو مروں ہی گا مگر یہ کیا ضرور ہے کہ خواب کے ساتھ ساتھ تعبیر بھی واقع ہو جاوے۔

تذکرہ ۲۰۔ قدرتی طور پر اور میرا گمان یہ ہے کہ کچھ کثرتِ ذکر سے مزاج میں لطافت اور ذکاءِ حِس اس درجہ تھی کہ ادنیٰ امرِ موذی سے متاذّی ہوتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ضبط اس کمال کا تھا کہ جہاں اظہار سے کسی کی تاذّی کا احتمال ہوتا تحمّل فرماتے تھے۔

تذکرہ ۲۱ - اپنے خدام اور منتسبین میں اتفاق کو بہت محبوب رکھتے اور کبھی کسی کی شکر رنجی کی اطلاع ہوتی تو توافق میں سعی فرماتے۔

تذکرہ ۲۲ - اپنے مخلصین کے ساتھ حُسنِ ظن نہایت درجہ رکھتے۔

تذکرہ ۲۳ - استقلال اس درجہ تھا کہ بڑے بڑے حوادث سے از جا رفتہ نہ ہوتے۔

تذکرہ ۲۴ - ہیبت خداداد اس درجہ تھی کہ باوجود آپ کی غایت خوش اخلاقی و نرم مزاجی کے بڑے بڑے ہمت و جرأت والوں کا حوصلہ نہ ہوتا تھا کہ آپ کے سامنے زیادہ کلام کر سکیں۔

تذکرہ ۲۵ - آپ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وَسَاوِس کی کثرت ہو جوں ہی آپ کی صحبت میں بیٹھے اور قلب میں ایک خاص قسم کا سکینہ اور جمعیت حاصل ہوئی جس سے سب کدورات رفع ہو گئیں اور قریب قریب آپکے کل مریدوں میں عقائد کی دُرستی دین کی پختگی خصوصًا حُبّ فِی اللہِ و بُغض فِی اللہ بدرجۂ کمال مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ یہ سب برکت آپ کی صحبت کی ہے اور ان کمالات کی شہادت میں بے شمار واقعات موجود و مشہود ہیں۔

تذکرہ ۲۶ - یہ بعض واقعات و کمالات حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے متعلق عالمِ یقظہ کے ہیں اور عالمِ رؤیا میں بھی بعض امورِ مُبَشِّرہ معلوم ہوئے گو اس احقر کاذِبُ الْاَقْوَال و کَاذِبُ الْاَحْوَال کے اکثر خواب بھی میرے قال و حال ہی کے مثل ہیں اور وہ کسی طرح استناد و اعتماد کے قابل نہیں مگر محض دوستوں کے جی خوش کرنے کے لیے حضرتؒ کے متعلق اپنے دو خواب ذکر کرتا ہوں ایک حضرتؒ کی حیات میں دیکھا تھا اور ایک بعد وفات۔

خوابِ اوّل یہ ہے کہ کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قطب ہیں یا یوں کہا قُطْبُ الْاِرْشَاد ہیں۔ دوسرا جو بعد وفات دیکھا یہ ہے کہ میں نے حضرت کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہا تو کسی نے یوں کہا کہ نہیں قُدِّسَ سِرُّہٗ یا قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ کہو۔ خواب اوّل تو محتاج تعبیر نہیں اس لیے صرف دوسرے خواب کے معنی حسب اپنے فہم کے لکھتا ہوں کہ اس خواب کا یہ مطلب نہیں کہ رحمۃ اللہ علیہ کہنا ممنوع ہے یا یہ کہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مفہوم میں قُدِّسَ سِرُّہٗ سے گھٹا ہوا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ بعض اوقات الفاظ و عبارات مُتَّحِدَۃُ الْمَعْنٰی میں حسبِ عرف کچھ تمائز اور تغایر بھی ہوا کرتا ہے، چنانچہ اسی بناء پر صلی اللہ علیہ وسلم بجز انبیاء کے کسی کے لیے اطلاق نہیں کیا جاتا۔ رضی اللہ عنہ اس وقت

بجز سلف کے کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا پس اسی طرح اس وقت عرفاً رحمۃ اللہ علیہ عموماً صلحی کے لیے بولا جاتا ہے اور قُدِّسَ سِرُّہٗ خاص اکابر اولیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پس مقصود اس سے تنبیہ ہے کہ حضرت اس درجہ کے اکابرین سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تذکرہ ۲۷۔ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی بعض تحریرات عام اور خاص مضامین کی بھی میرے پاس تھیں جو میں نے مکرمی مولانا محمد یحییٰ صاحب کو دے دی تھیں جن میں بعض خاص دست مبارک کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض بعد معذوریِ بصر کے دیگر خواص معتمدین سے لکھوائی ہوئی ہیں چونکہ مولوی صاحب بشرطِ مصلحت اُن کی اشاعت فرما سکتے ہیں لہٰذا میں نے ان اوراق میں اُس کو شامل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

تذکرہ ۲۸۔ اخیر میں یہ بات بھی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتی ہے کہ بعض حضرات کو قلتِ تدبر یا غلبۂ حسد کی وجہ سے حضرت پر کچھ اعتراضات بھی ہیں مگر اُن سب کے مَبادِی اور مَناشی اعلیٰ درجہ کے کمالات ہیں جو حسبِ قول سعدیؒ ؎

عیب نماید ہنرش در نظر

بعض کو بشکلِ اعتراض نظر آتے ہیں۔ اُن سب کا جواب یہ ہے۔

؎ وَلَا عَيْبَ فِيْهِمْ غَيْرَ اَنَّ سُيُوْفَهُمْ بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

تذکرہ ۲۹۔ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی وفات کا تاریخی مادہ احقر کے خیال میں یہ آیا تھا۔

مَوْلَانَا عَاشَ حَمِيْدًا۔ مَاتَ شَهِيْدًا

جس سے ۱۳۲۳ھ نکلتا ہے۔

تذکرہ ۳۰۔ چونکہ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے خواص اور اَخَصُّ الْخَوَاص حضرات سوانحِ مبارکہ لکھنے پر متوجہ ہیں جو علم میں اطلاع میں فہم میں تحقیق میں درجۂ علیا رکھتے ہیں اور جن کے ساتھ خود اس ناکارہ کو نسبتِ خادمیت و نیاز مندی ہے اس لیے اس قدر لکھنا بھی اگر بعض مخلص[1] احباب کی حکم برداری اور خود بھی شمولِ برکت کی اُمید نہ ہوتی تو غیر ضروری اور خلافِ اَدَب تھا۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

تمت

---

[1] مراد اس سے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ہیں۔ مولانا موصوف سوانح کے دو حصے شائع کر چکے ہیں جن میں مفصل حالات موجود ہیں۔

بر مزارِ قطبُ الارشاد

خاتم المحدثین، شیخ الاسلام والمسلمین، سند الاصفیاء الکاملین، مجددِ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

(م - ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) کے حضور میں نذرانۂ نفیسؔ

ہے یہ کس کی خوابگہِ حسیں، یہ نفیسؔ کس کا مزار ہے
کہ نفس نفس کو جو ہے سکوں تو نظر نظر کو قرار ہے

یہاں اِک نگار ہے خیمہ زن، یہ حریمِ حُسنِ نگار ہے
یہاں محوِ جلوۂ سرمدی، وہ ہزار رشکِ بہار ہے

یہ فرودگاہِ رشیدؒ ہے، یہ مقامِ فخرِ فریدؒ ہے
یہ مکانِ خُلد نشان ہے، یہ مکینِ عرش وقار ہے

جو ابُو حنیفہؒ وقت[۱] تھا، جو کبھی بخاریؒ عصر تھا
جو جنیدؒ و شبلیؒ دہر تھا، یہ اُسی کی خاکِ مزار ہے

یہ مزار بُقعۂ نور ہے، یہ جہانِ عشق کا طُور ہے
یہاں آفتابِ جمال ہے، یہ تجلّیوں کا دیار ہے

۱؎ ابُوحنیفۂ وقت : حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو تفقہ میں مقام بلند کی بنا پر "ابُوحنیفۂ عصر" کا لقب دیا تھا۔ وہ اپنے عہد میں اِسی لقب سے معروف تھے۔

یہاں قُدسیوں کا نزُول ہَے ، یہ دلیلِ حُسنِ قبُول ہے
یہاں سو رہا ہَے وُہ نازنیں ، جو نبیؐ کا عاشقِ زار ہے
جو کلامِ دوست کا نُور ہَے ، تو حدیثِ یار کا فیض ہے
اِسی فیض سے ، اِسی نُور سے ، یہ مزارِ مُقتُمہ زار ہَے
یہ جُنُوں کا مَحمِلِ شوق ہَے ، یہ نظر کی منزلِ شوق ہے
مِرا عِشق حاصِلِ شوق ہَے ، مِرا عشق اِس پہ نثار ہے
وُہ کہ تھا مُجاہدِ شامِلی[۲] ، صفیں جِس نے اُلٹیں فرنگ کی
اُسی صف شکن کی یہ گھات ہَے ، اُسی شیر کا یہ کچھار ہے
کوئی دیدہ وَر ہو تو دیکھ لے ، بڑے معرکے کا یہ مَرد ہے
یہ جو کہکشاں کی سی گرد ہَے ، اِسی گرد میں وُہ سوار ہے
کبھی جام پینے پہ آ گئے ، تو سمندروں کو چڑھا گئے
یہ جو آج تک نہیں ہوش ہَے ، مئے عِشق ہی کا خُمار ہے

---

[۲] شامِلی ، آپ ۱۸۵۷ء کے جہاد میں خانقاہِ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آراء ہو گئے اور اپنے مُرشد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دُوسرے رُفقاء کے ساتھ قصبہ شاملی کے معرکہ جہاد میں شامل ہو کر خوب دادِ شجاعت دی ۔ [۱] ، [۲] قاری محمد طیب نوراللہ مرقدہ

(پچاس مثالی شخصیات بحوالہ تاریخِ دارالعلوم دیوبند)

یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، ابھی آپ مجھ سے نہ پُوچھیے
مِری آنکھ محوِ جمال ہے، مِرے سامنے رُخِ یار ہے

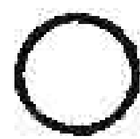
مَیں نگاہِ شوق کا کیا کروں، دلِ ناصبُور سے کیا کہُوں
ابھی حشر میں بڑی دیر ہے، ابھی دُور رُوزِ شمار ہے

کوئی نکتہ چیں ہو، ہُوا کرے، مگر اے نگاہِ کمال ہیں
ذرا کر کے دیکھ مُشاہدہ، یہاں نُور ہے وہاں نار ہے

کِسی خُشک طبع سے کیا غرض، کِسی تنگ ظرف سے کام کیا
مِری اہلِ دِل سے ہے دوستی، مجھے اہلِ دَرد سے پیار ہے

یہی میرا ناز و نیاز ہے کہ اسیرِ زُلفِ رشیدؒ ہوں
اِسی سلسلے کا مُرید ہُوں، مِرا اِس پہ دار و مدار ہے

مَیں فدائے عشقِ رسُولؐ ہُوں، مَیں نبیؐ کے پاؤں کی دُھول ہُوں
مِرا دل خُدا کے حضُور میں، بہ نیاز سجدہ گزار ہے



سہارنپور ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ
۲۷ جنوری ۱۹۷۰ء

قُطبَین

قُطبِ آفاق ، آں شہِ عبد الرحیم
جانِ جاناں ، حاملِ خُلقِ عظیم

پاک طینت ، صاحبِ قلبِ سلیم
روحِ وَسے ، ہمرازِ قرآنِ حکیم

اللہ اللہ ، خانقاہِ رائپور
بے گماں ، بُرجِ صراطِ مستقیم

ایں تجلی گاہِ عبد القادر است
بزمِ مہر و ماہِ عبد القادر است

"قُطبِ ارشاد" از رہِ صِدق و صَفا
مُرشدِ ما شاہِ عبد القادر است

نفیس الحسینی

۲۳ رجب ۱۴۲۲ھ

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

حضرت مولانا رائپوری قدس سرہٗ

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نُطق نے بوسے مری زباں کے لئے

حضرت ممدوح اس صدی کی وہ مقتدر ہستی تھی جو گذشتہ صدیوں کے بزرگان مشاہیر کا نمونہ بن کر دنیا میں آئی تھی۔ شانِ تفویض[2] کی مجسم تصویر، بحرِ توحید کی غواص[3] تسلیم و رضا میں غرق اور توکل و اعتماد

---

[1] سر سے پیر تک جہاں کہیں میں دیکھتا ہوں ناز اندازوں کا دامن کھینچ لیتا ہے کہ بس جگہ یہی ہے۔ [2] ہر بات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ [3] غوطہ لگانے والے۔

میں فنا، شریعت میں آپ عالم متبحر تھے مگر طریقت کا آپ پر غلبہ تھا کہ دیکھنے والا آپ کو مولوی و عالم نہ سمجھتا تھا۔ یکسوئی اور وحدت نشینی[1] آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی مگر حق تعالیٰ کو آپ کے نورِ فیضان سے عالم کو منور کرنا تھا اس لئے جس گمنامی و تنہائی کے آپ متمنی و شیدا تھے اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ مخلوق کو قدرتی طور پر آپ کی طرف کشش ہوتی اور آپ جتنا دنیا سے بھاگتے گھبراتے اور دامن چھڑاتے تھے اسی قدر دنیا آپ کا تعاقب کرتی لپکتی اور دامن پکڑتی تھی۔ آپ کے حالاتِ عجیبہ بیان کرنے سے زبان عاجز ہے۔ محبوبیت آپ پر سایہ افگن تھی اور اس لئے مخلوق کو آپ کے وجود باجود سے ظاہری و باطنی ہر قسم کا ہر وقت نفع پہنچتا رہتا تھا۔ آپ کا قیام قصبہ رائپور ضلع سہارنپور میں بستی سے باہر ایک باغ میں تھا جس کے نیچے نہر جاری تھی اور دنیا ہی میں حق تعالیٰ نے آپ کو جنت تجری من تحتھا الانھار[2] کا مصداق بنا رکھا تھا۔ آپ حضرت انگوہی قدس سرہ کے اجل خلفا میں تھے اور غلبہ کتمان[3] و اخلاص کی وجہ سے نقشبندیت کا آپ پر غلبہ تھا کہ باغ کے پتہ پتہ اور نہر کے قطرہ قطرہ سے ذکر اللہ سنائی دیتا اور بے حس و بے مس شخص بھی حاضر خدمت ہو کر اس اندرونی لذت کو محسوس کرتا تھا جس میں آپ کا اور آپ کے متوسلین کا ہر لمحہ گذرا کرتا تھا ؎

نقشبندیہ[4] عجب قافلہ سالارانند | کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

قرآن و سنت سے عشق آپ سنتِ نبویہ کے عاشق تھے اور تعلیم قرآن مجید سے بالخصوص مانوس کہ تمامی علوم دینیہ بلکہ دین کی اصل یہی ہے اور عام طور پر اس کی طرف سے توجہات کے قلیل ہو جانے سے آپ کی توجہ اس طرف اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جگہ جگہ مکاتبِ قرآنیہ جاری کرنے کے آپ حریص تھے اور بچوں کو صحیح وصاف سادہ لہجہ میں قرآن مجید پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

مثالی مدرسۂ قرآن خود آپ کے باغ میں بھی ایک مدرسہ تھا جو توکل کا مجسمہ تھا کہ نہ کوئی جائداد اس کے لئے وقف تھی نہ کہیں سے چندہ مقرر تھا بلکہ حاضر ہونے والے مخلصین میں کوئی اہل مال یا خوش حال حاضر ہوتے تو ان کے سامنے مدرسہ کا تذکرہ کرنا بھی آپ کو گراں گذرتا تھا کہ یہ تذکرہ بھی ایک قسم کا سوال ہے اور مخلوق پر اپنی حاجت کا پیش کرنا یا اس میں کسی قسم کی ان سے مدد چاہنا آپ کی طبعی غیرت کو گوارا نہ تھا۔ باایں ظاہری بے سر و سامانی کے بستی کا یا باہر کا جو بچہ بھی پڑھنے کے خیال سے آتا وہ بشوق و رغبت لیا جاتا اور اس کو اپنا محسن سمجھ کر محبت و شفقت کے ساتھ فوراً داخل کر لیا جاتا تھا۔ ماشاء اللہ اس مکتب میں ستر سے زیادہ طلبہ تھے جن کے کھانے اور کپڑے کی تمامی ضروریات خزانۂ غیب کی

---

[1] اکیلا بیٹھنا۔ [2] وہ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ قیامت میں مومنین کیلئے فرمایا۔ [3] خود کو چھپانا۔
[4] نقشبندی بزرگ بھی عجیب راہبرانِ قافلہ ہیں کہ چھپے راستے سے ہی قافلہ کو حرم شریف پہنچا دیتے ہیں۔

پوری ہوا کرتی تھیں۔ ان طلبہ میں اندھے اور معذور بھی ہوتے تھے جن کی کفالت والدین اور کنبہ کو بھی بار معلوم ہوتی تھی اور اس لئے وہ مدرسہ میں آجاتے تھے کہ یہاں ماں باپ سے زیادہ شفقت کرنے والے ان کو ملتے تھے۔ نیز یہاں ایسے چھوٹے نو عمر بچے بھی تھے جن کو خود منہ دھونا بھی اچھی طرح نہیں آتا تھا اور ان کے ماں باپ ناداری کی وجہ سے ان کو مکتب میں پہنچا دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ مدرسہ میں پہنچ جانے کے بعد ان بچوں کا ایسا دل لگتا تھا کہ پھر نکالے بھی نہ نکلتے تھے۔ ہر خورد سال اور نابینا و غیرہ بچہ کسی سمجھدار بڑے طالب علم کی نگرانی میں دیدیا جاتا تھا کہ وہی اس کی بول و براز اور خورونوش کی تمام ضروریات کا کفیل بنتا، ہاتھ پکڑ کر جنگل لے جاتا، واپس لا کر حمام و سقایہ بتاتا، لوٹے میں پانی لے کر منہ دھوتا اور آہستہ آہستہ ہر ستھرائی وصفائی کی پیار کے ساتھ اس کو تعلیم دیتا رہتا تھا۔ تمام طلبہ عموماً گاؤں کے باشندے تھے جن کی گذران سادہ اور جفاکشی طبعی عادت تھی۔ اس لئے حضرت کو اس کا لحاظ بھی تھا کہ طلبہ کاہل نہ بنیں۔ لہٰذا ان کی اور مدرسہ کی تمامی ضروریات کا بار خود انہی پر تھا کہ چند طلبہ سے متعلق روٹی پکانا تھی اور وہ مدرسہ سے چھٹی ملتے ہی سارے مدرسہ کے طلبہ کی روٹیاں پکایا کرتے اور چند طلبہ کے ذمہ پانی لانا تھا کہ وہ وقت آتے ہی گھڑے لے کر نہر پر جاتے اور جس قدر پانی کی بھی مدرسہ کے تمام طلبہ کو ضرورت ہوتی وہ گھڑے اور مٹکے لبریز کر دیا کرتے تھے۔ مسجد کا سقایہ بھی وہی بھرتے اور جنگل سے خود رو لکڑی کاٹ کر یا چن کر بھی طلبہ ہی لاتے تھے۔ آٹھویں دن اپنے اور ان ناسمجھ بچوں کے جو ان کی تحویل میں ہوتے کپڑے دھوتے اور نہر پر جا کر خود نہاتے اور ان کو مل کر نہلایا کرتے تھے۔

غرض ضروریاتِ بشریہ کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو اِن سے نہ لیا جاتا ہو، اور اس طرح پر نہ اُن میں کاہلی آنے پاتی تھی اور نہ ان میں وہ مادہ پیدا ہوتا تھا جس کی وجہ سے آئندہ اپنی ضروریات پورا کرنے میں ان کو عار آوے یا کسی کام کو خلافِ شان سمجھیں۔ خس پوش مکان جس کی دیواریں بھی پھونس اور بانس کی تھیں ان کا مدرسہ تھا اور جنگل کی زمین جو نہ کبھی میلی ہو کہ دُھلنے کی ضرورت پڑے نہ پھٹے اور پرانی ہو کہ بدلنے کی حاجت پیش آوے ان کا فرش تھا جس پر دینی و دنیوی ضروریات سے فارغ ہو کر آرام سے لیٹتے اور ہنسی خوشی سو کر ہنستے خوش ہوتے اٹھ بیٹھا کرتے تھے۔

صبح صادق سے ڈھائی گھنٹہ قبل آخر شب میں سب کو جگا دیا جاتا اور وہی وقت ان بچوں کے اپنا سبق یاد کرنے کا ہوتا تھا کہ چار چار پانچ پانچ طلبہ دَور بنا کر ایک چراغ بیچ میں رکھ کر تھوڑے تھوڑے فصل پر بیٹھ جاتے اور دن میں پڑھا ہوا سبق یاد کر کے اُٹھا کرتے تھے۔ اس طرح بچپن ہی سے ان کو آخر شب میں اُٹھنے کی عادت ہو جاتی اور وہ برکات جو اس مبارک وقت میں قدرت نے رکھی ہیں بآسانی

ان کو حاصل ہو جاتی تھیں۔ نو وارد طلبہ شروع شروع میں کسمساتے مگر ساٹھ ستر طلبہ کا بآواز بلند پڑھنا ان کو میٹھی نیند سونے نہ دیتا اور آخر چار دن کے بعد وہ خود اپنے زمرہ میں شامل ہو جاتے تھے کہ نہ نیند رہتی تھی نہ خمار۔ سنسان گھڑیوں کے چند منٹ جس میں معدہ بھی صاف اور ہلکا ہوتا تھا اور یکسوئی بھی بدرجہ کمال تھی وہ دن کے چند گھنٹوں سے بڑھ کر حفظ میں مدد دیتے اور صبح کو سبق ایسا فر فر سناتے تھے کہ تمام دن رٹنے والا بھی ایسا نہیں سنا سکتا۔

صبغۃ اللّٰہی مکتب

مکتب کیا تھا نائبِ رسول جامع شریعت و طریقت شیخ کی خانقاہ تھی جس میں کچی[1] لکڑیوں کو بآسانی سیدھا کیا جاتا اور ان اخلاق حسنہ کو عادت و خو بنا کر دلوں میں رچایا جاتا تھا جو بڑے ہو کر برسوں کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ایثار و شفقت علی الخلق کا ان بچوں میں ایک خاص مضمون ہوتا تھا اور قناعت و صبر کا ایک مخصوص رنگ۔ ایک مرتبہ صبح سویرے بندہ خس پوش مسجد میں چلا گیا جو خس پوش مدرسہ کے متصل تھی تو میں نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی جس کی عمر سات آٹھ برس کی تھی کہ سسکیاں لے رہا اور اس کا نگران طالب علم بڑے پیار کے لہجہ میں اسی اپنی دیہاتی سادہ زبان میں اس سے پوچھ رہا تھا کیوں رووے ہے؟ کیا ماں یاد آرہی ہے؟ یا پیٹ میں درد ہے؟ میں تو تیرے پاس موجود ہوں اور تیری ہر خدمت کو حاضر ہوں کچھ تو بتا کیوں پریشان ہے؟ تاکہ اس کا انتظام کر دوں دیر ہو گئی کہ نہ بچہ کی سسکیاں تھمیں اور نہ طالب علم پوچھنے اور بہلانے پھسلانے سے اکتایا۔ آخر جماعت کا وقت آیا تو اس کو گود میں اٹھا کر باہر لایا اور خدا جانے کیا تدبیر کی کہ اس کو منا لیا اور وضو کرا کے اس کو سنتیں پڑھانے میں لگا دیا۔ سلام پھیر کر دیکھتا ہوں تو وہ پیچھے بچوں کی صف میں بیٹھا دعا مانگ رہا ہے۔

مسجد نبوی کا نقشہ

صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں مسجد نبوی کا نقشہ نظر آتا تھا اور بارش میں ٹپک کر سجدہ گذار پیشانی کو تر زمین سے مانوس کیا کرتی تھی۔ اور بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جو لطف پھونس کے سایہ میں اس ستھرے ریتیلے فرش پر نماز پڑھنے میں نصیب ہوا وہ آج تک کبھی اور کہیں[2] نصیب نہیں ہوا۔ قرآن شریف کے ساتھ اردو کی دینیات اور نماز روزہ کے مسائل ضروریہ کے رسائل بچوں کو پڑھائے جاتے تختی لکھوائی جاتی اور اس قابل بنا دیا جاتا تھا کہ مدرسہ سے جا کر اپنی کھیتی کے کام میں لگیں مگر جنگلی بن کر نہیں بلکہ آدمی اور ولی بن کر لگیں کہ دین کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو اور ان کی سادہ راحت کی گذران میں نقصان نہ آوے۔

---

[1] بچوں کو درست کیا جاتا۔ [2] مسجدوں کی اصل زینت تو یہی خلوص ہے نہ کہ پختگی اور نقش و نگار بلکہ یہ تو قرب قیامت کی علامت فرمایا گیا ہے۔

اصلیت اور تصنع میں بڑا فرق ہے

اصل طبیعت میں اور تصنع و بناوٹ میں بہت فرق ہے کہ اول الذکر کا انجام برکت و کامیابی ہے اور ثانی الذکر کا ثمرہ ذلت و ناکامی۔ پس ایک شخص کسی بڑے رئیس کا ملازم ہو اور رئیس نے وعدہ کر لیا ہو کہ تمہاری تنخواہ تا زیست بند نہ کی جائے گی اس کے دل کو ٹٹولو کہ اپنی معاش کی طرف سے اس کو کیا بے فکری ہوگی اور وقت پر تنخواہ مل جانے کا کتنا بھروسہ ہوگا اور اس کے مقابل اس کا حال دیکھو جو سندیں لئے ہوئے طلب ملازمت میں جگہ جگہ درخواستیں پیش کرتا پھرتا اور ہر جگہ سے یہ جواب سنتا ہے کہ اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں ہے ہاں آئندہ خیال رکھا جائے گا اس شخص پر جو پریشانی مسلط ہوگی اس کا یہ اثر ہوگا کہ اب کسی محکمہ میں درخواست دینے پر بھی اسی جواب کے واہمہ و خوف میں اس کو سکون حاصل نہ ہوگا اور نہ توقع ہی کی راحت ملے گی کہ یہاں کامیاب ہو جاؤں گا پس یہ شخص لاکھ دعویٰ کرے کہ مجھے معاش کی طرف سے اطمینان ہے اور میں صرف سبب کے درجہ میں جگہ جگہ درخواستیں دے رہا ہوں مگر اس کا یہ دعویٰ غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ پس حق تعالیٰ کے وعدۂ رزق رسانی پر کسی قلب کا سچا اعتماد درحقیقت ایک بڑی نعمت ہے اور اس پر بلاشبہ ہر ضرورت کے انجام دینے کا وہ شہنشاہ کفیل ہے جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں مگر اس اعتماد کا محض دعویٰ کرنا یا اعتماد والوں کی سی صورت بنانا کہ دل میں اعتماد کا نام بھی نہیں کچھ کام نہیں دے سکتا اور نہ اس وعدہ کا مستحق بناتا ہے جو ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ[1] کے ذریعہ تمامی بندوں کے لئے عام ہے۔ پس درحقیقت ضعف ہمارا ہے کہ سنی سنائی باتوں پر توکل کی صورت بناتے اور جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتے ہیں ورنہ جو توکل کی حقیقت ہے اگر سب کو میسر آجائے تو ہم سے زیادہ کوئی غنی و بے نیاز نہیں۔ ضعف و ناکامی کا نام توکل رکھنا ہماری نادانی ہے اور اس لئے اس کا نتیجہ ہمیشہ ذلت و پشیمانی ہے۔

توکل کی نعمت

حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے توکل کی نعمت نصیب فرمائی تھی اور اس لئے مدرسہ کا یہ بڑا کارخانہ نہ کسی محصل کا حاجتمند تھا نہ سفیر و مبلغ کا۔ بمقتضائے "ہر کسے را بہر کارے ساختند"[2] آپ کا ایک رنگ خاص تھا جس میں آپ مستغرق تھے اور اس لئے بلا اسباب ظاہری آپ کے سارے کام منجانب اللہ انجام پایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا قدم ابتلا و امتحان کے وقت ڈگمگاتا نہ تھا۔

ایک مرتبہ ملا عبد العزیز صاحب نے کہ آپ کے قدیم مخلص خادم اور مدرسہ کے نگرانِ اعظم تھے آ کر اطلاع دی کہ آٹا بھی ختم ہو چکا اور لکڑیاں بھی تمام ہو گئیں۔ کل کے لئے نہ جنس کا دانہ ہے نہ پاس کوئی پیسہ۔ آپ سُن کر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا مگر خود فرماتے تھے دل میں اپنے مالک سے یہ علیحوئی

---

[1] اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہیں۔ [2] ہر ایک شخص کو ایک ایک کام کے واسطے بنایا ہے۔

کہ اے کریم آقا یہ تیری مخلوق جو تیرے کلام کی تلاوت و تعلیم میں مشغول ہے کیا فاقہ کرے گی؟ اس کے بعد خود ہی یہ مضمون دل پر جما کہ تو جان تیرا کام، اگر فاقہ ہی کرانا منظور ہے تو صبر کی توفیق بخشے کہ یہ بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔" رات ہوئی اور موجودہ غلہ پک پکا کر مٹکے خالی ہو گئے مگر آپ کی طبیعت پر نہ ہراس و پریشانی آئی نہ کسی سے قرض مانگنے کا وسوسہ ہوا۔

صبح نہ ہوئی تھی کہ طالب علم جو نہانے کے لئے ندی پر گئے تھے دوڑے ہوئے آئے اور کہا حضرت جی ندی میں تو لکڑیاں بہی چلی آ رہی ہیں۔ خوشی کے مارے آپ کا چہرہ دمکنے لگا اور آپ نے فرمایا کہ کریم رزاق نے تمہاری روزی کا سامان بھیجا ہے جاؤ جتنی سمیٹی جائیں سمیٹ[1] لاؤ۔ چنانچہ سارے طالب علم دوڑ پڑے اور روک لگا کر لکڑیاں لادنا شروع کر دیں کہ دو گھنٹہ میں اتنا اونچا ڈھیر لگ گیا جس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ لکڑیوں کی آمد بھی بند ہو گئی اور اب آٹے کی ضرورت رہ گئی۔

دو گھنٹہ بعد ڈاکیہ آیا اور ڈیڑھ سو روپیہ کا منی آرڈر پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مدرسۃ القرآن کے لئے بھیجتا ہوں اس کے خرچ میں لائیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے بھیجنے والے کا نام پوچھا تو ایسا شخص جس کو میں جانتا بھی نہ تھا۔ میں نے بار بار کہا کہ کسی اور کا ہوگا کیونکہ بھیجنے والا میرے ذہن میں نہیں آتا مگر ڈاکیہ نے کہا کہ پتہ آپ کا نام آپ کا۔ مرسل کو آپ پہچانیں یا نہ پہچانیں مگر اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ آپ کا ہے پس آپ نے وصول فرمایا اور یہ کہہ کر ملا عبدالعزیز کے حوالہ کیا لو ملا جی اللہ نے اپنے مہمانوں کے آٹے لکڑی کا سامان کر دیا۔ روٹی کا وقت آ گیا ہے اس لئے جلدی آٹا منگا لو کہ لکڑی موجود ہے موٹی موٹی روٹیاں پکا کر نمک سے سب کھا لیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ لکڑیاں پورے چھ مہینے کام آئیں اور روپیہ کا تو آج تک پتہ نہ چلا کہ کس نے بھیجا تھا۔ الحمد للہ اس کے بعد مدرسہ کو کبھی ایسی صورت پیش نہ آئی اور نہ میں نے جانا کہ مولیٰ کریم کہاں سے بھیجتے ہیں اور کس سے دلواتے ہیں ؎

کارسازِ ما بسازِ کارِ ما[2] فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

صبر و شکر، قناعت، اخلاص، علم و یقین، تفویض[3] و توکل، رضا و تسلیم کی آپ مجسم تصویر تھے ہرچہ از دوست می رسد نیکوست[4] آپ کی خوشی، مرض اور تکلیف کا کتمان[5] آپ میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ

---

[1] برسات میں پانی برس کر بہہ کر نالوں ندیوں میں جاتا اور پڑی گری لکڑیوں، خس و خاشاک کو بہا لیجاتا ہے یہ لکڑیاں عام ہوتی ہیں جو لے لے اس کی ہیں اس لئے لی گئیں۔

[2] ہمارے کام بنانے والا تو ہمارے کاموں کے بنانے میں ہی ہے اب ہمارے کاموں میں ہمارا سوچ بچار کرنا یہ خود ہماری تکلیف ہے۔ [3] سب کچھ خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دینا۔ [4] محبوب کی طرف سے جو کچھ بھی پہنچتا ہے بہتر ہے۔

[5] چھپانا۔

اس کا ظاہر کرنا یا زبان سے نکالنا بھی آپ اپنے اللہ جل جلالہ کی شکایت[1] کرنا سمجھتے اور مخلص سے مخلص حاضر باش کو بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ آپ کو تکلیف ہے۔

صبر و تحمل

ایک بار حاضرین نے دیکھا کہ نماز کے لئے مسجد کو جاتے وقت آپ کے پاؤں میں لنگ ہوتی ہے اور پوچھا بھی کہ حضرت کیا کچھ تکلیف ہے مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں الحمد للہ[2] ہر طرح راحت ہے۔ کئی دن متواتر اسی حال پر گذر گئے آخر چھٹے ساتویں دن مسجد کو جاتے ہوئے پاجامہ پیپ اور خون سے بھر گیا اور اس وقت خدام کو پتہ چلا کہ دنبل[3] تھا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا اور آپ نہ زبان سے ذکر فرماتے تھے نہ چلنے میں اثر محسوس ہونے دیتے تھے کہ بزبانِ حال اظہار نہ ہو جائے۔

ایک بار آپ سخت بیمار ہوئے کہ زیست کی امید نہ تھی حکیم جمیل الدین[4] صاحب معالج تھے ایک دن بندہ بھی حاضر تھا کہ اشاروں سے باتیں فرمائیں، ہر چند حکیم صاحب نے دریافت کیا کہ کیا تکلیف ہے مگر چہرہ کی بشاشت اور ہاتھ کے اشاروں سے صحت و راحت ظاہر فرماتے رہے۔ آخر تین دن اسی حالت پر گذرے اور چوتھے دن معلوم ہوا کہ سارے منہ کے اندر آبلے پڑ گئے تھے جن کو کھول کر دکھانا تو کیا گوارا ہوتا بات کرنے میں منہ کا کھلنا اور آبلوں کا دیکھ جانا بھی آپ کو گوارا نہ ہوا اس لئے اشاروں سے باتیں کیں۔

دلجوئی و مدارات

اس کے ساتھ مخلوق کی دلجوئی و مدارات[5] بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی کہ ہر شخص یوں سمجھتا تھا حضرت کو سب سے زیادہ محبت میرے ساتھ ہے۔ اس لئے دونوں کے جمع ہو جانے کے وقت آپ کو بڑی ضیق پیش آتی کہ جب آپ کا مرض کھل جاتا تو خدام کا اصرار ہوتا تھا دوا استعمال[6] کرنے کا اور آپ طبعی اقتضا سے دوا کا استعمال مکروہ سمجھتے تھے کہ جس مالک نے مرض دیا وہی معالج کافی ہے۔ اور ادھر خدام سے صاف انکار فرما کر ان[7] کی دل شکنی بھی نہ کر سکتے تھے اس لئے مفید سمجھ ہر دوا یہ سمجھ کر کہ یہ بھی منجانب اللہ ہی آپ پیتے اور دوا کے مؤثر[8] ہونے کا کسی درجہ میں بھی آپ کو واہمہ نہ ہوتا تھا

---

[1] یعنی شکایت کی صورت بنا دینا ہے کہ گویا ہم اس کے مستحق نہ تھے ہم پر ظلم و زیادتی ہو رہا ہے مگر مریض کی یہ صورت نہیں ہوتی اس لئے شکایت نہیں شکایت کی صورت ہے بلکہ یہ حکایت ہے کہ نقل کرنا کہ ایسا ہوا ہے بعض بزرگ اس صورت سے بھی بچتے ہیں اور بعض اپنی عاجزی اور خدا کی مدد کی حاجتمندی ظاہر کرنے کے لئے ظاہر بھی کر دیتے ہیں جیسی نیت اور حال ہو وہی مناسب ہوتا ہے۔ [2] محبوب کی طرف سے ہونے کی وجہ سے جب ذہن یہ حاضر ہو تو تکلیف نہ ہونا کہنا صحیح ہے۔

[3] پھوڑا۔ [4] حکیم اجمل خاں کے استاد دہلی والے۔

[5] دوسروں کی باتوں کو برداشت کرکے بجائے ناگواری کے خوش خلقی کرنا۔

[6] گو علاج کرنا جائز طریقے سے جائز بھی ہے اور کامل درجے کے لوگوں کو کمال توکل میں ترک درست ہے۔

[7] ان کا بھی حق ہے کہ وہ مخدوم کے لئے جائز علاجات کرکے سکون دل حاصل کریں۔

[8] خود بخود اثر کرنے والی۔ بلکہ حق تعالیٰ کے فضل کا ذریعہ قرار دے کر۔

ایک دفعہ ایک نادان طبیب نے مخلصانہ خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے آپ کو زہر دیدیا کہ فوراً آپ کو قے ہوگئی اور مرض ترقی کر گیا۔ ڈاکٹری تشخیص سے پتہ چلا کہ چند قے نہ ہوتی تو جانبری محال تھی جن حضرات سے جن کو ذرا بھی تعلق تھا وہ حکیم صاحب پر آنکھیں نکالتا اور ان کی صورت سے بیزار ہو گیا۔ مگر آپ کو حکیم صاحب کی ندامت اور اپنے خدام کی ان سے یہ وحشت ایک مستقل تکلیف بن گئی کہ وہ بھی کتمان وضبط میں رہی جس کا اثر یہ تھا کہ حکیم صاحب تشریف لاتے تو آپ ان کو سب سے الگ اپنے پاس چارپائی پر بٹھاتے اور کسی کی بھی دوا کا استعمال ہو مگر حکیم صاحب سے مشورہ لیا کرتے اور وہ اس کو مناسب مرض بتاتے تو آپ استعمال فرماتے ورنہ ان سے ایسی ہی باتیں کرتے جس سے ان کو یقین ہو جاتا کہ حضرت میرے معالجہ کے معتقد اور میری حذاقت و مزاج شناسی کے معترف ہیں۔ اور مخلص خدام سے ایک مرتبہ نرم لہجہ میں اس طرح فرمایا کہ "حکیم صاحب تو میرے محسن ہیں۔ غلطی تو ہر بشر کے ساتھ لگی ہوئی ہے مگر جو کچھ کیا وہ محبت و شفقت ہی کی نیت سے کیا، ان کو کوئی ترچھی نظر سے دیکھتا ہے تو میرے دل پر ایک برچھی لگتی ہے، فاعلِ[1] مختار بجز مولیٰ کریم کے کوئی نہیں جو ہوا وہ اس کی مشیت[2] سے ہوا پھر کسی کو کیا حق ہے کہ آلہ و اوزار[3] کو سرزنش کرے"! مجھے خوب معلوم تھا کہ حضرت دوا کا استعمال محض مخلوق کی دلداری کے لئے مجاہدہ[4] سمجھ کر کیا کرتے تھے مگر بایں ہمہ میں نے دیکھا کہ یہ حکیم صاحب آئے تو فوراً حضرت نے اس اہتمام سے بلایا گویا حضرت دیر سے ان کا انتظار کر رہے تھے اور چپکے چپکے ان سے باتیں کرتے اور یہ سمجھا سمجھا کر حضرت کو جواب دیا کرتے کہ یوں کرنا چاہیے اور اس دوا کا استعمال ہونا چاہیے۔ حضرت اس پر فرحت کا اظہار فرماتے اور ان کا دل باغ باغ ہو جاتا کہ حضرت کو میری تشخیص و معالجہ کے سوا کسی پر اعتماد نہیں ہے۔

سفرِ حج میں رفقا کی دلداری

دلداریٔ خلق کا رنگ آپ پر اتنا غالب تھا کہ بیماری سے بیماری بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ تھی۔ آپ سفر حج کو چلے اور اسی بیاسی[5] نفر آپ کے ساتھ ہو لئے جن میں مختلف طبقات اور مختلف خیالات کے لوگ تھے۔ اتنا جم غفیر اور ان کی خبر گیری کوئی آسان بات نہ تھی خصوصاً جبکہ آپ کے ساتھ اہلیہ اور بہو اور صاحبزادہ عبدالرشید مرحوم بھی تھے کہ اپنے ہی انتظامات کی سنبھال مشکل تھی مگر اللہ رے ہمت نہ بیوی بچہ کا فکر ہوا نہ اپنی جان کا۔ رفقا میں ہر شخص کی راحت کا خیال مقدم تھا۔ بمبئی پہنچے تو جہاز تیار مگر سب کے ٹکٹ ملیں تو آپ سوار ہوں

---

[1] اختیار کے ساتھ مرنے والا۔ [2] اجازت اور چاہنے سے۔ [3] جب کرنے والے وہ ہیں تو بندے مثل آلہ و اوزار کے ہوئے ان کو سزا دینا ٹھیک نہیں۔ [4] طبیعت کے خلاف کیونکہ طبیعت پر توکل کامل غالب تھا مگر خادموں کے دل کے سکون کا بھی حق تھا۔

اور وہاں دس بارہ سے زیادہ ٹکٹ ہی باقی نہیں۔ آخر رفقا کو آپ نے روانہ کیا اور خود دوسرے جہاز کے انتظار میں پندرہ دن پڑے رہے۔

بیٹا بیمار ہے مگر رفیقوں کا خاص خیال

مکہ مکرمہ پہنچکر عبدالرشید مرحوم ہیضہ میں مبتلا اور اتنا بیمار ہوا کہ کروٹ لینا مشکل مگر آپ کو رفقا[1] کے سامنے نہ اپنی تکلیف کا حس نہ بچہ کی تکلیف کا احساس۔ جوں توں اونٹ پر لاد کر حج ہوا اور اب مدینہ منورہ کے لئے قافلہ کی تیاری کا وقت آیا تو ہر شخص کا تقاضا کہ جلدی چلو ہمارے پاس خرچ کم رہا ہے اس لئے مکہ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتے۔ عبدالرشید کی یہ حالت کہ اونٹ پر لیٹنا بھی مشکل چہ جائیکہ بارہ (۱۲) مسلسل کا کٹھن سفر مگر آپ نے تیاری کردی اور مطوف کو سب کا کرایہ بھیجا دیا کہ اسی قافلے میں ہم چلنے کا انتظام کرو۔

اتفاق سے بندہ بھی اپنے حضرت کے ساتھ بعد میں حاضر حرم شریف ہو کر حضرت سے مل لیا تھا یہ حال دیکھ کر حضرت تشریف لائے اور بندہ ساتھ تھا۔ حضرت نے تیز لہجہ میں مولانا سے فرمایا کہ آپ مکہ میں جنگل میں نہیں اس لئے اس حالت میں کہ عبدالرشید کسی طرح سفر کے قابل نہیں آپ کیوں عجلت کر رہے ہیں؟ مولانا چونکہ حضرت کا بہت ہی زیادہ[2] احترام فرماتے تھے کہ شاید کوئی مرید اپنے پیر کا بھی اتنا احترام نہ کرسکے اس لئے گھبرا گئے اور عرض کیا کہ حضرت کیا کروں رفقا کو اپنی خاطر[3] تکلیف میں نہیں ڈالتا کہ ان کو عجلت ہے اور خرچ کم ہو چلا وہ میری وجہ سے رُکے تو ان کا مکہ میں بادلِ ناخواستہ وحشت کے ساتھ قیام ان کے لئے موجبِ وبال ہو جائے گا۔ حضرت نے اپنے صاف گوئی کے دوسرے رنگ میں غرق ہو کر بیساختہ فرمایا تمہیں ان کے روکنے کی ضرورت نہیں کہدو جس کا دل چاہے جائے اور ہیں اس وقت عزیز کی شدتِ علالت کے سبب سفر نہیں کرسکتا، آخر رفقا کی مراعات آپ پر ضروری ہے تو عبدالرشید کی مراعات ان سب سے زیادہ ضروری ہے کہ رفیقِ سفر بھی ہے اور بیٹا ہے جس کے حقوق سب پر مقدم ہیں۔

مولانا گردن جھکا کر چپ ہو رہے اور جب حضرت چلنے لگے تو اشارہ سے مجھے رک جانے کا امر فرمایا اور پھر تنہائی میں اپنی پریشانی وضیق[؟] ظاہر فرمائی کہ سمجھتا سب کچھ ہوں مگر یہ لوگ میری معیت کے لئے گھروں سے چلے ہیں اب کس منہ سے جواب دوں کہ تم جاؤ میں نہیں جاتا، ان کے دل کیا کہیں گے کہ عبدالرحیم کی معیت کے شوق میں حج کو گئے اور اس نے معیت چھوڑ کر ٹکا سا جواب دیدیا۔ اب دوسری جنب حضرت کی گرانی خاطر

---

[1] کو حق پدری اور طبعی بات کا اثر تھا مگر ان پر ظاہر نہ فرمایا۔ [2] گو پیر بھائی تھے اور دونوں خلیفہ ہونے کی وجہ سے ایک درجہ میں تھے مگر پھر بھی فرقِ مراتب کا لحاظ ہوتا ہے۔ [3] کیونکہ عبدالرشید کی ضرورت اپنی ضرورت تھی

کی پیش آگئی کہ حضرت کے خلافِ مزاج سفر کس طرح کروں۔

رہا عبدالرشید کا قصہ سو موت ہے یا حیات امر مقدر ہے اور وقت مقرر ہے جتنے دنوں کی بیکر آیا ہے اس میں ایک لمحہ کی کمی یا بیشی نہیں ہوسکتی سب گذر ہی جائے گی۔ اب معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں کسی طرح حضرت سے بخوشی اجازت دلادے کہ میری تو حضرت کے سامنے عرض کی ہمت ہی نہیں"۔

مجھے درحقیقت دونوں حضرات سے محبت و عقیدت تھی کہ حضرتؒ اگر داہنی آنکھ تھے تو مولانا میری بائیں آنکھ تھے۔ اور واقعہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بھی اس ناکارہ کے ساتھ اسی نسبت کا تعلق شفقت و تربیت تھا اس لئے دونوں حضرات کے رنگ سے انس و مناسبت رکھتا اور ہر ایک کا نرالا حظ لیا کرتا تھا۔ میں وہاں سے رخصت ہوکر حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ سے زیادہ حضرت کو علم ہے کہ مولانا پر رفقا کی مراعات و دلداری خلق کا اتنا غلبہ ہے کہ اس کے ترک پر قدرت نہیں رکھتے اور عزیز کی تکلیف چونکہ بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود حضرت کی تکلیف ہے اس لئے رفقا کی اتنی دلجوئی پر کہ ساتھ بھی نہ چھوٹنے پائے اپنی ہر تکلیف کا برداشت کرنا حضرت کو سہل ہے مگر اس وقت حضرت کے ارشاد سے ایک بڑی ضیق مولانا کو یہ پیش آگئی کہ نہ دلداری و معیتِ رفقا چھوٹ سکے اور نہ حضرت کے خلاف کچھ کرسکیں، عجب پریشانی ہے کہ مجھے اندیشہ ہے حضرت اس کشاکشی میں خود علیل نہ ہوجاویں۔ حضرت کو مولانا سے خود محبت تھی یہ سن کر متاثر ہوئے اور فرمایا "اچھا بھئی بنامِ خدا سفر کریں خدا حافظ و ناصر ہے"۔ میں اسی وقت واپس آیا اور عرض کیا کہ حضرت اپنا قصد پورا فرمادیں کہ حضرت کی طرف سے اجازت[1] ہے۔ چنانچہ آپ نے بمعیت رفقا سفر کیا اور اسی حالت میں مدینہ منورہ سے ینبع ہوکر جہاز میں سوار ہوئے۔

لختِ جگر عبدالرشید کا انتقال

حتیٰ کہ عدن کے قریب عبدالرشید مرحوم راہی عالمِ قدس ہوگئے آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوکر بیٹے کی نعش کو سمندر کے حوالہ کرنے اسی سکون سے بیٹھے رہے جو آپ کے لئے گویا فطری تھا۔

---

[1] یہ مقام نازک مقام ہے مولانا کے نزدیک حق خدام کا جو دینی تعلق کا ہے اور بہت افراد کا ہے وہ مقدم تھا اگر حضرت نے فرمایا کہ بیٹے کا تعلق دنیوی بھی ہے اور دینی بھی اور نصرت و قوت میں یہ مقدم ہے اس کو صرف اپنا حق سمجھ کر مؤخر کیا جائے تو مولانا کے نزدیک ان کا رکنا بادلِ ناخواستہ ہوا دب ملکہ کے خلاف اور وبال کا خطرہ ہے۔ حضرت کا جواب یہ ہوا کہ اپنے فعل کے وہ مختار ہیں دل لگانا ان کا کام ہے ورنہ جائیں۔ مؤلف کتاب نے غلبۂ حال سے استدلال کیا تو حضرت نے قبول فرمالیا اجازت دیدی کہ غلبۂ حال میں یہ مقدم و مؤخر ہونا معاف ہے۔ اللہ اکبر کس قدر باریک نظریں تھیں دو حضرات کی۔

عبدالرشید مرحوم حاجی عبدالعزیز خاں بھی شریک حج تھے اور مرحوم کی خدمت وتیمارداری انھیں کے حوالہ تھی۔ بندہ جب سفر سے واپس ہوکر رائپور پہنچا تو کمال حسرت کے ساتھ فرمانے لگے کہ مرحوم کے آخری سانس سے لیکر اب تک اس ارمان میں ہوں کہ حضرت کی زبان سے عبدالرشید کا نام سنوں مگر حضرت سے کوئی تذکرہ ہی ایسا نہ سنا جس میں مرحوم کا نام لیں، تیرے انتظار میں ٹھیرا ہوا تھا کہ مجھے حضرت سے مرحوم کا نام سنوادے۔ میں نے کہا بہتر ہے کوشش کروں گا۔

چنانچہ حاضر ہوا اور سمجھا تھا کہ حضرت کو درحقیقت میرے ساتھ بیحد محبت ہے اس لئے سفر سفر کی باتیں کرکے میں نے عرض کیا کہ حضرت معلوم ہوا کہ عبدالرشید مرحوم جاں بر نہ ہوا اور عدن کے قریب رخصت ہوا۔ حضرت اس کو گھول گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت بھی مجھے عبدالرشید جیسا بیٹا سمجھیں۔ بس اس پر جوش آگیا اور بے ساختہ فرمایا عبدالرشید جیسے پچاس ہوں تو تجھ پر قربان اور تیرے ساتھ محبت کا مقابلہ عبدالرشید کی محبت کیسے کرسکتی ہے؟ حضرت کی یہ شفقت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حاجی عبدالعزیز صاحب کا ارمان پورا ہوگیا کہ انھوں نے دو مرتبہ مرحوم کا نام حضرت کی زبان سے سُن لیا۔

حضرت مولانا قدس سرہ کی ذات اور خود حضرت کے ساتھ میرا خادمانہ تعلق اس کو مقتضی تھا کہ جداگانہ مستقل سوانح لکھتا کہ میری اصلاح وتربیت میں حضرت کا ایک خاص حصہ ہے جس کے احسان سے میری گردن نہیں اُٹھ سکتی۔ مگر حضرت کا رنگ اخفا وکتمان کے متعلق مجبور کئے ہوئے ہے کہ لاکھ میں سے ایک بات بھی بیان نہیں کرسکتا۔ آپ دائم الفکر اور دائم السکوت تھے کہ بلاضرورت بولنا ہی نہیں جانتے تھے مگر جب امر بالمعروف کا وقت آتا تو آپ کی عالمانہ تقریر ایسی نرالے طرز پر ہوتی تھی کہ دلوں میں بیٹھتی اور آہن کو موم بناتی چلی جاتی تھی۔

صحابہؓ کی باہمی جنگوں کی عجیب توجیہ

ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ صحن باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے اور چاروں طرف مونڈھوں پر خدام وحاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خاں صاحب نے حضرات صحابہؓ کی باہمی جنگ ورنجش کا تذکرہ شروع کردیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعۃً حضرت کو جوش آگیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جُھرجُھری لے کر

لے دینی تعلق اور اہل اللہ کے ساتھ کا تعلق اس طبعی سے بدرجہا افضل ہے جو صرف طبعی ہو گو یہ تعلق عقلی ہوگا طبعی نہ ہوگا گو اس پر طبیعت کے اثرات مرتب ہوں۔

حضرت سنبھلے اور فرمایا راؤ صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمامی ضروریاتِ دین و دنیا سے باخبر کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب[1] ہو تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہیے۔ پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانہ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے ایک وہ جو منصب نبوت کے خلاف نہیں، اور دوسرے وہ جو عظمت شانِ نبوت کے منافی[2] ہیں۔ پس جو واقعات منصبِ نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آئے مثلاً تزویج اور اولاد کا پیدا ہونا ان کا مرنا دفنانا کفنانا وغیرہ وغیرہ تمامی خوشی وغمی کے واقعات حضرت کو پیش آگئے اور دنیا کو عملاً سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب، اور کسی کی پیدائش وختنہ ونکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلافِ سنت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمت رسالت کا خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیم محمدی ناتمام رہے۔ مثلاً زنا وچوری وغیرہ ہو تو اس طرح حد وتعزیر ہونا چاہیے اور باہم جنگ وقتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع ورنجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہیے۔ یہ امور ذاتِ محمدی پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت[3] تھی پیش آنے کی۔

لہذا حضرات صحابہؓ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام وغلام آخر کس مصرف کے ہیں، جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں اور حکم ونتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضرات صحابہ پر وہ سب ہی کچھ پیش آیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے رشد وہدایت بنا اور دنیا کے ہر بھلے بُرے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب۔ پس کوئی ہو ایسا باہمت جاں نثار جو تکمیلِ دینِ محمدی کی خاطر ہر ذلت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھ کر نشانہ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبانِ حال کہے کہ ؎

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغت ‫ ‫ سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شہرت ونیکنامی اور عزت ونام آوری سب چاہا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جاں نثاری

---

[1] تاکہ حضور کا عمل مبارک ہر معاملہ میں شمع ہدایت بن جائے۔ [2] مخالف۔ [3] اگر اس وقت جاری نہ ہو جاتیں تو کون جاری کرتا کہ اب اس کے باوجود بھی لوگ کنارہ کش ہو رہے ہیں۔ [4] یعنی قضاء وقدر ہیں۔ [5] دشمن کو نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو ہم دوستوں کا سر سلامت رہے تاکہ تو ہر خنجر آزمائے۔

ہیں کیا لطف ہے اور کوچۂ معشوق کی ننگ و عار کیا لذیذ شے ہے ؎

از ننگ[1] چہ گوئی مرا نام زننگ ست   واز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ زنام است

سچے عاشق تو اس طرح ہماری تمہاری اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو نثار کریں اور ہم ان کے مصنف و ڈپٹی بن کر بیٹھیں سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لیے بیٹھیں اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت گندی کریں، اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہراتِ سنیہ[2] کے قدردان نہیں بن سکتے تو کم سے کم بدزبانی و طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا۔[3] دیر تک آپ نے یہ تقریر فرمائی کہ دہنِ مبارک سے پھول جھڑتے اور سامعین کے مشامِ جان[4] میں جگہ پکڑتے رہے۔

تلاوتِ قرآن جس طرح آپ کو تعلیم قرآن مجید سے شغف تھا اسی طرح خود تلاوتِ کلام اللہ کا عشق تھا، آپ حافظِ قرآن تھے اور شب کا قریب قریب سارا وقت تلاوت میں صرف ہوتا تھا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ سوتے ہوں اسی لئے آپ کو لوگوں سے وحشت ہوتی تھی کہ معمولِ تلاوت میں حرج ہوتا تھا۔ عصر و مغرب کے درمیان کا وقت عام دربار اور سب کی ملاقات کے لئے مخصوص تھا اور اس کے علاوہ بغیر کسی خاص ضرورت کے آپ کسی سے نہ ملتے اور مکان کا دروازہ بند فرما کر خلوت کے مزے لوٹتے اور اپنے مولیٰ کریم سے راز و نیاز میں مشغول رہا کرتے تھے۔

خوراک خوراک آپ کی بہت ہی کم تھی اور ماہِ رمضان میں تو مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا۔ افطار و سحر دونوں کا کھانا بمشکل دو پیالی چا، اور آدھی یا ایک چپاتی ہوتا تھا۔ شروع میں آپ قرآن مجید تراویح میں خود سُناتے اور دو بجے ڈھائی بجے فارغ ہوتے تھے مگر آخر میں دماغ کا ضعف زیادہ بڑھ گیا تو سامع بنتے اور اپنی تلاوت کے علاوہ تین چار ختم سُنا کرتے تھے ماہِ مبارک میں چونکہ تمام رات اور تمام دن آپ کا مشغلہ تلاوت کلام اللہ رہتا تھا اس لئے تمام مہمانوں کی آمد آپ روک دیا کرتے تھے اور مراسلت بھی پورے مہینے[5] بند رہتی تھی کہ کوئی خط کسی کا بھی عید سے

---

[1] شرم و عار کو کیا کہتے ہو مجھے تو اس عار سے ہی نام میسر ہے اور نام آوری کو کیا پوچھتے ہو مجھے تو نام آوری سے ہی عار آتی ہے۔

[2] عالی شان۔ [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے متعلق کہ ان کو میرے بعد نشانہ ملامت نہ بنا لیجیو ۱۲ مہ آگے اسی حدیث میں یہ ہے کہ جو ان سے محبت کرتا ہے میری محبت کی وجہ سے محبت کریگا اور جو ان سے بغض رکھے گا مجھ سے بغض کی وجہ سے رکھے گا یعنی اگر حضور سے محبت ہے تو ان سے محبت ہوگی حضور سے بغض ہوگا تو ان سے بھی ہوگا لہذا جو شخص کسی ایک صحابی سے بھی بغض رکھتا ہے سمجھ لو اس و حضور سے بغض ہے اور نبی سے بغض رکھنا خدا سے بغض ہے اب اس کا نتیجہ غور کر دیکھا ہوگا۔

[4] روح کی اسونگھنے کی قوتیں۔ [5] بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں کہیں ذاتی عبادات کا غلبہ ہوتا ہے کہیں تبلیغ و اصلاح کا اس لئے ایک کو دوسرے پر شبہ نہ کرنا چاہئے کہ دونوں عبادتیں ہیں جس کے لئے غیبی اشارہ ملتا ہے وہ اس میں رغبت کرتے ہیں۔

قبل دکھایا سنا نہ جاتا تھا۔ اللہ جل جلالہٗ کا ذکر جس پیرایہ میں بھی ہو آپ کی اصل غذا تھی اور اسی سے آپ کو وہ قوت پہنچتی تھی جس کے سامنے دوا، المسک اور جواہر مہرہ ہیچ تھا۔

معارف و حقائق سے بیماری کا علاج

ایک مرتبہ آپ سخت بیمار ہوئے اور ضعف کی وجہ سے کروٹ بدلنا مشکل ہو گیا۔ پھر مرض سے کچھ افاقہ ہوا مگر ضعف کی وہی حالت رہی کہ دودھ پینے کے لئے چمچہ ہاتھ میں تھامتے تو ہاتھ کانپتا اور چمچہ پکڑا نہ جاتا تھا۔ ایک مزاج شناس خادم نے طبیب کو رائے دی کہ مقویات و مفرحات کا استعمال بیکار ہے کوئی کتاب جس میں معارف و حقائق ہوں سنانا شروع کر دیجئے کہ روزانہ قوت بڑھتی رہے گی۔ چنانچہ غالباً حجۃ اللہ البالغہ کا اشراق کے وقت سنانا حکیم صاحب نے معمول بنا لیا۔ حضرت بڑے شوق سے سنتے اور بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہوئے بعض دفعہ جوش میں اٹھ بیٹھا کرتے تھے۔

دو متعارض حدیثوں کی نفیس توجیہ

اسی زمانہ میں بندہ حاضر اور شریک سماعت ہوا تو ایک جگہ یہ حدیث آئی ومن یتال علی اللہ یکذبہ۔ جو شخص اللہ پر قسم کھانا مثلاً یوں کہتا ہے کہ واللہ فلاں کام اس طرح ہو گا تو حق تعالیٰ اس کو جھوٹا بناتا اور اس کی قسم و دعوے کے خلاف فرماتا ہے۔" یہ سن کر آپ جوش میں اٹھ بیٹھے اور بندہ کی طرف رُخ فرما کر ارشاد فرمایا ایک حدیث میں تو یوں ہے: منھم من لو اقسم علی اللہ لابرہ. خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے۔" حضرت کا منشا یہ تھا کہ دونوں حدیث میں تعارض کس طرح رفع ہو اور تطبیق کی کیا صورت ہے۔ حضرت کا فیضان چونکہ پاس بیٹھنے والوں پر بھی برستا تھا اس لئے فوراً ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں لفظ اقسم آیا ہے اور یہاں یتالی جو کہ باب تفعل سے ہے اور اس کی خاصیت ہے تصنع و تکلف۔ لہٰذا مطلب صاف ہے کہ قسم بیساختہ کسی جوش قلبی سے نکلے تو اس پر ثمرہ مرتب ہو گا کامیابی کا اور اگر بناوٹ و تصنع سے قسم کھائی جو دعویٰ ہے اپنے تقرب[1] اور مجاب الدعوات ہونے کا تو اس پر ثمرہ مرتب ہو گا ناکامی اور جھٹلائے جانے کا، لہٰذا تعارض ہی نہیں کہ تطبیق کی ضرورت ہو، حق تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت اخلاص کی ہے نہ کہ نفاق و تصنع کی۔ ایک چرواہے نے جوشِ محبت میں اپنے اللہ سے باتیں ہیں کہ آپ مجھے مل جاویں تو پاؤں دباؤں اور دودھ پلاؤں، وہ خدا کو اتنا پیارا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے الفاظ پر نظر کر کے اس کو گستاخ قرار دیا اور ایسے الفاظ کے استعمال سے روکا تو حق تعالیٰ کا سیدنا موسیٰ کو حکم ہوا کہ ؎

---

[1] خدا کے قرب اور دعاؤں کے قبول ہونے کا۔

تو برائے وصل کردن آمدی[1]   نے برائے فصل کردن آمدی

اور منافقین نے پیغمبر کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور محبت و عظمت رسول کے بڑے بڑے دعوے کئے مگر حکم آیا کہ ان[2] المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ پس بسا فرق ہے اخلاص وسادگی میں اور بناوٹ و تصنع میں۔ حضرت کا چہرہ اس تقریر کو سن کر خوشی سے دمکنے لگا اور سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے ہوئے پھر تکیہ پر لیٹ رہے۔ کامل تین گھنٹہ آپ کتاب سنتے اور پتہ بھی نہ چلا کہ آپ بیمار ہوئے تھے اور ضعف ہے حتی کہ چند ہی روز میں آپ کی کمزوری قوت سے بدل گئی اور آپ نماز کو اپنے پاؤں سے مسجد تک جانے لگے۔

حقائق و معارف کا فیضان

حقائق و معارف آپ پر بارش کی طرح برسا کرتے مگر آپ کسی پر ان کا اظہار نہ فرمایا کرتے تھے کسی خاص موقع پر کوئی بات زبان سے نکل جاتی ورنہ ہر وقت آپ ایک اندرونی لذت میں غرق رہتے اور بزبانِ حال فرمایا کرتے ؎

ستم است[3] اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ   تو ز غنچہ کم ندمیدۂ درِ دل کشا بچمن درآ

حق و باطل کی معرفت کا معیار

ایک دن آپ کی مجلس میں بدعت و سنت کے مسائلِ اختلافیہ کی بحث ہونے لگی، آپ دیر تک سنتے رہے اور آخر میں فرمایا میرے نزدیک، علاوہ دلائلِ علمیہ کے حق و باطل پہچاننے کا ایک معیار اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ قدرت نے ہر جنس میں اس کے ہمجنس کی طرف کشش کا مادہ رکھا ہے کہ کبوتر[4] با کبوتر باز با باز۔ اور یہ قدرت کا عطیہ جس کو فطرت کہنا چاہئے اجسام[5] ہوں یا اعراض سب ہی میں جاری وساری ہے۔ پس جس فعل کے متعلق یہ شبہ ہو کہ معلوم نہیں حق ہے یا باطل، اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی طرف میلان کن قلوب کا ہوا اور کشش کس قسم کے لوگوں کی ہے؟ پس اگر دیکھو کہ بددین فساق و فجار کو ابتداءً اس کی طرف حرکت ہوئی اور وہی قلوب جوش وخروش کے ساتھ اس کی طرف لپکتے ہیں تو سمجھ لو کہ اس فعل میں ضرور ظلمت ہے اگرچہ ظاہری صورت نورانی اور دینی معلوم ہوتی ہو، کیونکہ اس میں نور ہوتا تو ظلمانی قلوب کو جذب نہ کرتا بلکہ وہ اس سے بھاگتے اور نورانی قلوب اولیاء و صلحاء کے اس کی جانب کھنچتے۔ اور اگر کسی فعل کو دیکھو کہ دیندار اہل اللہ

۱؎ تم تو سب کو ہم سے ملانے کے واسطے آئے ہو ہم سے جدا کرنے کیلئے نہیں آئے۔ ۲؎ بیشک منافق لوگ جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہیں۔ ۳؎ بڑا ظلم ہے اگر ہوس تم کو اس طرف کھینچے کہ چنبیلی و سرو کی سیر کے لئے داخل ہو تم خود پھول سے کم نہیں کھلے ہوئے دل کا در کھولو اور چمن میں داخل ہو جاؤ۔ ۴؎ پہلا مصرعہ یہ ہے کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ کہ ایک جنس جنس کے ساتھ ہی اڑا کرتی ہے کبوتر کبوتر کے ساتھ باز باز کے ساتھ۔ ۵؎ لمبائی چوڑائی موٹائی والی چیز جسم ہے اور جو بغیر دوسرے کے الگ موجود نہ ہو سکے وہ عرض ہے اعراض جمع۔

اس کی طرف جاتے اور عوام و بازاری اس سے بھاگتے ہیں تو سمجھ لو کہ ضرور اس فعل میں نورانیت ہے کہ اہلِ نور کے قلوب کو اس طرف کشش ہوئی اور ظلمانی قلوب نے اس سے وحشت کھائی۔

پس عوام کا کسی اختلافی مسئلہ کے متعلق یہ کہنا کہ "ہم تو بے پڑھے ہیں اور دونوں طرف مولوی ہیں پھر ہم کیونکر سمجھیں کہ کون حق پر ہے" خدا کے نزدیک معتبر اور عذر مقبول نہ ہوگا۔ بالخصوص جبکہ وہ دونوں طرف علماء ہونے کے قائل ہو کر بھی ایک طرف جھکے ہوئے ہیں جو دلیل ہے کہ ایک شق کو ان کے نفوس نے ترجیح دے کر اختیار کیا اور اپنے اوپر سے الزام اتارنے کے لئے مولویوں میں فیصلہ نہ کرسکنے کا عذر تراشا ہے۔ اس طرح پر ذرا غور کرنے سے ہر بے پڑھے سے بے پڑھا حق اور باطل سمجھ سکتا ہے کیونکہ دیکھ رہا ہے کہ رسومات و بدعاتِ رائجہ کی طرف یا وہ بازاری عوام جھکتے ہیں جن کو نماز روزہ تک سے وحشت بے تعلقی ہے اور یا وہ پڑھے لکھے مائل ہوتے ہیں جن کی نورانیت قلوب کو حبِ جاہ و مال نے داب لیا ہے اور اگر کوئی مخلص دھوکہ کھا کر ادھر چلا بھی گیا تو خود اپنے قلب کو ٹٹول لے کہ وہ کشش نہ ہوگی جو درود نماز روزہ جیسی کھلی اور صاف عبادتوں کی طرف اس کو ہوتی ہے اور اس لئے امید ہے انشاء اللہ کسی اس کا قلب اس کی رہبری کرے گا اور وہ متنبہ ہو کر نورِ سنت کی طرف ضرور آجائے گا۔

یہ سننے کے بعد میرے ذہن میں یہ مضمون آیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قصہ بہتان میں آپ کی براءت و پاکدامنی کا ثبوت دیتے ہوئے آخر میں حق تعالیٰ نے ایک دلیل یہ بھی بیان فرمائی ہے الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔ علیٰ ہذا ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لئے خاص ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لئے"۔ پس اگر تعلقِ زوجیت مراد ہو کر تو لیا جائے کہ حضرت صدیقہؓ چونکہ اطیب[1] الخلق پیغمبرؐ کی بی بی ہیں لہذا فحشاء کی گندگی سے پاک صاف ہونی چاہئے۔ تو یہ دلیل منقوض[2] ہو جائے گی۔ حضرت آسیہؓ اور حضرت لوطؑ کی بی بی سے کہ اول الذکر ہو کر خبیث بلکہ اخبث[3] کی زوجیت میں آئیں اور امراۃ لوط خبیثۃ النفس[4] ہو کر طیب النفس پیغمبر کی زوجہ بنی اور دلیل حق تعالیٰ کی خصوصاً ایسے نازک قصہ کی براءت کے لئے مخدوش نہیں ہو سکتی۔ پس لامحالہ کشش اور محبت مراد لی جائے گی کہ دنیا جانتی اور ہر موافق و مخالف آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ حضرت صدیقہؓ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہیں کہ اطیب الخلق کا قلب مطہر ان کی طرف کھنچا اور مائل ہوتا ہے۔

۱؎ ساری مخلوق سے زیادہ عمدہ ۲؎ ٹوٹ جائیگی ۳؎ بڑا خبیث فرعون۔ ۴؎ خبیث روح والی۔

پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت صدیقہؓ میں طیب[1] ضرور ہے اور بے عفتی سے جو کہ اصل گندگی ہے وہ پاک صاف ہیں ورنہ گندی[2] طبیعت رکھتے ہوئے پاک اور ستھرے قلب کا میلان اس طرف کبھی نہ ہوتا۔ پس کہیں زوجیت کے تعلق میں اس کا خلاف ہوا بھی تو یہ کوئی نہیں ثابت کر سکتا کہ کشش اور دلی محبت بھی دونوں میں ہوئی ہو۔ یہ قاعدہ کلیہ جس کو حق تعالیٰ نے آخری اور قطعی دلیل بنا کر ہر قریب و بعید اور ذکی و بلید[2] کے لئے فیصلہ قرار دیدیا کہ اگر حضرت صدیقہؓ پر واہمہ ہو گندگی بے عفتی کا تو اس کا اثر پڑے گا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقدر شناس بلکہ پھر حق تعالیٰ کی سوء حیثیت[3] کے ساتھ گستاخ بننے پر جس میں ایمان ہی ہاتھ سے گیا کہ آپ محبوب ہیں حق تعالیٰ کے، اور اگر حضرت کو بحیثیت رسالت و محبت اطیب النفس سمجھا جیسا کہ ایمان کا مقتضا ہے تو حضرت عائشہؓ کو ضرور طیبۃ النفس ماننا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کی محبوبیت اور آنحضرتؐ کے قلب کا اس طرف انجذاب[4] و میلان اس زمانہ والوں کے لئے مشاہد ہے اور ہمارے لئے تواتر و شہرت[5] سے ثابت ہو کر محقق و یقینی بن چکا ہے۔ اب جس کا بھی دل چاہے ہر رائے حق و باطل ہونے کا فیصلہ کرلے کہ قد تبین[6] الرشد من الغی پس اگر اپنے اللہ سے معاملہ صاف کرنا منظور ہوا تو انشاء اللہ انشاء اللہ حق واضح ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا المرء[7] مع من احب میں بھی یہی راز ہے کہ محبت سے کشش ہوتی ہے اور کشش محب کو محبوب کے رنگ دیتی ہے کہ جس درجہ کی کشش ہوگی اسی درجہ کی معیت[8] لامحالہ مرتب ہوگی۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اسی لئے یہ بھی ہیں کہ اہل اللہ کی محبت بڑی نعمت ہے کہ جو کچھ ملتا ہے اسی کی بدولت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام صحابہ پر فضیلت اسی محبت پر نصیب ہوئی ورنہ آپ کا مجاہدہ عملی اس درجہ نہ تھا کہ تمام صحابہؓ سے بڑھا دے، اور محبت و کشش کے یہ اثرات تھے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں کبھی اجتہادی[9] غلطی ہوئی تو ابوبکرؓ کی رائے بھی اس غلطی میں شریک اور شامل رہی کہ یہ غلطی کا اتحاد دوسروں کی اصابۃ رائے سے بہتر اور عند اللہ زیادہ وقیع تھا۔ اسی محبت کاملہ نے حضرت صدیق کو خلافت بلافصل کا اہل بنایا جس کو حضرت نے بایں الفاظ ارشاد فرمایا کہ ابی[10] اللہ والمومنون الا ابابکر

---

[1] عمدگی و پاکیزگی۔ [2] گندذہن۔ [3] پاکی یہ کہ حضورؐ حق تعالیٰ کے محبوب اور حضرت صدیقہؓ حضورؐ کی محبوب حضرت صدیقہؓ پر واہمہ ہونے سے حضورؐ پر اور پھر خدا تعالیٰ تک اثر پہنچے گا۔ [4] کھنچا۔ [5] حضور کے زمانہ سے ابتک اتنے روایت کرنے والوں سے جن کا جھوٹا ہونا عقل سے محال ہے۔ [6] ہدایت گمراہی سے ظاہر ہو چکی۔ [7] انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا یعنی قیامت میں۔ [8] ساتھ۔ [9] مگر انبیاءؑ کی اجتہادی غلطی کو فوراً وحی سے درست کر دیا جاتا ہے جیسے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنے میں آیت نازل ہو گئی تھی وہاں بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے حضور کے ساتھ تھی۔ [10] انکا ناگوار مانتے فرماتا تھا۔

کہ جس طرح ذاتِ محمدی کے ہوتے ہوئے اللہ اور اس کے ایماندار بندے کسی دوسرے کی حاکمیت کی طرف میلان نہیں کر سکتے اسی طرح وفاتِ محمدی کے بعد آپ کے محب مجانس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی جانشینی کی طرف جھک ہی نہیں سکتے، کہ حقدار کے حق کو قائم رکھنا ایک نور ہے اور نورانی ذات و نورانی قلوب کا نور کی طرف طبعی میلان ضروری اور فطری امر ہے۔

غرض دیر تک تقریر فرمائی کہ سننے والے محو و مستغرق تھے اور رحمتِ الٰہیہ کی پھوار دلوں پر پڑ رہی تھی۔ اس قسم کے حقائق کا ہر لمحہ آپ پر ورود ہوتا تھا جن کو اول تو آپ ہی زبان سے نہ نکالتے تھے اور کبھی کچھ بیان فرمایا تو میرا دل نہیں چاہتا کہ حضرت کے خلافِ طبع ان کی اشاعت کروں۔

وساوس و خطرات پر آپ کو اطلاع زیادہ ہوتی اور بلا ارادہ آپ اس پر مطلع ہوتے تھے۔ حافظ مختار احمد صاحب سیوہاروی جب پہلی مرتبہ رائپور حاضر ہوئے تو مہمان خانہ میں اُترے۔ اور چونکہ چائے کے زیادہ عادی تھے اس لئے حضرت کو اطلاع ہونے سے قبل ان کے ملازم نے چائے طیار کرنے کا قصد کیا۔ ابھی ارادہ ہی تھا کہ ایک صاحب آئے اور کہا آپ کو حضرت بلا رہے ہیں۔ ان کو بغیر اطلاع پائے حضرت کی طلبی پر تعجب ہوا اور جلدی جلدی حضرت کے پاس حاضر ہوئے۔ مصافحہ کرتے ہی حضرت نے خادم سے فرمایا ملاجی سے کہو کہ چودھری صاحب کے لئے چائے جلدی لے آویں۔ اس پر ان کو دوسری حیرت ہوئی مگر ساتھ ہی ان کو یہ خیال آیا کہ میری چائے کی طلب کا تو حضرت کو کشف ہو گیا لیکن میری عادت تو یہ ہے کہ صبح کو چائے نہیں پیتا جب تک انڈا نہ کھالوں۔ یہ خیال آنا تھا کہ حضرت نے خادم کو آواز دی اور فرمایا ملاجی سے کہنا دو انڈے بھی لیتے آویں۔"

اس قسم کے واقعات کشوف کونیہ اور اطلاع خطرات کے ہزاروں کی تعداد میں پیش آئے اور رات دن پیش آتے تھے مگر نہ آپ کے نزدیک وقیع تھے نہ آپ اس کا قصد فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ بندہ حاضر ہوا اور حاجی احمد حسن صاحب کو حضرت کے خادم اور میرے دوست اس وقت دہرہ دون میں ضلعداری نہر پر تعینات تھے میری موجودگی میں حضرت کی زیارت کے خیال سے ایک گھوڑے پر آئے جو کسی دوست سے مانگ لیا تھا۔ گھوڑا باغ میں چھوڑ کر حضرت کے پاس حاضر ہو گئے اور باتوں میں دیر لگ گئی۔ مغرب کے قریب باہر آئے تو گھوڑے کی تلاش ہوئی۔ چار طرف دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ فکر ہوا کہ گھر کا راستہ نہ لیا ہو کیونکہ اب بغیر سواری پہاڑی راستہ وقت پر دہرہ پہنچنا بھی مشکل۔ ملا عبد العزیز سے کہا کہ حضرت کو اطلاع دیدو اور سنو حضرت کیا فرماتے ہیں۔ وہ حضرت کے پاس گئے اور قصہ عرض کیا حضرت نے فوراً گردن جھکائی اور پھر فرمایا ملاجی کسی طالب علم کو نہر کی سیدھی پٹڑی پر تو ذرا بھیجو کہ تلاش کرے۔ ملاجی خوش خوش

یہ کہتے ہوئے آئے کہ لو گھوڑا مل گیا اور اس کے بعد طالب علم کو تہر کی پٹری پر بھیجدیا، عشا کا وقت ہوا چاہتا تھا کہ طالب علم گیا اور دو ڈھائی فرلانگ چلا ہوگا کہ گھوڑے کو رائپور کی طرف رُخ کئے کھڑا پایا اور وہ اس کی رسّی پکڑ کر اپنے ساتھ لے آیا۔

کم کھانا، کم سونا، کم بولنا[1]

قلتِ طعام، قلتِ مقام اور قلتِ کلام کا آپ مجسمہ تھے۔ امراء سے آپ کو وحشت اور فقراء سے انس تھا۔ اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی آپ کی حد سے بڑھی ہوئی تھی کہ مہمان پر اپنی راحت کا نچھاور کرنا آپ کی عین مراد تھی۔

ایک دفعہ بندہ حاضر ہوا تو بعد مغرب دیکھا کہ مکان سے جو کہ بستی میں باغ سے دو فرلانگ فاصلہ پر ہے کھانا خود لئے آرہے ہیں۔ شرم کے مارے مجھے پسینہ آگیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کیا کوئی خادم نہ تھا کہ آپ نے تکلیف فرمائی، بیساختہ فرمایا دل یوں ہی چاہا کہ خود لیکر چلوں کہ اس سے زیادہ خوشی کا وقت کون سا ہوگا۔

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو شب کو آنکھ کھلی، دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت لاٹھی لئے باغ میں پھر رہے ہیں۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا تو حضرت پاس آئے اور فرمایا جنگلی بھینسا کبھی کبھی باغ میں گھس آتا ہے اس کی نگرانی کر رہا تھا کہ مہمانوں کی نیند خراب نہ کرے، آپ اطمینان سے سو جائیے۔" صبح کو معلوم ہوا کہ حضرت کی تو تمام رات پہرہ داری ہی میں گذری۔

ایک مرتبہ مولوی وہاج الدین صاحب جو کہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے رائپور آئے۔ رات زیادہ جا چکی تھی اور سفر کا تکان بہت تھا ایک طرف لیٹ کر سو گئے۔ ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا ایک شخص پائنتی بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے۔ اول تو سمجھے کہ شاید حضرت نے کسی خادم کو بھیجدیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرت مولانا ہیں۔ یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چارپائی سے نیچے آئے کہ حضرت یہ کیا غضب کیا۔ فرمایا بھائی اس میں حرج کیا ہے آپ کو تکان بہت ہو گیا ہوگا ذرا لیٹ جائیے کہ آرام مل جائے۔ انھوں نے کہا بس حضرت معاف فرمائیے میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں ؎

تواضع اور مروت گر کوئی شخص مجسم ہو — تو وہ سر تا قدم عبد الرحیم باصفا ہوگا

تعبیرِ خواب میں دستگاہ

خواب کی تعبیر میں آپ کو بہت مناسبت تھی مگر تفصیل بہت کم بیان فرمایا کرتے تھے۔ چودہری حافظ مختار احمد صاحب نے ایک مرتبہ خواب دیکھا

---

[1] کم کھانا، کم سونا، کم بات کرنا۔ [2] جبتک مہمان کو علم نہ ہوا مہمان نوازی اور تواضع رہی، علم ہونے پر جب کلفت کا سبب معلوم ہوا ترک فرما دیا کہ اب راحت میں کلفت ہے یہ بات تواضع نہ رہی تھی، کس قدر رعایت ہے مردد کی۔

کہ چت لیٹے ہوئے ہیں اور سیدھی جانب سر کے برابر ایک مونڈھے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ سے کچھ نیچے قلب کے مقابل سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں۔ قلب بجائے بائیں جانب کے دائیں جانب ہے اور کھلا ہوا ہے کہ نہ اس پر کوئی کپڑا ہے اور نہ گوشت، کھال کو چیر کر اس کے اوپر سے ہٹا دیا گیا ہے اور قلب پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے فیضان کا ترشح ہو رہا ہے جس کی لذت بائیس سال گذر جانے پر اب بھی محسوس ہوتی ہے۔ خواب ہی میں یہ خیال ہے کہ نور بھرا جا رہا ہے۔ چند علما سے انھوں نے خواب ذکر کیا اور ہر ایک نے تعبیر دی مگر ان کے دل کو نہ لگی۔ رائپور حاضر ہوئے تو حضرت خواب سنایا فرمایا بارک اللہ بہت اچھا خواب ہے جس کی تعبیر کھلی ہوئی ہے کہ آپ کو نسبت یوسفی حاصل ہے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اس کو مشرح فرما دیں کہ نسبت سے کیا مراد ہے؟

فرمایا چودھری صاحب دیکھئے جس طرح دنیا میں جس کسی کو جو کچھ بھی انعام اکرام عطا ہوتا ہے وہ سب حقیقتاً بادشاہ کی جانب سے ہوتا ہے مگر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خزانۂ شاہی سے وزراء کو دیا جاتا ہے اور وزراء کے یہاں سے ہر محکمہ کے سردار کو اور پھر اس سردار کی طرف سے ہر اس شخص کو ملتا ہے جو اس کا مستحق اور اس افسر کا ماتحت ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی روحانی برکات و فیوض بندوں کو عطا ہوتے ہیں وہ سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے سیدنا موسیٰ سیدنا عیسیٰ اور سیدنا یوسف غرض جملہ انبیاء علیہم السلام تک پہنچتا ہے، اور یہ حضرات اپنی صفات اور کمالاتِ خصوصیہ کی بنا پر جس جس محکمہ کے سردار و امیر قافلہ قرار پائے ہیں اسی خصوصی انعام سے بہرہ یاب ہونے والوں کو وہ فیوض و انعاماتِ الٰہیہ پہنچاتے ہیں اور وہی صفات خصوصی نسبت کہلاتے ہیں کہ کوئی نسبتِ ابراہیمی ہے اور کوئی نسبت یوسفی کوئی موسوی اور کوئی عیسوی، اس وقت چودھری صاحب کو انشراحِ صدر ہوا اور سمجھ گئے کہ سر کی جانب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا اور قلب کے محاذ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا قلب پر انوار و برکات کا ڈالنا یہ حقیقت رکھتا ہے۔

سنت سے محبت، بدعت سے نفرت

ہر چند کہ آپ خلق مجسم تھے مگر خلافِ سنت عقیدہ والوں سے آپ کو کمال نفرت تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید نے ضلع رہتک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یوں کہا کہ حضرت وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں صرف بعض عقائد میں کچھ یوں سا جزوی اختلاف ہے جیسا باہم ائمہ میں۔ وہ صاحب اپنی تقریر ختم کرنے نہ پائے آپ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں عقائد میں اور اختلاف؟

مل کر۔ ؎۲ دل کا کھل جانا اور قبول کر لینا۔ ؎۳ مقابلہ۔

یہ تو جزوی ہونا آپ کو خود ہی تسلیم ہے میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جزو تو جزو اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو تو وہ بھی برباد و گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا پھر ان کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ[1] دینا تو بڑی ہی دلیری کی بات ہے۔ پس چاہے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے یا سنت کے سنت ہونے میں شک لاوے کہ یہ بلائے بے درمان مہلک ایمان اور سم قاتل ہے۔"

اصلاح اور امر بالمعروف کا انداز

آپ کے امر بالمعروف کا طریق بھی عجیب پیارا تھا کہ کوئی کتنا ہی بدعمل ہو آپ اس کو چھاتی سے لگاتے اور اپنے کو اس کے سامنے ہیچ در ہیچ سمجھتے۔ مگر جب دیکھتے کہ اس کو تعلق ہو گیا اور اب نصیحت کرنا بے اثر نہ ہوگا تو چپکے ہی سے نہایت نرم اور میٹھے لفظوں میں اس کو اتباع شریعت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ایک بار میرے ساتھ ایک صاحب حاضرِ خدمت ہوئے جن کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ حضرت کے اخلاق و مہمان نوازی دیکھ کر وہ حیران ہو گئے اور جب رخصتی مصافحہ کرنے لگے تو عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا فرما دیں۔ حضرت نے ہاتھ تھامے ہوئے ان سے ارشاد فرمایا بہت اچھا انشاء اللہ حکم کی تعمیل کروں گا مگر ایک عرض میری بھی ہے اس کو آپ قبول فرمالیں وہ یہ کہ طلائی انگشتری[2] کو شریعت نے مرد کے لئے حرام کہا ہے۔ اگر اس گناہ بے لذت کو ترک فرما دیں تو پھر خوش ہو کر دل سے دعا نکلے گی۔ یہ سن کر وہ صاحب شرما گئے کہ پیشانی پر پسینہ آگیا اور فوراً انگوٹھی اتار کر ہاتھ میں لے لی۔

الفتح الربانی کا اردو میں ترجمہ

حضرت پیران پیر کے مواعظ الفتح الربانی ایک مرتبہ مجھے ملے اور میں حضرت کو پڑھ کر سنانے لگا تو حضرت پر وجد طاری ہونے لگا اور بے اختیار باصرار فرمایا کہ اس کا ترجمہ کر دیجئے کہ بہت مفید ہوگا اور طباعت شروع ہونے پر جتنا بھی طبع ہوتا جائے وہ مجھے فوراً بھیج دیا کرے بیچ میں کتاب پوری ہونے کا انتظار نہ دیکھیو۔ چنانچہ میں نے اس کا ترجمہ کیا اور حضرت اس سے بہت ہی محظوظ ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کتاب جس کے پاس بھی گئی اس کو خاص روحانی فائدہ پہنچا حتی کہ ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گئی اور دوبارہ[3] طبع ہوئی جو قریب ختم ہے۔ اس کے مطالعہ سے قلب میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے اور رضا بر قضا و شانِ تسلیم کی ایک عجیب و غریب تعلیم حاصل ہوتی ہے جو تجربہ ہی پر موقوف ہے۔

---

[1] ائمہ مجتہدین میں عقائد کا اختلاف نہیں ہوتا صرف فقہی فروعی مسائل کے راجح و مرجوح ہونے کا ہوتا ہے حق و باطل کا وہ بھی نہیں۔ [2] سونے کی انگوٹھی۔ [3] اس کا نام فیوض یزدانی ہے اس کے ۲۰ وعظوں کی شرح عجیب و غریب لکھی ہے جس کا نام انوار سبحانی ہے۔ دونوں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مصنف کتاب ہذا کی تصنیف ہیں۔

بزرگوں اور متعلقین کی آمد سے مسرت

آپ کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متوسلین سے خاص محبت تھی کہ وہ شیخ کے یتیم بچے تھے اور شیخ کی یاد تازہ کیا کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی آتا تو گویا آپ کے ہاں عید آجاتی اور اگر کوئی خاص تعلق والا آتا تب تو آپ کی مسرت کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہتا تھا اس کی خدمت و دلداری کو تمامی نوافل و اذکار پر ترجیح دیتے اور اکابر میں سے کوئی بزرگ تشریف لاتے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کہ آپ کتنا اہتمام فرماتے اور آپ کا رواں رواں مسرور ہو کر یوں پکارا کرتا تھا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

بیوہ سے نکاح

نکاحِ بیوگان آپ کی قوم میں عیب سمجھا جاتا تھا اس کی اصلاح میں آپ نے بڑی تکلیفیں سہیں اور مصائب برداشت کئے۔ عملاً اس کی سنت ثابت کرنے کے لئے خود بھی بیوہ سے نکاح کیا اور اس نکاح پر جو کچھ طعن و تشنیع اور جان کے خطرات آپ کے رفع درجات کے لئے مقدر تھے وہ پیش آکر رہے جن کو آپ نے شیر و شکر سمجھ کر پیا اور مزہ لیا۔ آپ کے جوان صاحبزادہ عبدالرشید مرحوم کا انتقال ہوا تو صبر و رضا کی آپ مجسم تصویر تھے کہ مرحوم کے خسر و داماد کا نام باپ کی زبان سے سننے کی تمنا تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا آپ کو اس کی وفات کا صدمہ ہی نہیں ہوا۔ مگر میں نے جہاں تک غور کیا حزن تو غیر اختیاری اور لازمۂ بشریت[1] ہے انسان کو دو دن کے پالے ہوئے بکری کے بچے سے بھی تعلق ہوتا اور اس کے مرنے پر دل دکھتا ہے پھر بیٹا تو بیٹا ہی ہے جس کو ثمرۃ الفواد[2] اور کلیجہ کا ٹکڑا کہا جاتا ہے اس کا نوجوانی میں مرنا حزن سے کیسے خالی رہ سکتا ہے لیکن اس موت کے حزنِ بشری و طبعی کے ساتھ ایک روحانی مسرت بھی آپ کو حاصل تھی جو طبیعتِ ثانیہ نہیں بلکہ طبیعتِ اصلیہ بن گئی تھی کہ آپ کو بیوہ بہو کے نکاحِ ثانی کا موقع ملا اور مردہ سنت کے زندہ کرنے کی ایک قدرت حاصل ہوئی۔

نصیحتِ قولی و عملی

نصیحت کرنے اور دوسرے کو کسی کام کی ترغیب دینے اور عمل کرانے کی دو ہی صورتیں ہیں ایک زبان سے سمجھانا دوم خود عمل کرکے دکھانا، زبان سے سمجھانا جو تعلیم قولی کہلاتی ہے اگرچہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے انفع اور زیادہ دیرپا ہے کہ عمل تو صرف دیکھنے والے حاضرین کو تعلیم دے سکتا ہے لیکن قول حاضر و غائب دونوں کا معلم بنتا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو سبق پڑھاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی عمل کے ذریعے سے جو تعلیم و نصیحت ہوتی ہے وہ متعلم کے لئے قولی تعلیم کی بہ نسبت نہایت آسان اور بہت جلد سمجھ میں آنے والی ہوتی ہے۔ اسی لئے جہاں حق تعالیٰ نے بندوں کی

۱؎ بشریت کے لئے لازم۔ ۲؎ دل کا پھل۔

بہبودی کے لئے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں کہ موجودہ اور آئندہ ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے ذریعہ سے مرضیات الٰہی کا علم حاصل ہو وہیں کتابوں کے ساتھ ان کے احکام پر عمل کرنے والے پیغمبروں کو بھی بشر بنا کر دنیا میں بھیجا کہ خود عمل کر کے مخلوق کو احکام الٰہیہ پر عمل کرنا سکھادیں۔

ایک سمجھدار جوان کو زبانی نماز پڑھنا سکھاؤ اور کہو کہ اول تکبیر پڑھو اور پھر ہاتھ باندھو وغیرہ وغیرہ تو چند گھنٹے سکھانے پڑھانے کے بعد بھی شاید وہ پوری نماز نہ پڑھ سکے گا لیکن اگر ایک نا سمجھ بچہ کو بھی سامنے بٹھا کر خود نماز پڑھ کر دکھا دو تو عجب نہیں تمہاری چند منٹ کی یہ تعلیم اس سے پوری نماز پڑھوا دے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس تعلیم کا اثر دیکھنے والے ہی تک محدود ہوگا اور جو موجود نہیں یا پیدا ہی نہیں ہوئے ان کو نماز سکھانے کیلئے پھر قول کی حاجت ہوگی کہ عمل ختم ہو جانے والا ہے اور قول باقی رہنے والا۔

یہی وجہ ہے کہ انگریزی سکولوں میں یہ الزام دور کرنے کے لئے کہ مسلمان بچے اپنے دین سے ناواقف اور بے بہرہ رہ جاتے ہیں کتنا ہی دینیات کا نصاب کیوں نہ پڑھا لیا جاوے مگر وہ مفید نہیں ہوتا اس لئے کہ وہاں صرف قول سے تعلیم دینے اور زبان سے پڑھانے اور بتانے والے ہوتے ہیں خود عمل کر کے دکھانے والے اور عملی تعلیم دینے والے نہیں ہوتے۔ پھر عمل کے بھی دو درجے ہیں ایک اوپری دل سے عمل کرنا دوم دلبستگی اور محبت و شوق کے ساتھ کرنا۔ کہ پہلا درجہ کتنا ہی پابندی و مواظبت سے ہو مگر نہ اس کے بقا کا اعتبار ہے اور نہ اس میں حلاوت و شیرینی ہے۔ مگر دوسرا درجہ اگر ضعف بدن کی وجہ سے کمزور بھی نظر آئے تو بھی پختہ پائیدار ہوتا ہے اور اس کے اندر ایسا مٹھاس ہوتا ہے جس کی ماہیت بیان میں نہیں آسکتی یہی وجہ ہے کہ مدارس دینیہ میں بھی گو تعلیم قولی کے ساتھ عاملین کے اعمال و افعال طلبہ کو عملی تعلیم ضرور دیتے ہیں مگر وہ تعلیم صرف بدن پر رہتی ہے حلاوت دل میں نہیں اترتی اور اسی لئے اندیشہ رہتا ہے کہ متعلم کسی وقت تارک عمل اور بدحال نہ بن جائے۔

ہاں اس علم اور عمل بدن سے فراغ پانے کے بعد ضرورت ہے ان عاملین[1] کی خدمت میں رہنے کی جن کے اعمال قلب سے صادر ہوتے اور احوال بن جاتے ہیں۔ کہ اب عملی تعلیم دل میں اترے گی اور احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کا وہ انس و شوق پیدا ہو جائے گا جو کہیں بھی رہو گے مگر معلم و راہبر اور نگران و منتبہ[2] بنا ہوا تمہارے ہر وقت وہر ساعت ساتھ ساتھ رہے گا۔ پس ایسا معلم اگر مدرسہ ہی میں نصیب ہو جائے تو زہے نصیب ورنہ جس طرح دو فن حاصل کرنے کے لئے دو مدرسوں میں جانا ضروری ہے اسی طرح عملِ ابدان مدارس میں حاصل کرنے کے بعد عمل قلوب کی تحصیل کے لئے خانقاہوں میں جانا پڑے گا۔ کہ ہر کارے وہر مردے[3]۔ جن کے

---

[1] [illegible] عمل کرنے والے لوگوں کی۔ [2] تنبیہ کرنے والا۔ [3] ہر کام پر ایک مرد کا الگ الگ ہے۔

اعمال اوپری اور صرف بدن سے ہوں گے ان کی تعلیم کا اثر فقط جوارح[1] واعضا تک پہنچے گا۔ اور جن کے اعمال دل سے اور شوق ومحبت کے ساتھ ہوتے ان کے سارے کام صورۃً وہی ہوں گے جو معلم ابدان کے تھے اور نصابِ تعلیم میں کوئی اضافہ نہ ہوگا مگر ان کی تعلیم فعلی دیکھنے والوں کے دلوں میں آتشِ[2] اور مشین کے پرزوں کو چلانے والی ایک مخفی برقی قوت پیدا کرے گی جس کو محبت کی آتش اور برقِ شوق کہا جاتا ہے ؎

از ساحتِ دل[3] غبارِ کثرت رُفتن — خوشتر کہ بہرزہ درِ وحدت گفتن
مغرور سخن مشو کہ توحیدِ خدا — واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

الحاصل نائبین رسالت جن کے قلوب میں سید المحبین والمحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکوٰۃ قلب سے وہ نور منتقل ہوا ہے جس کو عشق کی آگ اور حبِ الٰہی کی حرارت کہا جاتا ہے ان کا طبعی اقتضا خود ان کو عمل پر ایسا مجبور کرتا ہے جیسا فرہاد کو جوئے شیر لانے کے لئے کوہ کنی پر مجبور کیا تھا اور اسی میں ان کو لذت آتی ہے جو ہر کوفت اور حزن وغم کو مغلوب بلکہ معدوم کر دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی چونکہ وہ بخیل وتنگ خیال نہیں ہوتے لہٰذا ان کا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا ہمارے محبوب کی ہماری طرح محب بن کر شیدا بن کر مال وجان اور عزت وخانماں نچھاور کرنے لگے۔ اس لئے برقی قوت دوچند ہو کر عمل کی محرک ہوتی اور مخلوق کے دلوں میں اس کی تعلیم اترتی چلی جاتی ہے۔

حضرت رائپوری قدس سرہ کا یہ رنگ عالم آشکارا ہو چکا تھا اور آپ کی ساری راحت وخوشی بس اس میں رہ گئی تھی کہ اللہ کا بول بالا ہو اور دنیا کا ہر فرد سنتِ محمدیہ پر عامل اور والہانہ شیدا۔ اس کی پر مال اور اولاد کو کیا چیز ہے اپنا مرنا بھی آپ کے لئے زندگی اور فنا وختم ہو جانا بھی عین حیات تھا ؎

سر بوقتِ ذبح اپنا اُن کے زیرِ پائے ہے — کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قصہ مختصر اپنی قوم کا بیوہ کے نکاح کو عیب سمجھنا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتضائے طبعی کہ آپ کی اکثر ازواجِ مطہرات بیوگی ہی سے آپ کی زوجیت میں آئیں، مدعیانِ اسلام کے قلوب سے مٹ جانا آپ کے لئے ایسا ہی سوہانِ روح تھا کہ ماں باپ بہن بھائی اور بی بی اور اولاد سب ہی کی وفات کے درد وغم سے بڑھا ہوا تھا کہ آپ اندر ہی اندر گھٹتے اور مرجھاتے چلے جاتے تھے۔ ہر چند کہ آپ اس کی قولی تعلیم بارہا اور مدت تک دے چکے تھے مگر ضابطہ پری تو نہ تھی کہ یہ کہہ کر الگ ہو جاتے میں اپنا کام پورا کر چکا نہیں مانتے تو جاؤ جہنم میں۔ وہ تو دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی جو آگے بڑھ رہی اور گوشہ میں

---

[1] ہاتھ پیر وغیرہ بدن کے ظاہری اجزا۔ [2] آگ اور شوق کی بجلی۔ [3] دل کے بعد

نہ بیٹھنے دیتی تھی ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم ۔۔۔ باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

آخر اپنی عملی تعلیم کے لئے خود اپنے خاندان کی ایک محترمہ خاتون سے آپ نے نکاح کیا جس نے آپ پر نہیں بلکہ اپنے خدا پر خاندانی ناپائیدار ناموس کو نثار کر دیا۔ مگر آپ کی سوزشِ اندرونی اس سے بھی ٹھنڈی نہ پڑی بلکہ آپ کا دل چاہتا تھا کہ جو عورت بیوہ ہوتا اور بیوہ بنتا تو نکاحِ ثانی کر کے اس رسمِ بد کو توڑنے کے صلہ میں قوم کی طعن و ملامت سنتا اور شاد کام ہو کر خوش ہوتا اور کہتا ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی[1] ۔۔۔ جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خا را[2]

بیوہ بہو کو نکاحِ ثانی کیلئے اثر انگیز نصیحت

چنانچہ آپ مرحوم بیٹے کی بیوہ کے پاس گئے اور اس طرح تسلی دی کہ بیٹی اب تک تو بہو تھی (مگر) آج سے میری بیٹی ہے۔ دنیا فانی ہے اور یہاں کا ہر تعلق ایک دن ٹوٹنے والا ہے۔ ہمارے عزیز ایک ایک ہم کو چھوڑتے جائیں تب اور ایک دن ہم سب کو یکلخت چھوڑ کر چلے جائیں تب بہر حال موت نے فراق (کی) ڈال دی۔ ایک ذات وہ بھی ہے جو کبھی کسی حال جدا ہونے والی نہیں ہے، اس کی محبت میں حلاوت بھی (ایسی) ہے کہ کسی دوسری محبت میں اس کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہے۔ ہم مریں یا جئیں وہ ہم سے جدا نہ ہوگا۔ ہماری خوش نصیبی ہے اگر اغیار کی محبت دل سے نکل کر اس کی محبت دل میں سما جائے۔ دنیا کی عزت و ذلت دونوں ہیچ ہیں اور صحابہؓ نے اپنے اللہ و رسول کا بول بالا کرنے کی خاطر کنبہ برادری اور وطن و قوم سب ہی سے پیٹھ پھیر لی۔ اور اس کا ان کو یہ صلہ ملا کہ آج ان کا نام بھی ہمیں پیارا معلوم ہوتا ہے اس لئے اپنے اللہ سے دل لگاؤ، آخرت کی عزت کو عزت سمجھو کہ شریعت کے سامنے بے زبان اور بے شعور بن جانے کا نام ہی کمال ہے۔ دنیا کسی کام کو ذلیل کہے مگر شریعت اس کا حکم دے تو ہمیں شریعت کا ساتھ دینا چاہئے۔ کیونکہ دنیا والے موت کے بعد دفنا اور مٹی کے نیچے دبا کر سب چلے آئیں گے اور پھر اسی مالک سے واسطہ پڑیگا جس نے شریعت پر عمل کا حکم دیا ہے۔ جب وہ پوچھے گا کہ ہم تمہارے نزدیک زیادہ عزیز تھے یا برادری؟ تو اس وقت پشیمانی سے پسینہ آ جائے گا اور افسوس ہوگا کہ ہائے قبر تک ساتھ دینے والوں کا میں نے ساتھ دیکر اپنے کریم مولیٰ سے کیوں بگاڑی۔

اس کے بعد آپ نے شوہر کی تجویز میں خیال دوڑایا اور آخر ایک دن مرحوم کے خسر حاجی عبدالعزیز خاں کو

---

[1] میں ہر ایک رات کو کل کو یہ چھوڑ دوں گا پھر جب کل ہوتی ہے تو آج کو کل بنا دیتا ہوں۔ [2] تم نے مجھ کو برا کہا تو میں خوش ہوں اللہ تمہیں معاف کرے تم نے اچھا کیا۔ شکر چبانے والے ہونٹوں کے لئے کڑوا جواب ہی زیب دیتا ہے۔

کہ حضرت سے بیعت بھی تھے بلا کر تنہائی میں اپنا منشاء ظاہر فرمایا۔ حاجی صاحب کو عبدالرشید مرحوم کی یاد تازہ ہوئی تو رونے لگے مگر دیکھتے تھے کہ میں خسر ہوں اور حضرت اس مرحوم کے باپ ہیں۔ آنسو نکلتے تھے کہ حضرت نے فرمایا ہا ہا حاجی عبدالعزیز خاں یہ رونے کا مقام ہے یا ہنسنے کا۔ آج خدا نے وہ دن نصیب فرمایا کہ اس کے محبوب پیغمبر کی مردہ سنت ہم ناکارہ گنہگاروں کے ہاتھوں زندہ ہو۔ یہ خوشی کی نچھاور کا وقت ہے کہ اتفاق سے میسر آگیا بس لوٹ لو جتنا لوٹا جائے۔ نہ ہوتا عبدالرشید پیدا، یا نکاح سے قبل ہی مر جاتا یا بیوہ چھوڑ کر نہ جاتا تو ہم کیا کرتے اور کیوں کر یہ نعمت پاتے۔ اب تک جو کچھ ہوا محض عطاءِ رب تھی جس میں ہمارے کسی فعل کو دخل نہ تھا اب ان عطاؤں کے شکریہ کا وقت آیا اور ہمارے کسب اور عمل کا دخل ہوا تو ہم سے زیادہ بدنصیب کوئی نہ ہوگا اگر اس کی قدر نہ کریں۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں اور وقت نکلے پیچھے بجز افسوس و حسرت کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا اس کا محتاج نہیں کہ تم سے اپنی مردہ سنت کو زندہ کرائے مگر تمہارے لئے فخر کا موقع ہے کہ تم کو سو شہیدوں کا اجر دینے کے لئے انتخاب فرمائے۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف ۔۔۔ بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد [۱]

پھر میرے حقوقِ تعلقات ادا کرنے کا دن بھی یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں یہ نکاح ضابطہ پُری کا اور اوپری دل سے نہ ہو بلکہ اُمنگ اور چونچلے سے ہو کہ حقیقت میں مسلمان کے خوش ہونے کے قابل یہی نکاح ہے۔ چونکہ مجھے تم سے توقع ہے کہ اس وقت دین کی خاطر میرے قوتِ بازو ہو گے اور کر دکھاؤ گے جو مسلمان کو ایسے موقع پر کرنا چاہئے لہذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ فلاں جگہ میں نے تجویز کی ہے اور زندگی کا اعتبار نہیں، میں چاہتا ہوں کہ جلد اس خوشی کو آنکھوں سے دیکھوں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور وہ عمل ہوا کہ عمل کرنے والے دنیا سے رخصت ہو لئے مگر کارنامہ آبِ زر سے لکھا ہوا ہر دل پر ثبت ہے۔

بہو کو آپ نے باپ کے گھر بھیجا کہ اعلانِ عام اسی میں تھا اور نکاحِ اول کا اس کو نمونہ بنانا تھا، باوجودیکہ عبدالرشید کے نکاح میں آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ دولہا کو چند احباب کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ اُس وقت اتباعِ شریعت اسی سادگی کو مقتضی تھا مگر اس نکاحِ ثانی میں آپ نے شرکت کا وعدہ فرمایا اور حالانکہ علیل و کمزور تھے مگر خاص اہتمام کے ساتھ وقت سے پہلے پہنچے۔

احیاءِ سنت کیلئے شاندار دعوت کا اہتمام کرانا

نکاح کا وقت آیا تو عبدالعزیز خاں کو بلایا اور چپکے سے فرمایا دل یوں چاہتا ہے کہ بستی اور نواح کی ساری قوم کو دعوت دی جائے [۲]

۱؎ جنگل کے سب ہرن اپنا سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں اس امید پر کہ کسی دن آپ شکار کے لئے آجائیں گے۔ ۲؎ تاکہ وہ سب لوگ شریک ہوں اور آنکھوں سے دیکھ لیں کہ نکاحِ بیوہ یوں کیا جاتا ہے اور جو نفرت رواج کی اس وقت دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی وہ جاتی رہے۔ یہ دعوت نام و نمود کے لئے نہیں تھی بلکہ رسم و رواج کو توڑ کر سنتِ نبوی کو زندہ کرنے کی تھی۔

اگر ان وسعت ہو تو اس خرچ کو جنت کی قیمت سمجھو کہ پھر وقت نہ ملے گا۔ عبد العزیز خاں حیران تھے کہ یا اللہ یا اتنا سادہ کہ نہ خود تشریف لائے اور نہ کسی کی دعوت پسند فرمائی اور اب خلاف عادت خود مشورہ ہے خرچ کا وہ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرض لیکر بھی اس ضیافت عامہ پر طیار ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت حق تعالی نے حضرت کی جوتیوں کے طفیل سب کچھ دے رکھا ہے جیسے ارشاد ہو دعوت دیدوں۔ یہ سن کر آپ کے چہرہ پر خوشی کی لہر دوڑی اور فرمایا کہ آس پاس سب ہی کو بلاؤ اور ہمت ہو تو کھانا بھی میٹھا اور نمکین دونوں قسم کا پکواؤ اور دل کھول کر کھلاؤ کہ تمہارے لئے اس سے زیادہ اجر و ثواب کی بھیر[1] لوٹنے کا کوئی موقع نہ ہوگا اس لئے ہمت نہ ہارو اور جتنا اعلان ہو سکے خوب کرو۔

چنانچہ سب کچھ ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ شادی میں نہ خرچ کرنا منع ہے نہ بخل و تنگی۔ احب یہ امور دل کی خوشی کے تابع ہیں کہ دنیاداروں کے نزدیک پہلا نکاح حوصلہ و خوشحالی دکھانے کا وقت بنتا ہے مگر دینداروں کے نزدیک جس نکاح میں اللہ کا بول بالا اور رسول کی مردہ سنت زندہ ہوتی ہو اس کی خوشی ہے اگر معمولی و رسمی ہزار نکاح بھی نہیں ہو سکتے کہ رسمی نکاح محض رفع ضرورت ہے جیسا بھی سادہ ہو جائے بہتر مگر جس خرچ میں دینی مصلحت ہو کہ حب خدا و رسول اس کے محرک ہیں وہ سب صدقات کے حکم میں ہے اور اس کا پیسہ پیسہ ستر ستر ہزار بن کر قیامت میں ملے گا۔ غرض آپ کا حال کچھ عجیب حال تھا کہ دنیا جسے غم سمجھے وہ آپ کے لئے عین خوشی تھی اور دنیا کے نزدیک جس کا نام خوشی ہے وہ آپ کے لئے حزن و غم ہے

معمہ حال میرا مثل ابر برق و باراں تھا — میں رونے میں بھی خنداں تھا میں ہنسنے میں بھی گریاں تھا

آپ پر محبوبیت غالب تھی ہر کہہ و مہ کا دل آپ کی طرف کھنچتا تھا، آپ کی مجلس انوار و برکات کی مخزن تھی۔ آپ کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا۔ آپ نے چاہ کنعان میں چھپنے کی لاکھ کوشش کی مگر تقدیر نے آپ کو بازار مصر میں نکال کر آخر منصۂ ظہور اور تخت عروج و شہرت پر لا بٹھایا اور آپ دانۂ تخم کی طرح زمین میں بیٹھے مگر کشت زار ہو کر مخلوق کو شکم سیر بنانے کے لئے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہے۔ آپ دنیا کے لئے رحمت الٰہیہ تھے کہ اجابت آپ کی دعاؤں کا استقبال کرتی اور آپ منصب ارشاد و ہدایت کے تاجدار تھے کہ درخت کا پتہ پتہ اور نہر کا قطرہ قطرہ حاضرین کو ذکر اللہ کا سبق پڑھایا کرتا تھا۔ آپ کی عمر اپنے مولی کی یاد میں ختم ہوئی کہ تین برس کی عمر سے آپ کے قلب میں قطب وقت مولانا گنگوہی کی محبت کا تخم جما اور آخر اسی میں تمام ہو گئے کہ ہڈیوں کا گودا بھی جل جل کر خشک ہو گیا ہے

وہ راز ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا — وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہوا
مُردوں مُردوں مرا کیا عشق میں زباں نہ ہوا — بیاں نہ ہونا تھا یہ حال دل بیاں نہ ہوا

---

[1] چھوٹا بڑا۔

ایک مخلص طبیب نے آپ کے آخری مرض میں نبض دیکھکر عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو بہت پرانی تپ معلوم ہوتی ہے اور ایسی ہے جیسے کسی غلبۂ حزن وغم میں حادث ہوتی ہے اور اندر ہی اندر گھلاتی ہے۔ برسہا برس گذر جانے پر اس وقت آپ کو جوش آیا اور فرمایا ہاں حکیم صاحب سچ فرمایا مجھے تپ شروع

حضرت گنگوہی سے قلبی تعلق اور شیخ الہند سے محبت

اس دن ہوئی جس دن حضرت گنگوہی نے دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود صاحب مالٹا میں قید ہوگئے۔ آج مولانا رہا ہوکر تشریف لے آئیں تو کچھ نہیں ایک دفعہ تو چھری لیکر اٹھ ہی کھڑا ہوں گا۔ اتنا فرماکر چپ ہوگئے اور آخر اسیر مالٹا کے ہندوستان آنے سے قبل ہی دنیا سے سدھارگئے ۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد ‌ ‌ ‌ ‌ وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد[1]

مولانا محمد یحییٰ سے دل کی بے چینی کا اظہار اور مولانا کا دلچسپ جواب

ایک مرتبہ بیماری میں بندہ اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم حاضر ہوئے۔ دونوں سے حضرت کو کمال بے تکلفی تھی اس لئے جب سب اُٹھ گئے تو فرمایا مجھے ایک پریشانی لاحق ہے جس میں گھلا جاتا ہوں، وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے بندۂ مومن کو لقاء رب کی تمنا ہوتی ہے اور میں اپنے اندر اس مضمون کو نہیں پاتا۔ مولوی یحییٰ صاحب نے کہا حضرت یہ تمنا وشوق تو عند الموت ہوتا ہے اور آپ ابھی مرنے والے نہیں۔ آپ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ مرنے کو تو پڑا ہی ہوں اور یہی فکر ہے کہ شوق لقاء کیوں نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا پھر حضرت ہمارے لئے تو مبارک ہے کہ ابھی حق تعالیٰ نے اس وقت کو مؤخر فرمایا کہ وہ وقت ہوتا تو شوق لقاء بھی غالب آتا۔

چنانچہ آپ تندرست ہوگئے اور زندہ رہے حتی کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے بھی دنیا سے انتقال فرمایا اور یہ تیسرا روح فرسا صدمہ آپ کو پہنچا جس کو آپ نے سابق صدمات کے پہلو میں رکھ لیا۔ آخر جب وہ وقت آیا جس کے آپ منتظر تھے تو باوجودیکہ کروٹ لینا دشوار تھا اور نماز کے لئے بھی دو آدمی سہارا دے کر اٹھاتے اور پلنگ سے اتار کر مصلے پر بٹھا دیا کرتے تھے مگر آپ پر آستانۂ محمدیہ کی حاضری کا غلبہ ہوا اور آپنے سفر حج کا پختہ قصد کرلیا۔[2]

کمال ضعف کے باوجود حج وزیارت کا شوق

میں حاضر ہوا تو آپ نے بڑے اہتمام سے مجمع کو اٹھا کر تنہائی حاصل کی اور مجسم شوق بن کر فرمایا میں تو تیرا

---

[1] ترجمہ: دل میں ایک ایسا درد ہے کہ اگر کہہ ڈالوں تو زبان کو پھونک دے اور اگر سانس اندر کھینچ لوں تو ڈر ہے کہ ہڈیوں کا گودا بھی جلا ڈالے۔

[2] یہ ذوق وشوق عشق کا کرشمہ ہے اس کو قاعدوں سے نہ پرکھا جائے گا۔

انتظار ہی دیکھ رہا تھا کہ دل کی بات کہوں۔ وہ یہ ہے کہ امسال حج کا ارادہ کر چکا ہوں اور تمنا ہے کہ زندہ رہوں تو پہلے جہاز پر سوار ہوجاؤں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آفریں ہے حضرت کی ہمت پر کہ کروٹ تو لی نہیں جاتی اور قصد ہے اس کٹھن سفر کا جس میں مستعد جوان بھی چور چور ہوجاتے ہیں۔ بھلا کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا حضرت بوڑھے جوان سب ہی اس راستے میں چلتے ہیں۔ پس مجھے تو کوئی پکڑ کر ریل میں ڈال دے تو پڑا پڑا انشاء اللہ چلا ہی جاؤں گا۔

میں نے دیکھا کہ یہ غلبۂ شوق دبنے والا نہیں تو موافقت کا پہلو لے لیا اور عرض کیا ہاں حضرت "ہمت کا حامی خدا ہے"۔ جب حضرت نے قصد فرما لیا تو انشاء اللہ پہنچنا کچھ دشوار نہیں۔

حضرت سہارنپوری سے اجازت حاصل کرنے کی کوشش

فرمایا الحمد للہ الحمد للہ تو نے تو موافقت کرلی اب ایک خاص درخواست ہے وہ یہ کہ بس اب حضرت سہارنپوری کا میرے بزرگوں میں ایک دم باقی ہے جن کے حکم کے سامنے چون و چرا کی ہمت نہیں اس کا سہم چڑھا ہوا ہے کہ حضرت نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا تو پھر کیا کروں گا۔ بس یہ خدمت تیرے سپرد ہے کہ حضرت سے بخوشی اجازت دلوادے۔ میں چونکہ سمجھ رہا تھا کہ یہ تو سرکار کے بلاوے کی علامت ہے کہ حاضریٔ آستانہ کا شوق بیتاب بنا رہا ہے ورنہ موسم حج میں ابھی اتنا وقت ہے کہ اس وقت تک حضرت حیات ہی رہیں تو زہے نصیب۔ پھر آپ کے دل کو پژمردہ کیوں کروں اس لئے میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت انشاء اللہ ضرور کوشش کروں گا اور امید قوی ہے انشاء اللہ حضرت انکار نہ فرمائیں گے بلکہ کیا عجب ہے حضرت بھی قصد فرمالیں اور پھر بندہ بھی ہم رکاب ہو۔ اتنا سن کر فرحت و سرور سے حضرت کا چہرہ چمکنے لگا اور "الحمد للہ الحمد للہ اب اطمینان ہوگیا" فرماتے ہوئے از خود اٹھ بیٹھے کہ تکیے سے سہارا لگائے دیر تک اسی کی باتیں کرتے اور مزہ لیتے رہے۔

وصیت و ہبہ کا اہتمام

آپ نے وفات سے قبل اپنا تمامی سامان حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک وصیت و ہبہ کے ذریعہ دوسروں کی ملک بنا دیئے تھے مگر تیرہ سو روپیہ نقد زاد راہ بنا کر مولانا عبدالقادر صاحب کے حوالہ کردیا تھا کہ اس کو محفوظ رکھو یہ میرے اور تمہارے سفر حج کا خرچ ہے۔ آخر جوں جوں حج کا موسم قریب آتا گیا آپ کا مرض و ضعف بڑھتا اور وصال کا وقت قریب آتا گیا حتیٰ کہ آپ نے سمجھ لیا کہ اب گنجائش نہیں رہی اور تیرہ سو روپیہ ترکہ بنا چاہتا ہے۔ تب آپ نے مولانا کو بلا کر وہ روپیہ بھی تقسیم کرادیا۔ کیونکہ آپ مولیٰ کریم سے ایسی حالت میں ملنے کے متمنی تھے کہ دنیا کا کوئی حبہ اور پارچہ بھی آپ کی ملک میں نہ ہو۔ بیت کے دھیان سے ہٹ کر اب آپ رب البیت کے خالص تصور میں غرق ہوگئے

اور آخر چند ہی روز بعد وہ مبارک وقت آیا جس کے شوق میں آپ کا رواں رواں پکارتا تھا ؎

خرم[1] آں روز کہ ازیں منزلِ ویراں بروم | راحتِ جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر[2] کردم کہ گر آید بسر آید ایں غم روزے | تا درِ میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

حضرت سہارنپوری کا خواب

آپ کے مرض کو چونکہ امتداد زیادہ ہو گیا تھا اس لئے زائرین آتے اور چلے جاتے تھے، کس کو خیال تھا کہ فلاں وقت رخصت کا ہے اور ٹھہرنا چاہئے۔ حضرت سہارنپوری نے خواب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو گیا اور دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ حسب معمول تہجد کے وقت حضرت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے۔ اہلیہ نے پوچھا آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں اور طبیعت کچھ فکرمند معلوم ہوتی ہے کیا بات ہے؟ آپ نے خواب کا اظہار کیا اور محزون لہجہ میں فرمایا اس کی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں محبوس ہیں دوسرے مجھ کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کی حالت نازک نہ ہو۔

غرض صبح کو حضرت بہلٹ روانہ ہو گئے جہاں تبدیلِ آب و ہوا کے لئے حضرت کا قیام تھا۔ بعد مغرب حضرت نے فرمایا آج عشا کی نماز ذرا سویرے پڑھ لیجو۔ چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام کی خواہش ہو گی نماز اول وقت پڑھ لی گئی اور آپ چارپائی پر لیٹ رہے۔ حضرت دوسرے کمرہ میں جا لیٹے کہ دفعۃً آپ کو آخری کرب شروع ہوا اور حضرت اپنے کمرہ سے لپک کر پاس آئے۔ مولانا نے حضرت کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ تھام کر اپنے سینہ پر رکھ لیا۔

انتقال ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

حضرت نے پڑھنا شروع کیا اور رائپور کا آفتاب اپنے محبوب کا ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے چند منٹ کے اندر شب کے ۱۱ بج کر ۱۵ منٹ پر غروب ہو لیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ صبح کو جنازہ رائپور کی طرف چلا اور خدام کا مجمع بحسرت واندوہ یہ کہتا ہوا پیچھے پیچھے ہو لیا ؎

اے[3] تماشا گاہِ عالم روئے تو | تو کجا بہرِ تماشا می روی

آخر اسی باغ میں جہاں آپ کی حیاتِ شریفہ کا آخری حصہ گذرا تھا مسجد کی جنوبی سمت آپ کا وہ جسدِ اطہر جو رضا و تسلیم کے جھولے میں مدتوں چڑھا اور اترا تھا ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء

---

[1] میں خوش ہوں گا اس دن کہ اس اجڑے گھر سے چلا جاؤں گا روح کی راحت حاصل کروں گا محبوب کے لئے روانہ ہوں گا۔

[2] میں نے منت مانی ہے کہ اگر کسی دن یہ غم سر میں آجائے گا تو میکدہ کے دروازہ تک خوشی خوشی غزل پڑھتا ہوا جاؤں گا۔

[3] اے وہ ذات کہ تیرا چہرہ تمام عالم کا تماشا تھا تو اب کہاں تماشے کے لئے جا رہا ہے۔

یوم سہ شنبہ کو سپرد زمین کر دیا گیا مگر تنہا نہیں بلکہ ہزاروں یادگاریں چھوڑ کر اور ہزاروں کی حسرتوں اور تمناؤں کو ساتھ لیکر ؎

اکیلا کون کہتا ہے لحد میں نعش حاتم کو   ہزاروں حسرتیں مدفون ہیں دریا کے پہلو میں

بات بہت دور پہنچ گئی کہ سوانح خلیلیہ لکھنا ہے نہ کہ سوانح رحیمیہ مگر بے اختیاری میں قلم سے نکلا جو نکلنا تھا اور وہ بھی اسی ضمن میں کہ حضرت کے شاگردوں میں کوئی بھی کامیاب نہ ہوتا تب بھی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کا ایک وجود باجود جس کی جوتیوں کے طفیل ہزاراں ہزار مخلوق کامگار و بامراد ہو گئی فخر کے لئے کافی تھا کہ ان کی شان یہ تھی جس پر توجہ کی اس کو لاابالی بنا دیا اور جس طرف نظر ڈالی اس کو عشق و محبت کا مزہ چکھا دیا ؎

وہ لوٹ پوٹ ہی دیکھا نگاہ کی جس پہ   کسی نے بس کا ترا تیر بے کماں نہ ہوا

بالخصوص جبکہ دونوں حضرات کی باہمی مخلصانہ محبت اتنی متعدی بھی ہو چکی تھی کہ ان کے متوسلین ان کو گویا شیخ ہی سمجھے تھے اور ان کے متعلقین ان کو پیر کے حکم میں مانتے تھے۔

حضرت مولانا رائپوری کے اس رنگ کو میں نے بارہا غور سے دیکھا کہ حضرت کے تشریف رکھتے ہوئے کوئی صاحب آتے اور مصافحہ کرنے کے لئے مولانا کی طرف بڑھتے تو حضرت مولانا اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے اور حضرت کی طرف اشارہ کرکے ان کو تنبیہ فرماتے کہ گستاخ نہ بنو پہلے حضرت سے مصافحہ کرو کہ اقدم و افضل ہیں اور پھر مجھ سے۔

سفر حج کو جانے کے وقت حضرت کے تلامذہ کی درخواست ہوئی کہ مسلسلات اور سورۂ ص کی مذکورہ باقاعدہ اجازت وسند عطا فرمادیں۔ چنانچہ حضرت نے منظور فرمالیا اور کہا کہ سب لوگ درس میں چل کر بیٹھو، میں آتا ہوں۔ چنانچہ تخمیناً[1] تیس[2] طلبہ صف باندھ کر جا بیٹھے۔ حضرت دیر چڑھے تو بندہ بھی۔ سمجھ لیا کہ اجازت میں شریک ہوں گا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت مولانا رائپوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت استاذ کی آمد کا انتظار فرما رہے ہیں۔ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے وہاں مجھے بھی یہ عزت نصیب ہو۔ آہ! کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں کہ ان آنکھوں نے کہاں کہاں اور کیسا کیسا موسم بہار دیکھا اور اب یہی آنکھیں چار سو خزاں کا عالم دیکھ رہی ہیں، مگر نہ بہار میں کچھ کمایا نہ خزاں میں عبرت پکڑی۔ قال الله المشتکی۔ انما اشکوا بثی وحزنی الی الله ؎

تہیدستان[3] قسمت را چہ سود از رہبر کامل   کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

---

[1] تقریباً ... [2] ... [3] میں اپنی پریشانی و غم کی شکایت اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں۔

[4] قسمت کے خالی ہاتھ والوں کو کامل رہبر سے بھی کیا فائدہ ... حضرت خضر علیہ السلام چشمۂ آب حیات سے سکندر کو پیاسا ہی لے آئے۔

ستر دیں مارا خبر او را نظر — او درون خانہ ما بیرون در

ما کلیسا دوست ما مسجد فروش — او ز دست مصطفیٰ پیمانہ نوش (اقبالؒ)

سلسلۂ طریقت حضرت چاروں سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) میں بیعت فرماتے تھے اور چاروں سلسلوں کی نسبتیں "عطر مجموعہ" کی طرح اس سلسلہ میں بسی ہوئی تھیں جو آپ کو اپنے شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب(۱) رائے پوری قدس سرہٗ سے پہنچا تھا،

---

(۱) حضرت کے حالات طیبہ اور کمالات عالیہ کے تذکرہ کے لئے مستقل تصنیف درکار ہے ع:۔

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

جستہ جستہ واقعات جو حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ نے اپنی زبان مبارک سے کبھی ارشاد فرمائے، وہ اس کتاب میں اپنے موقع پر آگئے ہیں، مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے تذکرۃ الخلیل میں نہایت [illegible] اور اجمال کے ساتھ کچھ حالات لکھے ہیں ان کو ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے، ناچیز مؤلف نے اس مختصر کتاب میں ضمناً بطور تذکرہ لکھنے کی جرأت نہیں کی، درحقیقت حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے حالات و کمالات اور انکی زندگی حضرت ہی کی کتاب زندگی اور تذکرہ کا ایک زریں ورق اور آپکے کمالات اور مقامات کا ایک نمونہ اور نتیجہ تھا۔

ع:۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ کے پہلے شیخ آپ ہی کے ہم نام حضرت میاں صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری[1] تھے جو سلسلہ قادریہ نقشبندیہ میں اخوند صاحب کے

---

(۱) حضرت میاں صاحب سرساوہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، اگر یہ (خاندانی روایت صحیح ہے کہ ۹۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی تو ولادت سنہ ۱۲۱۰ھ میں ہوئی ہوگی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں صاحب کے نہایت دل آویز اور بڑے رفیع حالات سناتے تھے، ان کی مدد سے ان کا ایک مختصر سا تذکرہ اور تعارف مرتب ہو سکتا ہے،

فرماتے تھے کہ میاں صاحب حضرت حاجی اخوند صاحبؒ صوات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی، حاجی صاحب نے بیعت فرما لیا اور شرط کی کہ انگریزوں کی نوکری نہیں کرو گے ورنہ بیعت شکست ہو جائے گی، وہ بیعت کر کے چلے آئے، لیکن بعض حالات ایسے پیش آئے کہ انھوں نے نوکری کر لی، پھر جب سیدو شریف حاضر ہوئے آخوند صاحب نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ جاؤ تو ہمارے کام کا نہیں رہا، آپ پندرہ روز تک وہاں رہتے رہے، آخوند صاحب نے بلوا کر دوبارہ اسی شرط پر بیعت کی اور وہیں کے ہو رہے، وہاں سیدو شریف میں ایک غار میں معمولات پورے فرماتے تھے، ایک روز اس غار کے اوپر اس چٹان پر شیر ببر آ کر بولنے لگا، اسکی آواز سے پہاڑ کی چوٹی سے پتھر گرنے لگے، فرماتے تھے ذرا سکون میں فرق آیا، پھر اپنا ذکر اسی قوت سے شروع کر دیا، بڑے قوی النسبت اور صاحب کشف و تصرف بزرگ تھے، اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا، اس کے باوجود روزانہ سو رکعتیں نفل پڑھا کرتے تھے، خادم کھڑا کر دیتے تھے آپ نفل پڑھنے لگتے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی، کشف کا یہ حال تھا کہ مرزا صاحب کی شہرت اور دعوے سے بہت دن پہلے حکیم نور الدین صاحب بھلوالہ جموں کی صحت کیلئے دعا کرانے کیلئے آئے، فرمایا تمہارا نام نور الدین ہے، حکیم صاحب نے کہا "ہاں" فرمایا جاؤ تم تو دیوان [illegible] فتنہ پیدا ہوا ہے جو کچھ عرصہ کے بعد ایسے دعوے کریگا جو نہ اٹھائے جائیں گے۔

نامور شیخ طریقت حضرت حاجی عبدالغفور صاحبؒ (جو اخوند صاحبؒ صوات کے نام سے مشہور ہیں) کے خلیفہ تھے، میاں صاحب نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو سلسلۂ قادریہ نقشبندیہ

(بقیہ حاشیہ) رکھے جائیں گے، تم اسکے محتاج کیسے ہوئے ہو، حکیم صاحب نے استعجاب کا اظہار کیا تو فرمایا تم میں الجھنے کی عادت ہے اور مناظرہ کا شوق ہے، یہی عادت تم کو وہاں لے جائیگی، باوجود کشف، کرامت و علوئے مرتبت کے مزاج میں بہت تواضع اور مسکنت تھی، فرماتے تھے کہ جب میں بازار سے گزرتا ہوں اور لوگ سلام کرتے ہیں تو گھڑوں پانی پڑجاتا ہے، ندامت میں ڈوب جاتا ہوں، انتقال بھی عجیب طریقہ ہوا، ایک دن گھر سے خوشدامن صاحبہ نے آواز دی کہ میاں صاحب رقیہ (چھوٹی بچی) روٹھی ہوئی ہے اسکو منا لو، فرمایا کیسی رقیہ اور کس کی رقیہ، ہم نے اپنے روٹھے کو منا لیا، یہ کہہ کر ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، کروٹ لی اور سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کرتے تھے، ابتداء سے بزرگوں سے عقیدت اور ان کی صحبت میں بیٹھنے کا شوق تھا، میاں صاحبؒ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے، میاں صاحب کو بھی بڑی نظرِ عنایت تھی، ایک روز فرمایا آ میرے چاند تجھے بیعت ہی کروں، کچھ عرصہ کے بعد اجازت بھی مرحمت فرمادی، حضرت کی ان کے ساتھ اخیر تک عقیدت قائم رہی، ذکر طریقہ قادریہ کا انھیں سے اخذ کیا تھا اور رائے پور کے سلسلہ میں یہی رائج ہے۔

مولانا عبداللہ شاہ صاحب کرنالی "تعلیمات رحیمی" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت پیر و مرشدنا (حضرت میاں صاحب سہارنپوری) بدرجۂ غایت متبع سنت اور محترز از بدعت تھے، کسی عرس اور محفل رقص و سرود و شعر خوانی میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اپنے خادمان کو اتباع شرع کا تقید فرماتے تھے، اور بدعات سے منع فرماتے تھے" (ص ۵۲-۵۳)

۲۱ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ روز دوشنبہ وقت شب میاں صاحبؒ کی وفات ہوئی، خلفاء میں مولوی محمد میاں خاں صاحبؒ جانشین، مولانا عبداللہ شاہ صاحب کرنالی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ممتاز و مشہور ہیں۔

میں اجازت دی تھی[۱] اور وہ اس سلسلہ میں لوگوں کو بیعت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس راہ کی ترقیات و کمالات، مرجعیت و مقبولیت جو نہایت عالی استعداد اور قوی النفسیت بزرگوں کو حاصل ہوتی ہے عطا فرمائی تھی میاں صاحب کی وفات کے بعد جب قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا آفتاب رشد و ارشاد نصف النہار پر پہونچا اور ان کی ذات گرامی سے وہ تجدیدی شان اتباع سنت کا کمال اور عقائد و اعمال میں انکے تعلق اور نسبت کے اثرات ہوئے اور عشق و محبت کی وہ خصوصیات ظاہر ہوئیں جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کی خصوصیت ہیں تو آپ شیخ کامل و مکمل ہونے کے باوجود حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی طرف اس طرح رجوع کیا جیسے ایک مرید رشید کرتا ہے، حضرت نے آپ کو اجازت و خلافت دی آپ کی بقیہ زندگی حضرت کے رنگ و مسلک اور حضرت کی محبت و عقیدت میں ڈوبی رہتی تھی اور اس طرح ان دونوں سلسلوں کے اثرات و برکات اور ان کی نسبتیں آپ میں جمع ہوگئیں،

قطب العالم اعلیٰحضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

م ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء

تحریر: سید نفیس الحسینی

اے گل، نہ ہمیں معرکہ من تبو گرم است
ہنگامہ صد سوختہ خرمن تبو گرم است

سلطان الاولیاء والکاملین، امام المتوکلین والزاہدین قطب العالم حضرت مولانا (اعاذنا اللہ) شاہ عبدالرحیم رائپوری نوّر اللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت تخمیناً ۱۸۵۴ء میں ضلع انبالہ (مشرقی پنجاب، ہندوستان) کے ایک گاؤں تگری میں ہوئی۔ خاندانی اعتبار سے آپ شرفائے راجپوت میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد جناب راؤ اشرف علی خاں صاحب تگری کے ممتاز زمیندار اور خدایاد بزرگ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف شاملی کے میدان میں معرکہ آرائی کی پاداش میں جب حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہم کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے تو حضرت اقدس

حاجی صاحبؒ اسی علاقہ میں پنجلاسہ کے مقام پر روپوش رہے۔ انھیں دنوں حضرت اقدس گنگوہیؒ اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس حاجی صاحبؒ کی تلاش میں بیقرار و بے حال جگہ جگہ پھرتے پھراتے بہٹری سے بھی گزرے۔ جناب راؤ اشرف علی خاں صاحب نے انھیں اپنے ہاں مہمان ٹھیرایا۔ حضرت اقدس گنگوہیؒ نے ایک شب وہاں قیام فرمایا۔ اس مختصر سے قیام میں مخلص میزبان کو اجنبی مہمان سے ایسا قلبی لگاؤ پیدا ہُوا کہ بیعت کی درخواست پیش کر دی۔ حضرت اقدس گنگوہی نے فرمایا میں کل آپ کو اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت کراؤں گا جو قریب ہی پنجلاسہ میں ٹھیرے ہوئے ہیں۔ راؤ صاحب نے اپنے صاحبزادے عبد الرحیم کو جو اُس وقت تقریباً تین برس کے تھے خدمت والا میں دُعا کے لیے حاضر کیا۔ حضرت اقدس گنگوہی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دُعائے رُشد و ہدایت فرمائی۔ یہی سعادت آثار بچہ عبد الرحیم اپنے اوجِ کمال کو پہنچ کر قطب العالم اعلیحضرت شاہ عبد الرحیم رائپوری کے نام سے شہرۂ آفاق ہُوا اور ایک زمانہ اُس کے سرچشمۂ عرفان سے سیراب و فیضیاب ہُوا۔

بچپن ہی سے اعلیحضرت رائپوری کی جبین مبارک پر آثار ولایت و معرفت آشکار و ہویدا تھے۔ سینہ مبارک صغر سنی ہی میں حفظ کلام اللہ کی نعمت سے مہبطِ انوار ہو گیا۔ دینی تعلیم سہارنپور اور دوسرے شہروں میں اپنے وقت کے جیّد اساتذہ سے حاصل کی۔ زمانہ تعلیم ہی میں عارفِ یگانہ، قطبِ زمانہ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ (م ۲۱۔ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ) کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہُوا۔ ایک زمانہ تک اُن کی خدمت میں رہے۔ چونکہ قلبِ مبارک نورِ ایمان و یقین سے مزکیٰ و مُصفّیٰ تھا۔ اس لیے جلد ہی سلوک و معرفت کی منزلیں طے کر لیں اور مقامِ تسلیم و رضا کو پہنچے۔ مرشد عالی مقام نے اپنی خلافتِ خاصہ سے نوازا اور رائپور (ضلع سہارنپور) میں قیام کا حکم فرمایا۔

رائپور آپ کا ننھیالی گاؤں تھا چنانچہ قصبہ رائپور سے باہر نہر جمن مشرقی کے دوسرے کنارے

آپ نے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی جو بعد میں "خانقاہ گلزار رحیمی" کے نام سے موسوم ہوئی۔ جلد ہی آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی اور آپ کا فیضان چہار اطراف میں دُور دُور پھیل گیا۔

۲۱۔ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ کو آپ کے پیر و مُرشد نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

شیخ بزرگوار کی وفات کے بعد آپ چند ایک مرتبہ کلیر شریف بھی حاضر ہوئے۔ اکثر تنہا سفر فرماتے کسی کو ہمراہ نہ لیتے۔ کچھ شب و روز وہاں قیام بھی فرماتے ایک مرتبہ وہاں حاضر ہوئے تو عجیب واقعہ پیش آیا جسے مرشدنا مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۱۳۸۲ھ) قدس سرہٗ بارہا اپنی مجالس میں بیان فرماتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ ایک شب کو تاج الاولیاء حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری قدس سرہٗ کے مزار مبارک کے قریب درگاہ کی مسجد سے ملحقہ صحن میں محو خواب تھے۔ نصف شب کو آپ نے بارش محسوس کی۔ آپ فوراً اندر سائے میں چلے گئے لیکن غور کیا تو معلوم ہوا کہ بارش نہ تھی۔ دوبارہ آپ باہر تشریف لا کر آرام فرما ہوئے۔ کچھ وقفے کے بعد پھر وہی کیفیت ہوئی اب آپ کو یقین ہو گیا کہ بارش ہو رہی ہے۔ آپ اُٹھے وضو کیا اور نوافل میں مشغول ہو گئے۔ اچانک آپ نے ایک آواز سُنی "عبدالرحیم، عبدالرحیم" آپ نے خیال کیا کہ صحن میں ان گنت سونے والوں میں سے کوئی ہو گا جسے کوئی شخص بلا رہا ہے۔ آخر آپ کے قلب کو کشش ہوئی۔ سلام پھیر کر مزار مبارک کی طرف متوجہ ہوئے۔ آواز آئی "میں تمہیں ہی بلا رہا ہوں" پھر ارشاد ہوا "ہمارے سعد کی نعمت اس وقت گنگوہ میں ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب کے پاس، آپ وہاں جاؤ"۔

آپ کلیر سے عجیب جذبات و خیالات کے ساتھ لوٹے۔ یہ سفر حج کا زمانہ تھا۔ آپ گنگوہ شریف حاضری سے پیشتر ہی سفر مبارک پہ روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں قطب الاقطاب شیخ العرب والعجم اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے چشمہ فیوض و برکات سے ایک عالم سیراب ہو رہا تھا۔ آپ مکہ معظمہ میں ان کی خدمت مبارکہ میں باقاعدہ حاضر ہوتے رہے۔

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ کے والد بزرگوار بھی اعلیٰحضرت حاجی صاحب کے مرید تھے۔ ان کی بیعت کا واقعہ "تذکرۃ الرشید" اور "امداد المشتاق" میں موجود ہے۔

اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ کی شفقت حضرت رائپوری کے حال پر بے پایاں رہی۔ ایک روز آپ مجلس مبارک میں موجود تھے کہ اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ نے ایک عام ارشاد فرمایا: "میں آج اپنا قرآن پاک جو میرے زیر تلاوت رہتا ہے اس شخص کو دوں گا جو قرآن پاک سے کمال شفقت کے باعث مجھ سے آگے نکل گیا۔" اس نعمت کا اشتیاق بہت سے حاضرین کو ہوا۔ مگر یہ نعمت جس ذات والاصفات کے مقدر میں تھی اسی کو ملی۔ اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ نے وہ کلام پاک حضرت اقدس رائپوری کو عنایت فرمایا۔

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ "مولانا! آپ سے میرا روحانی رشتہ ہے۔ ہندوستان واپسی کے وقت مجھے مل کر جائیے گا۔"

اگرچہ حضرت اقدس رائپوریؒ نے کلیر شریف کا واقعہ ابھی کسی سے بھی بیان نہیں فرمایا تھا لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ کو اس کا ادراک ہو گیا۔

حضرت اقدس رائپوری جب آخری ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مکتوب گرامی حضرت گنگوہیؒ کے نام دیا جس میں اپنا مافی الضمیر تحریر فرما دیا تھا۔

حضرت اقدس رائپوریؒ ہندوستان واپس آ کر گنگوہ شریف پہنچے۔ حضرت والا کی خدمت میں اعلیٰحضرت حاجی صاحبؒ کا مکتوب مبارک پیش کیا۔ تین شب و روز آپ خانقاہ رشیدی میں قیام پذیر ہو کر فیضیاب ہوتے رہے۔ رخصت کے وقت حضرت اقدس گنگوہیؒ نے آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور چاروں سلاسل طیبہ کی اجازت کے ساتھ اپنی دستار خلافت مرحمت فرمائی۔

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کے خلفاء میں آپ کو ایک خاص امتیازی مقام حاصل رہا۔ بعض معاملات میں حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ نے اپنی حیات ہی میں انھیں اپنی نیابت خاصہ سے نوازا۔ چنانچہ جن دنوں دارالعلوم دیوبند میں کچھ اختلافات رونما ہوئے اور مخلصین نے حضرت اقدس گنگوہیؒ

کی خدمت میں حاضر ہو کر اصلاحِ احوال کے لیے درخواست پیش کی تو حضرت قطب الارشادؒ نے حضرت اقدس رائپوریؒ کو اپنی نیابت میں اس کام پر مامور کیا۔ آپ نے نسبتِ باطنی سے بطریقِ احسن اُسے انجام دیا اور کامیاب رہے۔

حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ صرف محدثِ کبیر، فقیہِ عصر اور مرشدِ زمانہ ہی نہ تھے بلکہ مجاہدِ جلیل اور غازیِ اسلام بھی تھے۔ ۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں انگریز کے خلاف جنگ کا کارنامہ عظیم بھی انجام دیا تھا۔ اس معرکے میں اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ صاحب امامِ جہاد تھے ——— حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے جب کہ حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالارِ فوج تھے۔ حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی میمنہ اور میسرہ کے افسر تھے۔ حضرت حافظ ضامن صاحب نے ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ (۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء) پیر کو بوقتِ ظہر شاملی کی جنگ میں شہادتِ عظمیٰ سے سرخروئی حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ حریت میں انگریزی حکومت نے اقتدار کو بزور ختم کر دیا تو ان اہلِ فراست علماء نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اب انگریز کی طاقت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ کھلی جنگ میں اس سے مقابلہ مشکل ہے۔ چنانچہ انھوں نے زیرِ زمین (انڈر گراؤنڈ) کام کا فیصلہ کیا۔ اسی مقصدِ عظیم کی خاطر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔

حضرت اقدس گنگوہیؒ نے اپنے ممتاز خلفاء کو جہاں فیضانِ سلوک و تصوف سے سیراب کیا وہاں جذبۂ جہاد و سرفروشی سے بھی سرشار کیا۔ گویا سلوک و تصوف اور جذبۂ حریت دونوں کا تعلق نسبتِ باطنی ہی سے تھا۔

۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ کو حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی[۸]۔ اُن کے ممتاز خلفاء و مسترشدین ان کی نسبتِ باطنی کے امین و وارث ہوتے۔

حضرت اقدس گنگوہیؒ کے خلفاء میں حضرت قطبِ عالم حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ میں باہم نہایت درجہ محبت و یگانگت تھی جو حضرتِ اقدس گنگوہیؒ کے زمانۂ حیات ہی سے اُن کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھی اور وہ یکجان و دو قالب کا مصداق

بن گئے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی ذات والاصفات میں فیضانِ قاسمی و رشیدی کا قِران السعدین تھا۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الہندؒ مرحوم کو تعلیم و تربیت کا شرف حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور پھر حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہما اور حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا۔ سالہاسال ان کی خدمت عالیہ میں انتہائی اخلاص اور شغف بلکہ عاشقانہ جذبات کے ساتھ رہنا ہوا تھا اور ان حضرات کی وہ مکمل ہستیاں تھیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں علم آزادی بلند کر کے شاملی تھانہ بھون وغیرہ سے انگریزی اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ان کے سینوں میں ہمیشہ آزادی اور جہاد کی مبارک آگ سلگتی رہتی تھی۔ اس لیے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں انگریزی اقتدار کے فنا کر دینے کا جذبہ مستقل طور پر ہوا طبعی امر ہو گیا تھا: (نقشِ حیات ص۱۳۶)

ادھر قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ کی ذات گرامی بھی نسبت قاسمی و رشیدی کا مجمع البحرین تھی۔ حضرت اقدس رائپوریؒ کو جذبۂ جہاد اپنے مرشدِ اول حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری قدس سرہٗ کے واسطے سے بھی حاصل تھا۔ آپ کے دادا پیر قطب الاولیاء غازیٔ اسلام حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات (م ۱۲۹۵ھ) نے صوبہ سرحد میں ایک لشکرِ اسلام کے ساتھ انگریزوں سے متعدد جنگیں لڑیں۔ میدانِ جنگ میں انہیں شکستِ فاش دے کر علاقہ سوات و بنیر میں حکومتِ اسلامی قائم کر لی تھی اور اپنی حیات میں وہاں انگریز کے منحوس قدم جمنے نہ دیے۔ اس سے پہلے حضرت اخوند صاحب قدس سرہٗ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد شعیب توروڈھیری قدس سرہٗ نے بھی رنجیت سنگھ کے خلاف لشکر آرائی کر کے دادِ شجاعت دی اور ۱۲۴۸ھ میں اس مجاہدِ اسلام نے ایک معرکۂ جنگ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت اقدس رائپوریؒ کے درمیان یہ اقدارِ مشترک بھی یکدلی و یکجہتی کا

باعث بنیں۔ حضرت اقدس گنگوہیؒ کی وفات کے بعد جب تحریک آزادی کی سرگرمیوں کو نمایاں کرنے کا وقت آیا تو حضرت رائپوریؒ نے شیخ الہندؒ کے دوش بدوش اس تحریک میں حصہ لیا۔ یہ تحریک کوئی نئی تحریک نہ تھی، بلکہ علمائے حق کی وہی تحریک تھی جو برطانوی حکومت کے خلاف امام المجاہدین امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ نے شروع کی تھی اور سرفروشانِ اسلام نے بالاکوٹ کے میدان میں جان کے نذرانے بارگاہِ رب العزت میں پیش کر کے سرخروئی حاصل کی تھی۔ علماء مجاہدین کی وہی تحریک پھر ۱۸۵۷ء میں شاملی اور تھانہ بھون کے کارزاروں میں بروئے کار آئی اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور ان کے کچھ ساتھی خلعتِ شہادت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر ربِ ذوالجلال کے حضور پہنچے۔ اب ایک بار پھر اس تحریک کے منصۂ شہود پر آنے کا وقت آگیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو اس تحریک کا امیر الامراء اور رئیس المجاہدین تسلیم کیا گیا۔

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد

من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

حضرت قطب عالم رائپوریؒ نے کمال مردانگی و ہمت باطنی سے تا دم حیات حضرت شیخ الہندؒ کا ساتھ دیا۔ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ بھی ابتداہی سے اس تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت اقدس نانوتویؒ اور حضرت اقدس گنگوہیؒ کے اور متوسلین بھی شریکِ جہاد تھے۔ مفکرِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لان الامر (الجهاد) لم يكن مقصورًا على شيخنا (شيخ الہند) فقط بل كان معه جماعة من اتباع مولانا محمد قاسم وطائفة من اتباع مولانا رشيد احمد مثل مولانا عبد الرحيم الرائپوري

(الالہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن ص ۱۳۶ ج ۱)

حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ انتہائی زیرک، صاحبِ بصیرت و فراست اور صاحبِ الرائے بزرگ تھے۔ آپ کے صفائے باطن کا یہ عالم تھا کہ حسن و قبح قلبِ نورانی پر منکشف ہو جاتا تھا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بیان ہے:

"مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کا قلب بڑا نورانی تھا۔ میں اُن کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔"

"حکایاتِ اولیاء" (ارواحِ ثلاثہ) ص۲۶۵

حضرت شیخ الہندؒ، حضرت اقدس رائپوریؒ کا بے حد احترام فرماتے۔ آپ کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے۔ انھیں تحریک کے سلسلے میں سب سے زیادہ اعتماد و تعلق خاطر آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے تھا۔ حضرت مستری احمد حسن صاحب ڈیرہ دونی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ) جو اس تحریک کے سرگرم کارکن اور حضرت اقدس رائپوریؒ کے معتمد تھے، اوائل شوال ۱۳۹۰ھ میں (راقم سطور کے قیام رائپور کے دوران) خانقاہ رائے پور تشریف لائے تو فرمایا:

"حضرت شیخ الہندؒ تحریک کے سلسلے میں مشورے کے لیے پہلے خود ہی رائپور تشریف لایا کرتے تھے جب اُن کی تحریک نمایاں ہوگئی تو انھوں نے خود بمصلحت تشریف لانا بند کر دیا اور جب کبھی تشریف لاتے رات کو آتے تاکہ کسی کو خبر نہ ہو، بعد میں پیغام رسانی کے لیے قاصد آتے جاتے تھے۔"

باہمی تعلق و محبت کا معاملہ صرف تحریک تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس کا دائرہ وسیع تر تھا۔ خانقاہ رائپور کے ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جن دنوں حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ قرآن پاک دیوبند میں شروع کیا تھا۔ وقتاً فوقتاً رائے پور تشریف لاتے اور حضرت اقدس رائپوریؒ کو ترجمہ سناتے۔ آپ اگر کچھ فرماتے تو شیخ الہندؒ فوراً اسے قبول فرما لیتے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں جب ترجمہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کو سنا لیتا ہوں تو مجھے اطمینان ہو جاتا ہے۔ حضرت اقدس رائپوری ترجمہ شیخ الہندؒ کے بے حد قدردان تھے۔ اور آپ کی حیات مبارکہ میں یہ کام پورا ہو گیا۔

ترجمہ کی تکمیل حضرت شیخ الہندؒ نے اسارتِ مالٹا کے دوران فرمائی۔ ثقہ روایت کے مطابق یہ ترجمہ حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ ہی کی آرزو کے پیش نظر حضرت شیخ الہندؒ نے کیا تھا۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب محدث کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو حضرت میلانا رائپوریؒ کے مرتبہ ومقام کا علم اس وقت ہوا جب ہم نے دیکھا کہ حضرت شیخ الہند رائپور تشریف لے جاتے ہیں اور انھیں اپنا ترجمہ سناتے ہیں۔

۱۳۳۳ھ میں جب حضرت شیخ الہند حجاز تشریف لے گئے۔ روانگی سے پیشتر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانے میں خفیہ مشورے ہوتے رہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

"شوال ۱۳۳۳ھ میں جب کہ حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہند کی حجاز کی روانگی ہو رہی تھی اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کی غیبت میں اس تحریک کی قیادت اعلیٰحضرت رائپوری کے سپرد ہوئی تھی۔ وہ مظاہر العلوم میں طے ہوئی تھی اور اس سے ان حضرات کے آپس کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ شوال ۳۳ھ کے پہلے ہفتے میں حضرت شیخ الہند دیوبند سے اور اعلیٰحضرت رائپوری رائپور سے اور مولانا احمد صاحب رامپوری رامپور سے سہارنپور تشریف لائے اور ۴، ۵ روز تک مدرسہ کے کتب خانہ میں یہ سب تجاویز طے ہوئی تھیں۔ چاروں حضرات صبح کی نماز کے بعد چائے اور اشراق سے فارغ ہو کر مدرسہ کے کتب خانہ میں اوپر تشریف لے جاتے تھے اور سب طرف کے کواڑ اندر سے بند ہو جاتے تھے۔ پانچویں کا وہاں گذر نہ تھا۔"

(مکتوب از مدینہ منورہ بنام عبد الرشید ارشد۔ ۱۰ صفر ۱۳۹۶ھ ۱۰ فروری ۱۹۷۶ء مطبوعہ الرشید لاہور دار العلوم نمبر)

رائپوری حضرات کا بیان ہے کہ اعلیٰحضرت رائپوریؒ کی یہ رائے نہیں تھی کہ حضرت شیخ الہند ہندوستان سے باہر تشریف لے جائیں۔ اُن کا ارشاد یہ تھا کہ اس وقت حجاز میں بھی انگریزی تسلط ہے۔ ہندوستان میں تحریک کے نسبتہً زیادہ مواقع ہیں اور یہاں شیخ الہند کی گرفتاری پر نقضِ امن کا اندیشہ بھی انگریز

کے خیال میں ہوگا۔ اگر گرفتاری پیش بھی آگئی تو تحریک ختم نہیں ہوگی بلکہ اور زور سے چلے گی لیکن ہُوا وہی جو کارکنانِ قضاء و قدر کو منظور تھا۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ بحیرۂ روم کے راستے حجاز تشریف لے گئے وہیں گرفتاری عمل میں آگئی اور مالٹا جزیرے میں نظر بند کر دیئے گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی عدم موجودگی میں تحریک آزادی کی کمان اعلیٰحضرت رائپوری نے سنبھالی۔ آپ بکمال استقامت و عزیمت اس فریضے کو انجام دیتے رہے۔ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ فرماتے ہیں:

"حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت دلسوزی اور استقلال اور عالی ہمتی سے انتہائی رازداری کے ساتھ اُمورِ متعلقہ کو انجام دیتے رہے اور ان کے خاص خدام بھی دلچسپی لیتے رہے" (نقش حیات ص۲۱۴)

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے حضرت شیخ الہندؒ کے نام ریشمی خطوط برطانوی حکومت کے ہاتھ لگ گئے اور یہ تحریک آزادی (جسے انگریز نے ریشمی رومال سازش کا نام دیا) افشا ہوگئی تو جا بجا حریت پسندوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ تحقیقات شروع ہوئی مختلف جگہ چھاپے مارے گئے۔ انگریز سی آئی ڈی افسر مع عملہ خانقاہ رائپور بھی پہنچا۔ اعلیٰحضرت رائپوری قدس سرہ ان دنوں صاحبِ فراش تھے لیکن آپ نے نہایت استقلال اور شانِ بے نیازی سے جواب دیئے۔

افسر نے پوچھا! مولانا آپ کا شیخ الہند سے کیا تعلق ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا: "تعلق کی پوچھتے ہو؟ تعلق کا معاملہ تو یہاں تک ہے کہ جس دن سے میں انھیں سفر حجاز کے لیے دلی سے رخصت کرکے آیا ہوں بیمار ہوں، بخار میرے بدن میں سما گیا ہے، چارپائی پر پڑا ہوں، آج بھی اگر ان کی واپسی کی خبر سن پاؤں تو مجھ میں جان آجائے اور میں ایک بار پھر مجھ جیسی لے کر اُٹھ کھڑا ہوں گا۔"

افسر: شیخ الہند جو حکومت کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت رائے پوریؒ: میں اس تحریک کو بالکل حق سمجھتا ہوں۔

افسر: رپورٹ ملی ہے کہ تحریک کو یہاں سے مالی امداد پہنچ رہی ہے۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ نے اس بات کا بکمال تدبر و فراست ایمانی کچھ ایسا جواب دیا کہ افسر ان کی بات کی تہ تک نہ پہنچ سکا۔

ملا جی عبدالعزیز جو حضرت رائے پوریؒ کے ہمراز تھے اور خفیہ طور پر مجاہدین کے لیے مالی امداد فراہم کرنے کا کام ان کے سپرد تھا۔ جسے وہ حضرت رائے پوریؒ کے حکم سے انجام دیتے تھے، اس وقت خانقاہ میں موجود تھے۔ حضرت اقدس رائے پوری کو اندیشہ ہوا کہ اگر ان سے پوچھ کچھ ہوئی تو سوال و جواب میں کہیں نرم نہ پڑ جائیں۔ آپ نے فوراً ان کو اپنے پاس بلا لیا اور افسر سے مخاطب ہو کر بڑے جوش سے ملا جی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "ان لوگوں کی کیا مجال اور طاقت ہے جو میری مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھائیں۔ اس علاقے میں انھیں میرے ایما کے بغیر ایک پیسہ بھی نہیں مل سکتا۔ اور میں تو خدا کے فضل و کرم سے یہ کہتا ہوں کہ حکومت بھی چاہے تو یہاں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتی۔" اس افسر پر کچھ ہیبت سی چھا گئی۔

کچھ اور سوالات بھی انگریز سی آئی ڈی افسر نے کیے۔ ان کے جوابات بھی کچھ اسی طرح دو ٹوک دیے گئے۔ حتیٰ کہ وہ ناکام واپس ہوا۔ اگر ایک طرف انگریزی حکومت کی سی آئی ڈی پوری طرح سرگرمی سے کام کر رہی تھی تو دوسری طرف حضرت اقدس رائے پوریؒ بھی اس سے غافل نہیں تھے۔ چنانچہ اپنے اخفائے حال کے پورے پورے اہتمام کے ساتھ جوابی کارروائی کا سلسلہ بھی زیر زمین قائم کر رکھا تھا۔ مسوری پہاڑ پر انگریزوں کا جو فوجی سروے آفس تھا اور جس میں جنگی نقشے تیار کیے جاتے تھے۔ حضرت مستری احمد حسن صاحب ڈیرہ دونی رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں ماسور کر رکھا تھا۔ وہ سروے آفس میں ملازم تھے اور یہاں تک افسروں پر اپنا اعتماد قائم کر رکھا تھا کہ وہ اتوار کو چھٹی کے روز دفتر کی چابیاں ان کے سپرد کر جاتے تھے۔ حضرت مستری صاحب خفیہ طور پر نقشے لے کر خانقاہ رائے پور پہنچ جاتے تھے۔ حضرت اقدس رائے پوری کمالِ اخفا سے ان نقشوں کو رات کے وقت اپنا حجرہ

مبارک بند کرکے موم بتی کی روشنی میں ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح یہ سرفروشانِ دینُ وطن حالات زمانہ سے پوری طرح باخبر اور انگریزی منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لیے سرگرم عمل رہتے تھے

اسیرِ مالٹا حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا فراق حضرت اقدس رائپوری کے لیے سوہانِ روح تھا۔ آپ اُن کی یاد میں بیقرار رہتے۔ اُن کے تذکرے سے آپ کو سکون و قرار حاصل ہوتا تھا۔ اُن کے فضائل و مناقب میں رطب اللسان رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں کارپردازانِ دارالعلوم نے دیوبند تشریف آوری کی درخواست کی۔ اصرار تک نوبت پہنچی تو اعلیٰحضرت رائپوریؒ آمادہ ہوگئے۔ دیوبند ریلوے سٹیشن پر آپ کا استقبال کیا گیا۔ میزبانوں نے دارالعلوم میں قیام کا انتظام کر رکھا تھا۔ حضرت مستری احمد حسن صاحب بھی حضرت کے ہمراہ تھے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ریلوے سٹیشن پر بہت بڑی تعداد میں تانگے موجود تھے۔ ایک خوبصورت تانگہ اعلیٰحضرت رائپوریؒ کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ آپ اس میں تشریف فرما ہوئے اور تانگہ والے سے حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر چلنے کو فرمایا۔ آپ وہیں فروکش ہوئے اور ایک ہفتہ قیام پذیر رہے۔ دن رات حضرت شیخ الہندؒ کا تذکرہ وردِ زبان رہتا تھا۔ اُن کی جلالتِ شان حاضرین پر واضح کرتے اور فرماتے کہ حضرت شیخ الہندؒ کو اس جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مقامِ بلند نصیب فرما دیا ہے۔ جہاد کے فضائل بھی علماء و عوام کے سامنے بیان فرماتے۔

حضرتِ اقدس شیخ الہند قدس سرہٗ کی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں آپ نے بیس روپے بطور نذر بھجوائے۔ وہ بہت غمزدہ تھیں، فرطِ غم سے رونے لگیں، انھوں نے آپ کی خدمت میں دریافت کرایا کہ حضرت، وہ مالٹا سے واپس بھی آئیں گے یا نہیں ؟ اُس زمانے میں رہائی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی بلکہ ناممکن خیال کی جاتی تھی لیکن آپ نے بزبانِ الہام یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی فکر نہ کریں حضرت شیخ الہند انشاء اللہ ضرور تشریف لائیں گے اور یہ الفاظ پورے یقین سے بتکرار دُہرائے۔ اہلیہ محترمہ کو بہت کچھ تسلی و تشفی دی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی ظہور میں آیا۔

حضرت شیخ الہندؒ ابھی مالٹا ہی میں اسیری کی مدت گزار رہے تھے کہ ادھر اعلیٰحضرت رائپوریؒ شدید طور پر علیل ہوگئے۔ اس مرض الوصال میں آپ نے مرشدنا و مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ کو اپنی خانقاہ میں متعین فرمایا اور وصیت فرمائی کہ میرے بعد سلوک کے بارے میں ضرورت محسوس ہو تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے مشورہ کرنا اور حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹے سے رہا ہو کر واپس ہندوستان تشریف لائیں تو اُن کے سیاسی مشوروں پر عمل کرنا اور تحریک آزادی میں اُن کا بھرپور ساتھ دینا۔ اپنے نواسے حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب کو بھی ان کے سپرد کیا کہ اس کا خاص خیال رکھنا۔ حافظ صاحب کی عمر اُس وقت چودہ برس تھی۔

آخر زمانہ میں اعلیٰحضرت رائپوریؒ پر اشتیاق زیارت حرمین شریفین نے بیحد غلبہ کیا۔ اگرچہ اس سے پیشتر بھی چند مرتبہ سعادتِ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے لیکن اس مرتبہ ذوق و شوق کا ایک اور ہی عالم تھا۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ فرماتے ہیں:

"باوجودیکہ کروٹ لینا دشوار تھا اور نماز کے لیے بھی دو آدمی سہارا دے کر اُٹھاتے اور پلنگ سے اُتار کر پٹلے پر بٹھایا کرتے تھے مگر آپ پر آستانۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حاضری کا غلبہ ہوا اور آپ نے سفرِ حج کا پختہ قصد کر لیا۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے بڑے اہتمام سے مجمع کو اٹھا کر تنہائی حاصل کی اور مجسم شوق بن کر فرمایا، میں تو تیرا انتظار ہی دیکھ رہا تھا کہ دل کی بات کہوں۔ وہ یہ ہے کہ امسال حج کا ارادہ کر چکا ہوں اور تمنا ہے کہ زندہ رہوں تو پہلے جہاز پر سوار ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا، حضرت، آفرین ہے حضرت کی ہمت پر کہ کروٹ تو لی نہیں جاتی اور قصد ہے اس کٹھن سفر کا جس میں تندرست جوان بھی چُور چُور ہو جاتے ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا، حضرت بوڑھے جوان سب ہی اس راستے میں چلتے ہیں۔ بس مجھے تو کوئی پکڑ کر ریل میں ڈال دے تو پڑا پڑا انشاء اللہ چلا ہی جاؤں گا۔ میں نے دیکھا

کہ غلبۂ شوق دبنے والا نہیں تو موافقت کا پہلو لے لیا اور عرض کیا، ہاں حضرت!
جنت کا حامی تو خدا ہے۔ جب حضرت نے قصد فرمالیا تو انشاء اللہ پہنچنا کچھ دشوار نہیں
فرمایا الحمد للہ الحمد للہ تو نے تو موافقت کرلی۔" (تذکرۃ الخلیل ص ۲۷۰)

"آپ نے قبل از وفات اپنا تمامی سامان حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک وصیت و ہبہ کے ذریعے دوسروں کی ملک بنا دیے تھے مگر تیرہ سو روپیہ نقد زادِ راہ بنا کر مولانا عبدالقادر صاحب کے حوالے کر دیا تھا کہ اس کو محفوظ رکھو کہ یہ میرے اور تمہارے سفرِ حج کا خرچ ہے۔ آخر جوں جوں حج کا موسم قریب آتا گیا آپ کا مرض وضعف بڑھتا رہا اور وصال کا وقت قریب آتا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے سمجھ لیا کہ اب گنجائش نہیں رہی اور تیرہ سو روپیہ ترکہ بنا چاہتا ہے، تب آپ نے مولانا کو بلا کر وہ روپیہ بھی تقسیم کرا دیا، کیونکہ آپ مولیٰ کریم سے ایسی حالت میں ملنے کے متمنی تھے کہ دنیا کا کوئی حبہ اور پائی بھی آپ کی ملک میں نہ ہو۔ بیت کے دھیان سے ہٹ کر اب آپ رب البیت کے خاص تصور میں غرق ہو گئے اور آخر چند ہی روز بعد وہ مبارک وقت آیا جس کے شوق میں آپ کا دل دادہ تھا

خرم آن روز کز این منزلِ ویران بروم — راحتِ جان طلبم وز پئے جانان بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر این غم روزے — تا درِ میکدہ شادان و غزلخوان بروم

آپ کے مرض کو چونکہ امتداد زیادہ ہو گیا تھا، اس لیے زائرین آتے اور چلے جاتے تھے، کس کو خیال تھا کہ فلاں وقت رخصت کا ہے اور ٹھہرنا چاہیے۔ حضرت سہارنپوری (مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ) نے خواب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا۔ حسب معمول تہجد کے وقت حضرت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے۔ اہلیہ نے پوچھا، آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں اور طبیعت کچھ فکر مند معلوم ہوتی ہے۔ کیا بات ہے؟ آپ نے خواب کا اظہار کیا اور محزون لہجہ میں فرمایا، اس کی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں محبوس ہیں، دوسرے مجھ کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم کی حالت نازک نہ ہو۔ غرض صبح کو حضرت چلیان روانہ ہو گئے جہاں تبدیلِ آب و ہوا کے لیے حضرت (شاہ عبدالرحیم) کا قیام تھا۔ بعد مغرب حضرت نے فرمایا، آج عشاء کی نماز ذرا سویرے پڑھ لیجو۔ چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام

کی خواہش ہوگی، نماز اول وقت پڑھ لی گئی اور آپ چارپائی پر لیٹ رہے۔ حضرت دوسرے کمرے میں جا بیٹھے کہ دفعۃً آپ کو آخری کرب شروع ہوا اور حضرت سہارنپوری اپنے کمرے سے لپک کر پاس آئے، مولانا (شاہ عبدالرحیم صاحب) نے حضرت (سہارنپوری) کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا، حضرت سہارنپوریؒ نے پڑھنا شروع کیا اور رائپور کا آفتاب اپنے محبوب کا ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے چند منٹ کے اندر شب کے ۱۱ بجکر ۱۹ منٹ پر غروب ہوگیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ صبح کو جنازہ رائپور کی طرف چلا اور خدام کا مجمع بحسرت اندوہ یہ کہتا ہوا پیچھے پیچھے ہولیا ؎

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

(تذکرة الخلیل صـ ۲۷۲)

"آخر اسی باغ میں جہاں آپ کی حیات شریفہ کا اخیر حصہ گزرا تھا، مسجد کی جنوبی سمت آپ کا وہ جسد اطہر جو رضا و تسلیم کے جھولے میں مدتوں چڑھا اور اترا تھا ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء یوم سہ شنبہ کو سپرد زمین کردیا گیا، مگر تنہا نہیں بلکہ ہزاروں یادگاریں چھوڑ کر اور ہزاروں کی حسرتوں اور تمناؤں کو ساتھ لے کر ؎

اکیلا کون کہتا ہے لحد میں نعشِ حاتم کو
ہزاروں حسرتیں مدفون ہیں دریا کے پہلو میں

(تذکرة الخلیل صـ ۲۷۲)

۸ جون اعلیٰحضرت رائپوری قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ان کی پیشگوئی کے مطابق آخر ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے بمبئی لا کر رہا کر دیئے گئے۔ ہر جگہ فقید المثال استقبال کیا گیا۔ ہزاروں مشتاقانِ دید کے جلو میں دیوبند تشریف لائے۔ چند روز وہاں ٹھہر کر باوجود ضعف و ناتوانی کے رائپور تشریف لائے اور مزار مبارک پر دل گرفتہ حاضر ہوئے، اُن کے دل پر کیا بیتی؟ ہر کوئی اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ امیر خسرو کے اس شعر کی عملی تفسیر دیکھی گئی

کشتۂ عشق دارد نگذارد بدینساں
بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

ہمارے حضرت فرماتے تھے

"حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا سے رہا ہو کر آئے تو رائپور بھی تشریف لائے بعالمِ حیرت میں اِدھر اُدھر دیکھتے رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اب یہ بھی رخصت ہونے والے ہیں"

(ملفوظات قلمی جمع کردہ مولانا علی احمد مرحوم ص۵۹)

اعلیٰحضرت رائپوری قدس سرہٗ کے وصال کے ایک سال چند ماہ بعد حضرت اقدس شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو گئے۔ اُس وقت سخت علالت ضعف و ناتوانی کے باوجود رائپور میں مزارِ مبارک پر حاضر ہوئے۔

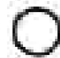
اعلیٰحضرت رائپوری کے وصال کے حادثۂ جانکاہ کی خبر جب اسیرِ مالٹا کے سمعِ مبارک تک پہنچی تو فرطِ غم سے بیقرار ہو گئے۔ شدتِ جذبات میں ایک نہایت پُر درد مرثیہ لکھا جو مستدرمالٹا کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت شیخ الہند کو اعلیٰحضرت رائپوری سے کتنا تعلقِ خاطر تھا اور اُن کی نظر میں حضرت کا مقام کتنا بلند تھا اس کا اندازہ اس مرثیہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ راقم سطور کے خیال میں اگر اعلیٰحضرت رائپوری کی حیاتِ مبارک پر کوئی کتاب نہ بھی لکھی جائے تو یہ مرثیہ اُن کی ایک مستقل سوانح کی حیثیت رکھتا ہے اور اُن کے مرتبہ و مقام پر شاہدِ عادل ہے۔

اعلیٰحضرت رائپوری کے وصالِ مبارک پر دُوسرے اکابر علماء دیوبند نے بھی عربی، فارسی اور اُردو زبان میں بلند پایہ مرثیے لکھے جن میں خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہم اللہ جیسے سرآمد روزگار علماء و فضلاء شامل ہیں۔

اس مجموعۂ مراثی کو "شعر الفراق" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ "شعر الفراق" میں اعلیٰحضرت رائپوری کے جانشین و خلیفۂ اعظم قطب الارشاد مرشدنا و مولانا حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات پر لکھے گئے مرثیے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں کہ مُرشد و مُسترشد اور مخدوم و خادم ہر بنوع لازم و ملزوم ہیں۔

شعر الفراق

حضرات قطبینؒ کی وفات پر لکھے گئے مرثیے



تالیف : نفیس الحسینی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

قبلۂ و کعبۂ امانی مُرد عالم و حافظِ مثانی مُرد
عارفِ حکمتِ یمانی مُرد طائرِ عرشِ آشیانی مُرد

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدُ الرحیم ثانی مُرد

حاملِ دین و حاملِ حسنات خازنِ خیر و کافلِ برکات
قاسمِ فیض و جامعِ حسنات سایۂ لطفِ رحمتِ مُہدات

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

رہنمائے مسالکِ ایماں رہگرائے منازلِ ایقاں
رہ نوردِ مراحلِ احساں ساقیِ بزمِ وحدت و عرفاں

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

نورِ چشمِ اکابرِ اسلام ملجأ و مأمنِ خواص و عوام
سرپرستِ مدارسِ اسلام مردمِ دیدۂ رشیدِ امام

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

تھی ہمیشہ سے تیری جائے قرار — جنۃٌ مآءُ ھا مدرار
اب وہ ہے نہر چشم دریا بار — اب تو مل مل کے کہتے ہیں اشجار

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبد الرحیم ثانی مُرد

محیی علم تھے امام غزالیؒ — تم تھے احیا کنندۂ اعمال
کرتے تھے مُردہ سنتوں کو بحال — آج ان کی کرے گا کون سنبھال

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبد الرحیم ثانی مُرد

کہتے تھے سُن کے حادثے سہیم — کریں کس کس کا غم الٰہی ہم
بن گیا سب غموں کا آج یہ اک غم — ہو گئے ایک غم میں سب مُدغم

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبد الرحیم ثانی مُرد

چھوڑ جانا ہمیں اور اتنی دُور — بے کس و کور، بے بس و مجبور
تھا مروت سے آپ کی بس دُور — اب بجز اس کے کچھ نہیں مقدور

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبد الرحیم ثانی مُرد

خستہ حالوں سے اے ستودہ صفات — بے نیازی نہیں کمال کی بات
کیوں نہ ہو پھر حیات رشکِ ممات — باوفا جب کرے جفا ہیہات

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبد الرحیم ثانی مُرد

نازشِ سیف و خنجرِ دستاںؒ رہا — زورِ بازوئے ہمرہاں نہ رہا
قدر افزائے خادماں نہ رہا — لو حُدی خوانِ کارواں نہ رہا

زینت و زیبِ الف ثانیؒ مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانیؒ مُرد

سینۂ کل تک تھا محشرِ آمال — آج بیٹھے ہیں کیسے فارغ بال
جی میں کوئی ہوس رہی نہ خیال — جینا آتا نظر ہے کیوں جنجال

زینت و زیبِ الف ثانیؒ مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانیؒ مُرد

قبر ہو تیری جب دلِ صد چاک — آرزوئیں نہ کیوں ہوں سب تہِ خاک
ہو تبدّل جو ایسا حیرت ناک — دل نہ ہوں آرزو سے کیسے پاک

زینت و زیبِ الف ثانیؒ مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانیؒ مُرد

ہوئے عثمانؓ جامعِ قرآں — وہ یہ تم تھے قاسمِ فرقاں
تم بلاشک تھے نائبِ عثمانؓ — آج سنسان کیوں نہ ہو میداں

زینت و زیبِ الف ثانیؒ مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانیؒ مُرد

آئی ہے جن بچاروں کو خبر — تلخ ہی وہ رہیں گے تا محشر
احمر ابیض ہیں غم میں سب اخضر — سوجھیں کہتی ہیں بچے کوئی اگر

زینت و زیبِ الف ثانیؒ مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانیؒ مُرد

آہ یورپ میں غم بھلایا کہاں — تیرے دلدادہ گریہ ہوتے یہاں
کس کے گھر ہوتا آن کر مہماں — کس سے سنتا کو یہ آہ و فغاں

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

سر پہ اس کوہ کو اٹھاتا کون — گردن اس کے لیے جھکاتا کون
دل کے اندر اسے بٹھاتا کون — پڑھ کے یہ روتا اور رُلاتا کون

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

ہم جو اس کو رہ میں آ دھمکے — پیش خیمے تھے تیرے ماتم کے
ہم ہی مونس نہیں یاں تیرے غم کے — لب پہ آ تھمے ساتھ ہر دم کے

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

تم نے تنہا سفر کیا یاں سے — پہنچے پر واں جہاں ہیں سب اپنے
رحم اس پر جو دشمنوں میں پھنسے — مشغلہ کچھ نہ ہو بجز اس کے

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

تیرے ملنے کی اک تمنا پر — زندگانی جو کر رہے تھے بسر
کہیے اب کیا کریں یہ خستہ جگر — جینا آج ان کو کیوں نہ ہو دوبھر

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

تو نہ ہو جب جہاں میں جلوہ فزا نیم جاں کچھ دنوں جیے بھی تو کیا
اب رسائی کا بھی مزا نہ رہا ہند ہے مالشا سے آج سرا

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

ہند چلنے سے ہے کسے انکار سر کے بل چلنے کو ہیں ہم تیار
پر سمجھ لے یہ خوب تو غمخوار نار ہے جب دیار ہے بے یار

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

درد فُرقت میں تیرے روحی فداک دل میں غمناک سینے میں صد چاک
ہے زمیں سخت اور دُور افلاک نالہ ہے اور یہ شعر حسرت ناک

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

رائپور تجھ سے تھا محط رجال ہوتا تھا ہر طرف سے شد رحال
اہل مصر و قری کا تھا اک حال ہو گیا آج سب خواب خیال

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

ایک دم سے ترے بفضل خُدا تھا وہ اُمّ القریٰ و اُمّ قریٰ
آج ہر کا سکان ہے سلے وا گونجتی پھرتی ہے فقط یہ صدا

زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

رأسِ صلحاء و سیّدِ علماء　　رونق افزائے حلقۂ فقراء
مسند آرائے محفلِ عرفاء　　شمع و تاجِ مجلسِ غرباء
زینت و زیبِ الفِ ثانی فرد
شاہ عبدالرحیم ثانی فرد

بحرِ الطاف و ابرِ جود و سخا　　زوجِ اخلاق و جانِ صدق و صفا
کوہِ تمکین و کانِ حلم و حیا　　بدرِ آفاق و شمسِ عز و علا
زینت و زیبِ الفِ ثانی فرد
شاہ عبدالرحیم ثانی فرد

چشمۂ فضل و معدنِ احسان　　کاشفِ رمزِ عَلَّمَ الْقُرْاٰن
محملِ صدقِ قولِ فخرِ زمان　　خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰن
زینت و زیبِ الفِ ثانی فرد
شاہ عبدالرحیم ثانی فرد

قامعِ شرک و بدعت و الحاد　　پاک رو، پاکباز و پاک نہاد
رہرو و رہبر و ہاد و سجاد　　مشفق و جان نثارِ اہلِ وداد
زینت و زیبِ الفِ ثانی فرد
شاہ عبدالرحیم ثانی فرد

صوفی و صافی و صفی اوّاب　　فانی و باقی و تقی تراب
خاشع و خاضع و رضی رحاب　　لم یکن فاحشا ولا سخاب
زینت و زیبِ الفِ ثانی فرد
شاہ عبدالرحیم ثانی فرد

آپ کے ضبط و حلم سے ہے بعید — قید ہستی کو سمجھو اتنا شدید
سخت جانی ہے ان کی قابلِ دید — قید ذہری اور اُس پہ ہو یہ مزید

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

قید ذہری ہے اور تری لبِ بند — آپ کو ایک بھی ہوئی نہ پسند
چل دیئے کیسے خُرّم و خورسند — مستندوں کو چھوڑ کر پابند

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

سب غموں میں تو آگئی خفت — پر ترے غم میں بڑھ گئی شدت
یہی ادغام کی ہے خاصیت — نوحہ اب یہ ہے، ہو کوئی آفت

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

بارِ احباب کون اُٹھائے گا — آنکھوں پر کون انھیں بٹھائے گا
ہاتھ کون اُن کا اب بٹائے گا — فتنوں کو کون اب ہٹائے گا

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

روٹھوں کو کون اب منائے گا — ٹوٹوں کو کون اب ملائے گا
بگڑوں کو کون اب بنائے گا — جھگڑوں کو کون اب مٹائے گا

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

ہمدمو! اے کس سے لو گے کہو! مشورے کس سے اب کروگے کہو!
رازِ دل کس سے اب کہو گے کہو! ملنے پر بھی کبھی چلو گے کہو!

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

ہو مبارک تمہیں باذن اللہ رحمت و فضل و قربِ حق یا شاہ
غربت و حسرتِ فراق میں آہ وِرد اپنا تو ہے یہ شام و پگاہ

زینت و زیبِ الفِ ثانی مُرد
شاہِ عبدالرحیم ثانی مُرد

از

مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

اَمِمَّا دَهَاكَ الْاَمْرُ تَذْرِىْ وَتَدْمَعُ ۔۔۔ فَهَلْ فِىْ بُكَىً مِنْ مَفْزَعٍ لَكَ مَفْزَعُ

کیا اس حادثہ جانکاہ کے پیش آجانے کی وجہ سے تیرے آنسو بہ رہے ہیں اور کیا عبادِ الہٰی کے ہاتھ سے نکل جانے پر رونے کی وجہ سے کوئی ٹھکانا مل سکتا ہے

وَقَدْ عِيْلَ صَبْرِىْ ذٰلِكَ وَالْجِذْعُ مَيِّتًا ۔۔۔ اِذَا فَاتَهٗ ذِكْرٌ يَحِنُّ وَيَجْزَعُ

میں صبر کے اختیار سے بالکل باہر ہو گیا ہوں اور جب کہ خشک لکڑی کا ایک تنہ سرورِ عالم کی زبانِ مبارک سے اللہ کا ذکر سننے سے محروم ہو گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا (استن حنانہ)

وَشَطَّ مَزَارٌ بَعْدَمَا كَانَ اَحْظٰى ۔۔۔ فَصَبْرًا وَاِنَّ الْاَمْرَ اَدْهٰى وَاَفْزَعُ

حضرت شیخ کی زیارت سے اکثر شرف حاصل ہوا کرتا تھا لیکن اب یہ شرف کوسوں دور ہے، تو اب کسی نہ کسی طرح صبر کرنا ہی چاہیے لیکن حقیقت یہ ہے وہ حادثہ جانکاہ حادثہ ہے

تُكَلِّفُنِىْ مَا لَا يُرَادُ لِحَمْلِهٖ ۔۔۔ وَلَيْسَ مَرَدٌّ لِلْقَضَاءِ وَمَدْفَعُ

میں ناقابلِ برداشت بوجھ اٹھانے پر مجبور ہوں اور خداوند تعالیٰ کے حکم کو کوئی بھی روک نہیں سکتا

اَاَجْهَلُ خَطْبِىْ لَا اَبَا لَكَ اَوْ تَرٰى ۔۔۔ خَلِيًّا رَخِىَّ الْبَالِ لَا يَتَوَجَّعُ

خدا کے بندے! کیا اس مصیبتِ عظیمہ سے جو مجھ پر پڑی ہے تو غافل ہے اور کیا تو نے کوئی شخص بھی دیکھا ہے جو کربِ محبت سے خالی اور رنج و الم سے بچ کر کبھی غمگین نہ ہوا ہو

وَمَنْ ثَمَّ مِثْلُ الشَّيْخِ يَهْدِىْ وَيَهْتَدِىْ ۔۔۔ وَمَوْلَى الْوَرٰى عَبْدِ الرَّحِيْمِ فَاَقْنَعُ

اب دنیا میں شیخ العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کا سا ہدایت کرنے والا ہدایت یافتہ کہاں ہے کہ میں اس پر قناعت کر سکوں

ودعوته في ازمة المحل والردى — وقلب رداء ان حالا سيرجع

سخت قحط اور وبا کے زمانے میں آپ کی دعا یا قلب رداء کا مسنون طریقہ حالات کے بدلنے کا ایک یقینی نشان تھے۔

فسبحان من اعلى مقاما عباده — فوادهم في النور او تلك ارفع

وہ خدا بزرگ و برتر ہے جس نے اپنے بندوں کو اعلیٰ مقام عطا کیے۔ ان پر نور خداوندی ہے بلکہ وہ اس سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں

اقامهم في مقعد الصدق مرة — واخرى بجوف الليل والليل اسمع

خداوند نے توفیق بخشی کہ وہ دن کو مجالس خیر میں تشریف فرما ہوں کبھی اس امر کی توفیق دی کہ راتوں کو اٹھ کر دعاؤں میں مشغول ہوں اور رات کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں

ترى هديهم في الحب والانس ثابتا — ووقتهم للفرق والجمع اجمع

تم دیکھو گے کہ ان کو محبت خداوندی میں ملکہ راسخ حاصل ہو گیا ہے اور ان کا وقت فرق اور جمع کا جامع ہے۔

ف۔ یہ اصطلاحات صوفیہ ہیں۔ فرق جمع اور جمع الجمع دیکھو ملفوظات حضرت رائے پوری قدس اللہ اسرارہم۔

ولله عباد في الفناء بقاؤهم — حياتهم في الموت والشيخ اجمع

خدائے قدوس کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کی بقاء فناء میں ہے اور ان کی حیات موت میں ہے مگر حضرت رائے پوری تمام اوصاف کے جامع تھے

اقام على مرمى ابي الذر دهره — وكان ابا وقت مطاع مطوع

مولانا رائے پوری نے تمام عمر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے طریقے کے موافق گزار دی۔ ان کے اوقات بیکار نہ تھے، تمام مخلوق ان کی مطیع تھی اور وہ خداوند تعالیٰ کے مطیع تھے

معارف معروف وآداب حاتم — سلامة سلمان فهل تلك ترجع

مولانا رائے پوری میں معروف کرخی کے سے لطائف تھے اور حضرت حاتم کے سے آداب تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی سی سلامت روی تھی تو کیا اس قسم کے جامع صفات حمیدہ انسان ہم کو ان کے بعد بھی دیکھنے نصیب ہوں گے

وهل تسمع الدنيا بهدي كهديه — وما ان ارى دهرا يواتي ويصنع

اور کیا زمانہ کسی ایسے شخص کو ہمارے سامنے لائے گا جس کی صفات مولانا رائے پوری جیسی ہوں میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔

وَهَلْ تَسْمَعُ الدُّنْيَا بِهَدْيٍ كَهَدْيِهِ   وَمَا إِنْ أَرَى دَهْرًا يُوَالِي وَيَصْنَعُ

اور کیا زمانہ ایسے شخص کو ہمارے سامنے لا سکے گا جس کی عادات مولانا رائپوری کی سی ہوں! میرے خیال میں تو زمانہ سے ہرگز نہیں ہو سکتا

خَلِيفَةُ حَقٍّ قَوْلُ صِدْقٍ لِشَيْخِنَا   رَشِيدِ الْبَرَايَا فَانْتَشَا وَاتَّرَفَّعَ

حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ کے آپ سچے خلیفہ اور جانشین ہوا کرتے تھے

مُقِيمٌ عَلَى ذِكْرٍ وَفِكْرٍ زَمَانَهُ   قَرِيرًا بِقُرْآنٍ يُنَاجِي وَيَسْمَعُ

مولانا رائپوری رات دن ذکر خداوندی اور فکر امور آخرت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت کے ذریعہ سے خداوند عالم سے باتیں کرتے اور سنتے اور خوشدل رہا کرتے تھے

فَيَا عَجَبًا كَيْفَ اسْتَطَاعَ عُلُومَهُ   وَإِنَّ جِبَالًا لَا تَزَالُ تَصَدَّعُ

بہت زیادہ قابل تعجب یہ ہے کہ انہوں نے قرآنی معارف کو باوجودیکہ اُن سے پہاڑوں کے جگر بھی پارہ پارہ ہو جاتے ہیں کیونکر حاصل کر لیا

وَيَا عَجَبًا مِنْ رَاسِخِ الْحَالِ ثَبْتِهِ   عَلَى قَدَمٍ كَالطَّوْدِ أَرْسَى وَأَرْفَعُ

آپکے حالات راسخ تھے اور آپ کو درجہ ثبات حاصل تھا شریعت کے راستہ میں آپکے قدم جمے ہوئے پہاڑوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ مضبوط تھے

يُفَسِّرُ هَدْيَ الْوَاصِلِينَ طَرِيقُهُ   وَيَشْرَحُ مَا مِنْ مَنْبَتِ الصِّدْقِ يَنْبُعُ

مولانا کا طریقہ ان لوگوں کے طریقہ کو بتاتا تھا جو واصل الی اللہ ہو چکے ہیں اور خداوندی خزانہ سے جو کچھ ملتا تھا اس کی شرح کرتے تھے

حَظِيرَةُ قُدْسٍ هَمُّهُ أَوْ أَهَمُّهُ   سَمِيرٌ بِخَطْبِ الْقَوْمِ كَيْفَ يُرَقَّعُ

خداوند عالم کی بارگاہ تک پہنچنا ہی مقصود اصلی تھا یا یوں کہو کہ ان کے تمام مقاصد میں سے سب سے زیادہ ان کے نزدیک ضروری تھا۔ اور

دیکھو کہ خداوند عالم خود ہی کسی کو مراتب رفیعہ عطا فرماتا ہے تو پھر مراتب کے حاصل کرنے میں کاہلی کرنا مناسب ہی نہیں

أَنِيسٌ بِذِكْرِ اللهِ فِي طُولِ عُمْرِهِ   سَمِيرٌ بِخَطْبِ الْقَوْمِ كَيْفَ يُرَقَّعُ

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تمام عمر ذکر خداوندی ہی سے دلچسپی رہی اور شب و روز مسلمانوں کے تذکرہ اس غرض سے آپ کی خدمت میں عرض

کئے جاتے تھے کہ مسلمانوں کی اصلاح کا کوئی طریقہ تجویز ہو سکے

مَتَى تَأْتِهِ تَعْشُو إِلَى نُورِ صَدْرِهِ   تَجِدْ نُورَهُ كَالصُّبْحِ أَوْ ذَاكَ أَصْدَعُ

جب تم انکے پاس انکے انوار سینہ سے مستفیض ہونے کی غرض سے جاؤ تو تم کو معلوم ہو گا کہ انکا نور صبح صادق کی طرح روشن بلکہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا أَنَّ ذِكْرَهُ   هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

نعمان یعنی حضرت شیخ کا بار بار ذکر کرو کیونکہ ان کا ذکر کستوری کی طرح ہے اس کو جس قدر لگاؤ گے خوشبو ہی رہے گی

وَلِيٌّ رَضِيٌّ سِيرَةً وَسَرِيرَةً   صَفِيٌّ وَفِيٌّ ثُمَّ أَرْضٰى وَأَطْوَعُ

آپ خدا کے دوست تھے۔ پسندیدہ اخلاق والے تھے آپ کے اخلاق عادات سبھی اچھے تھے

مَنَارُ الْهُدٰى مَعْرُوفُهُ وَجُنَيْدُهُ   مَقَامًا وَحَالًا لَأَصَادِقُ الْوَعْدِ أَنْصَعُ

آپ نشان ہدایت تھے اور حال کے اعتبار سے ہدایت میں آپ حضرت معروف کرخیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ہم پلہ تھے اور صادق الوعد

با اخلاص تھے

لَهُ خَطْوَةٌ أَفْضَتْ إِلٰى غَايَةِ الْعُلٰى   وَأُخْرٰى عَلَى الْإِرْشَادِ أَمْضٰى وَأَسْرَعُ

آپ کا ایک قدم تو مدارج علیا کے منتہی پر پہنچ چکا تھا دوسرا قدم مخلوق کی ہدایت کے لیے نہایت تیزی کے ساتھ چل رہا تھا

جَنَاحٌ لَهُ بَسْطٌ إِلٰى طَيِّ مَنْزِلٍ   وَآخَرُ مَخْفُوضٌ لَدَى النَّاسِ يَخْشَعُ

آپ کا ایک بازو مقامات عالیہ کو طے کرنے میں مصروف تھا اور دوسرا بازو مخلوق کے سامنے انکسار اور تواضع کے طور پر جھکا ہوا تھا

وَمِنْ كَوْثَرٍ يَرْوِيكَ ذَوْقًا وَمَشْرَبًا   وَمِنْ سُنَّةٍ يَهْدِيكَ وَالصُّبْحُ يَسْطَعُ

آپ کے کلمات مبارکہ نہر کوثر کے پانی کی طرح مزیدار تھے اور تشنگان ہدایت کو سیراب کرتے تھے اور سنت نبویہ کے طریقوں کی تعلیم

سے ہدایت کرتے تھے اور صبح صادق کی طرح جہل کی ظلمت کو دور کرتے تھے

وَأَنْفَاسُهُ كَالنَّشْرِ تَشْفِي وَتَشْتَفِي   وَأَخْلَاقُهُ كَالصُّبْحِ أَوْ تِلْكَ أَوْسَعُ

آپ کے انفاس مبارکہ خوشبو کی طرح مہکتے تھے اور مریضان ضلالت کو کامل شفا بخشتے تھے اور اخلاق آپ کے صبح کی طرح منور تھے

بلکہ اس سے بھی زیادہ

يُوَاسِي كَسِيرَ الْبَالِ يَشْفِي كَلِيمَهُ   وَبَائِسَ قَلْبٍ مَا دَرٰى كَيْفَ يَصْنَعُ

آپ شکستہ دلوں کی غم خواری اور زخمی دلوں کا علاج کرتے تھے اور اس مصیبت زدہ کی امداد کرتے تھے جس کو شدت غم کے باعث یہ بھی

معلوم نہ تھا کہ اس مصیبت سے رہائی کا کیا طریقہ ہے

يقوم بأمر الله في كل حالة   وفي روضة الجنات يرعى ويرتع

احکام خداوندی کی مراعات آپ ہر حالت میں کرتے تھے اور اب باغ جنات میں آرام فرما رہے ہیں

تحل صعاب الامر انفاث روعه   وخفض جناح كيف ما جئت يخضع

اُن کے انفاس سے قلب بڑے بڑے لاینحل امور کی گرہ کھول دیا کرتے تھے وہ اس قدر منکسر المزاج تھے کہ تم کسی شان سے اُن کے پاس جاؤ، ان کے انکسار میں فرق نہ آتا تھا

أميرهم فيما أتى وسميرهم   وغرته تجلو الظلام وتدفع

مسلمانوں کے تمام حوائج میں وہ اُن کے سالار و حافظ ہوتے تھے ان کی چمکتی ہوئی پیشانی کا نور معاصی کی تاریکی کو بالکل دور کر دیتا تھا

فمن بعده للناس والهدي والهدى   ومن ذا يربي الخلق والامر أشنع

اب مولانا کے بعد مسلمانوں اور احکام شرعیہ کا کون حامی ہوگا اور اب ایسا کون ہے جو کہ مخلوق کی تربیت کرے کیونکہ امر دیانت ہی بعید ہو گیا

فلله در الحب حتى أقامني   على غصص الأيام أرثي وأدمع

پروردگار عالم اس محبت کا بھلا کرے جو مجھ کو مولانا سے ہے کہ مولانا کی وفات کے مصائب کے باوجود میں اس وقت کھڑے ہو کر اُن کے مرثیے پڑھنے اور ان پر آنسو بہانے کے قابل ہوں

وأرثي جمالا أو كمالا وسيرة   وزهدا وحلما ثم علما فشيعوا

اور میں مولانا کا مرثیہ تو کیا پڑھ رہا ہوں بلکہ فی الحقیقت جمال، کمال، عادات، زہد، حلم اور علم پڑھ رہا ہوں۔ اب ان سب کو اپنے سے جدا ہونے والا سمجھو

وما ثم إلا عبرة بعد عبرة   كذاك الليالي لا توافي وتصنع

اور اب اس دنیا میں تو عبرت پر عبرت کے سوا اور رکھا ہی کیا ہے۔ کیونکہ زمانہ تو کسی وقت اپنے کاموں سے خالی رہتا ہی نہیں ہے۔

ولما حسبت العام عند رحيله   فجاء دعاء يستجاب ويسمع

مولانا کے وصال کے وقت جب میں نے سن تاریخ کا خیال کیا تو اسی وقت میرے قلب میں یہ دعائیہ کلام آیا جو کہ یقیناً مقبول ہو چکے ہیں

سقى الله مثواه بأرعى كرامة   فسقى ورعى منه أولى وأنفع

خداوند عالم اُن کی قبر پر قیامت تک رحمت کی بارشیں نازل فرماتا رہے کیونکہ مخلوق خداوندی نے مولانا کی ذات سے بہت

منافع حاصل کیے ہیں

خَلِیْفَةُ حَقٍّ نَوْلُ صِدْقٍ لِشَیْخِنَا　　رَشِیْدِ الْبَرَایَا فَائِتٌ شَأْوَ تَرَفُّعٍ

حضرت قطب العالم مولانا و شیخنا رشید احمد قدس سرہ کے خلیفہ برحق تھے اور بیش بہا عطا تھے۔

مُقِیْمٌ عَلٰی ذِکْرٍ وَّفِکْرٍ زَمَانَهٗ　　قَرِیْرٌ بِقُرْاٰنٍ یُّنَاجِیْ وَیَسْمَعُ

مولانا رات دن ہر وقت ذکر خداوندی اور فکر میں مشغول رہا کرتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت کے ذریعے سے خداوند تعالیٰ سے باتیں کرتے اور سنتے خوش دل رہا کرتے تھے

اَنِیْسٌ بِذِکْرِ اللّٰهِ فِیْ طُوْلِ عُمْرِهٖ　　سَمِیْرٌ بِخَطْبِ الْقَوْمِ کَیْفَ یُرَقَّعُ

مولانا کو تمام عمر ذکر الٰہی سے دلچسپی رہی اور شب و روز مسلمانوں کے تذکرے آپ کی خدمت میں کیے جاتے تھے کہ مسلمانوں کی اصلاح کی سبیل نکل آئے

مَتٰی تَأْتِهٖ تَعْشُوْا اِلٰی نُوْرِ صَدْرِهٖ　　تَجِدْ نُوْرَهٗ کَالصُّبْحِ اَوْ ذَاکَ اَصْدَعُ

جب تم ان کے پاس ان کے سینے کے نور سے مستفیض ہونے کی غرض سے جاتے تو تم کو معلوم ہوگا کہ ان کا نور صبح صادق کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے

تَحُلُّ صِعَابَ الْاَمْرِ اَنْفَاسُ رُوْعِهٖ　　وَخَفْضُ جَنَاحٍ کَیْفَ مَا جِئْتَ یَخْضَعُ

ان کے انوار بڑے بڑے مشکل امور کی گرہ کھول دیتے تھے اور اس قدر منکسر المزاج تھے کہ تم کسی شان سے ان کے پاس جاؤ ان کے انکسار میں فرق نہ آتا تھا

یَقُوْمُ بِاَمْرِ اللّٰهِ فِیْ کُلِّ حَالَةٍ　　وَفِیْ رَوْضَةِ الْجَنَّاتِ یَرْعٰی وَیَرْتَعُ

اللہ تعالیٰ کے احکام کی مراعات وہ ہر حال کرتے تھے اور اب وہ باغ جناں میں خدا کی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں

اَمِیْرُهُمْ فِیْ مَا اَتٰی وَسَمِیْرُهُمْ　　وَغُرَّتُهٗ تَجْلُو الظَّلَامَ وَتَدْفَعُ

مسلمانوں کے تمام حوائج میں وہ ان کا سالار قافلہ ہوتے تھے اور ان کی روشن پیشانی کا نور اندھیرے کو دور کر دیتا تھا

فَلِلّٰهِ دَرُّ الْحُبِّ حَتّٰی اَقَامَنِیْ　　عَلٰی غُصَصِ الْاَیَّامِ اَرْثِیْ وَاَدْمَعُ

اللہ تعالیٰ اس محبت کا بھلا کرے جو مجھے مولانا سے ہے۔ ان کی موت کے مصائب کے باوجود میں اس وقت کھڑے ہو کر ان پر آنسو بہانے اور ان کا مرثیہ پڑھنے کے قابل ہوں

فَیَا عَجَبًا کَیْفَ اسْتَطَاعَ عُلُوْمَهٗ　　وَاِنَّ جِبَالًا لَا لَا تَزَالُ تَصَدَّعُ

سخت قابلِ تعجب یہ امر ہے کہ انھوں نے قرآنی معارف کو باوجودیکہ ان سے پہاڑوں کے جگر بھی شق ہوتے ہیں، کیسے تھام لیا

وَیَا عَجَبًا مِنْ رَاسِخِ الْحَالِ ثَبْتِهٖ　　عَلٰی قَدَمٍ کَالطَّوْدِ اَرْسٰی وَاَوْقَعُ

آپ کے حالات راسخ تھے۔ آپ کو وہ ثبات حاصل تھا، شریعت کے بارے میں آپ کے قدم بڑے پہاڑوں کی طرح بلکہ ان سے

زیادہ مضبوط تھے

خَطِیْرَةُ قُدْسٍ هَمُّهٗ اَوْ اَهَمُّهٗ　　وَمَا لِلتَّوَانِیْ اِنْ تَرَی الرَّبَّ یَرْفَعُ

خداوند تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنا ہی آپ کا اصل مقصود تھا یا یوں کہو کہ ان تمام مقاصد میں سب سے ان کے نزدیک ضروری تھا

اگر دیکھو کہ خداوند تعالیٰ خود ہی کسی کو مراتب رفیعہ عطا فرماتے ہیں تو پھر مراتب کے حاصل کرنے میں کاہلی کرنا مناسب نہیں۔

فَسُبْحَانَ مَنْ اَعْلٰی مَقَامًا عِبَادَهٗ　　فَوَادِمُهُمْ فِی النُّوْرِ اَوْ تِلْكَ اَرْفَعُ

وہ خدا بزرگ و برتر ہے جس نے اپنے بندوں کو مراتب علیا عطا فرمائے، ان پر نور خداوندی محیط ہے بلکہ وہ اس سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں

اَقَامَهُمْ فِیْ مَقْعَدِ الصِّدْقِ مَرَّةً　　وَاُخْرٰی بِجَوْفِ اللَّیْلِ وَاللَّیْلُ اَسْمَعُ

خداوند عالم نے ان کو توفیق عطا فرمائی کہ وہ دن کی مجالس خیر میں تشریف فرما ہوں اور کبھی اس امر کی توفیق دی کہ وہ راتوں کو اٹھ کر

دعائیں مانگیں اور فی الحقیقت رات کی دعائیں زیادہ قبول ہوا کرتی ہیں

تَرٰی هٰذِهٖ بِهِمْ فِی الْحُبِّ وَالْاُنْسِ ثَابِتًا　　وَوَقْتُهُمْ لِلْفَرْقِ وَالْجَمْعِ یَجْمَعُ

تم دیکھو گے کہ محبت خداوندی میں ان کو ملکہ راسخہ حاصل ہو گیا ہے اور ان کا وقت فرق اور جمع کا جامع ہے

وَثَمَّ عِبَادٌ فِی الْفَنَاءِ بَقَاءُهُمْ　　حَیَاتُهُمْ فِی الْمَوْتِ وَالشَّیْخُ اَجْمَعُ

خداوند عالم کے کچھ مقرب بندے ایسے بھی ہیں جن کی بقا فنا میں ہے اور ان کی حیات موت میں ہے مگر حضرت رائپوری ان تمام اوصاف کے جامع تھے

اَقَامَ عَلٰی مَرْمٰی اَبِیْ ذَرٍّ دَهْرَهٗ　　وَکَانَ اَبَا وَقْتٍ مُطَاعٌ وَمُطَوِّعُ

مولانا رائپوری نے اپنی تمام عمر حضرت ابوذر غفاریؓ کے طریقہ کے مطابق گزاری اپنے اوقات بیکار ضائع نہ ہوتے تھے تمام مخلوق ان کی مطیع تھی اور خود

خداوند عالم کے مطیع تھے

مَعَارِفُ مَعْرُوْفٍ وَّاٰدَابُ حَاتِمٍ　　سَلَامَةُ سَلْمَانٍ فَهَلْ تِلْكَ تَرْجِعُ

مولانا رائپوری میں حضرت معروف کرخیؒ کے سے اوصاف تھے اور حاتم طائی کی سی سخاوت اور سلمان فارسیؓ کی سی سلامت روی، تو کیا

اس قسم کے جامع ... حضرات ... دیکھنے کو مل سکیں گے

للسید الجلیل الحبر النبیل المولی المفتی عزیز الرحمٰن الدیوبندی متع اللہ المقتبسین بانوارہ

○

دَارُ الْغُرُوْرِ فَمَا لَنَا مِنْ دَارٍ   مَا مَرْجِعٌ اِلَّا بِدَارِ قَرَارٍ

دُنیا دھوکے کا گھر ہے تو ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کو اپنا گھر سمجھیں، ہماری جائے قیام تو صرف دارِ آخرت ہے

مَا هٰذِهِ الدُّنْيَا مَقَامُ مُقِيْمِهَا   هَلْ هٰذِهٖ اِلَّا مَتَاعُ بَوَارٍ

یہ دُنیا اپنے رہنے والوں کے لیے جائے اقامت نہیں، اس سے سوائے ہلاکت کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے

مَا هٰذِهٖ اِلَّا مَعَابِرُ عَابِرٍ   اَوْ دَارُ مَنْ لَيْسَتْ لَهٗ مِنْ دَارٍ

دُنیا مسافرانِ آخرت کے لیے گزرگاہ ہے یا ان لوگوں کا گھر ہے جن کا اور کوئی دُوسرا گھر نہیں

طُوْبٰى لِمَنْ كَسَبَ الصَّلَاحَ وَحَازَهٗ   بُشْرٰى لِمَنْ وُقِيَ الشَّقَا بِحِذَارٍ

وہ لوگ بابرکت ہیں جو دُنیا میں رہ کر صلاح وخیر حاصل کر لیتے ہیں اور وہ لوگ قابلِ بشارت ہیں جو آخرت کی شقاوت سے ڈر کر اس سے بچ گئے

فَاتَ الْمَلَاذُ فَمَا لَنَا مِنْ مَلْجَاٍ   كَهْفُ الْخَلَائِقِ بَدْوِهِمْ وَحَضَارٍ

ہمارا ملجا و ماویٰ جاتا رہا، اب ہمارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں کیونکہ مولانا رائے پوری ہی تمام مخلوق کے لیے جائے پناہ تھے

عَبْدُ الرَّحِيْمِ اِمَامُنَا لَمَّا مَضٰى   دُكَّتْ جِبَالُ الْعِلْمِ بَعْدَ قَرَارٍ

مولانا عبدالرحیم صاحب جو کہ ہم سب کے مقتدا تھے جبکہ اس دارِ فانی سے تشریف لے گئے تو باوجودیکہ علم کے پہاڑ محکم تھے پھر بھی ان میں لرزہ پڑ گیا

ضَاقَتْ اَرَاضِيْنَا بِرَحْبِ فِنَائِهَا   صَارَتْ مَسَاعِيْنَا هَبَاءَ غُبَارٍ

مولانا کی وفات کے بعد ہماری یہ وسیع زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور ہماری تمام کوششیں بالکل بے کار ثابت ہوئیں۔

قَدْ كَانَ شَيْخًا عَارِفًا مُتَوَاضِعًا ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَذَا اَفْضَالٍ

مولانا عالم باعمل، خدارسیدہ، منکسر مزاج اور حق گو اور بہت سے مناقب والے تھے

تَلَّاءَ قُرْآنٍ مُلَازِمَ ذِكْرِهِ مُسْتَغْفِرًا لَيْلًا وَبِالْاَسْحَالِ

قرآن کی تلاوت آپ بکثرت کرتے تھے اور رات دن خداوند عالم سے استغفار کرتے رہتے تھے

وَاهًا لَهُ مِنْ سَيِّدٍ عِلْمٍ عَلَا قُلَلَ الْكَمَالِ بِعِزَّةٍ وَوَقَارٍ

وہ عجیب سردار تھے اور علم دین کے پہاڑ تھے، کمال کی چوٹیوں پر باعزت و وقار پہنچ گئے تھے

سَادَ لِتُقَاةٍ بِهَدْيِهِ وَتُقَائِهِ صَعِدَ الْكَمَالَ بِسُؤْدَدٍ وَوَقَارٍ

مولانا کو اپنے عادات کی وجہ سے عالم کے متقیوں کی سرداری مل گئی تھی اور کمالات انسانی کو آپ نے نہایت عزت کے ساتھ حاصل کیا

لَمَّا قَضَى وَاشْتَاقَ رُؤْيَةَ رَبِّهِ فَاَتَتْهُ رَحْمَةُ رَبِّهِ الْغَفَّارِ

جس وقت آپ کو اپنے خالق کے دیدار کا شوق دامنگیر ہوا تو اس وقت خداوند عالم کی مغفرت آپ کے پاس آ پہنچی

اَوْلَاهُ مَوْلَاهُ مَرَاتِبَ قُرْبِهِ اَعْطَاهُ رِضْوَانًا جَزَاءَ خِيَارٍ

خداوند عالم نے آپ کو اپنے قرب کے مراتب عطا فرمائے اور آپ کو اپنی رضا عطا فرمائی جو کہ نیکوں کو ملتی ہے

قَدْ قُلْتُ اَقْبَلَ رَاغِبًا تَارِيخَهُ لَمَّا دَعَاهُ اَجَابَ بِاسْتِبْشَارٍ

میں نے جب تاریخ کی نسبت کہا کہ وہ خداوند عالم کے پاس بخوشی پہنچے جب خلاق عالم نے ان کو بلایا تو انھوں نے لبیک کہا

وَلَهُ اَيْضًا

فَاتَ غَوْثُ الْاَنَامِ كُلِّهِمْ ذُوْ فَخَارٍ وَمَعْدِنُ الْحِكَمِ

تمام مخلوق کے فریادرس صاحب مناقب کثیرہ، معارف خداوندی کے خزانہ دنیا سے اٹھ گئے

قُطْبُ اَقْطَابِ عَصْرِهِ حَقًّا حَبْلُ دِيْنِ الْاِلٰهِ ذِي الْكَرَمِ

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے یقینی قطب الاقطاب تھے، خدائی دین کو مضبوط رکھنے والے اور کرم والے تھے

غَوْثُ خَلْقٍ مَلَاذُهُمْ طُرًّا طَوْدُ فَضْلٍ وَمَنْبَعُ الْكَرَمِ

مولانا مخلوق کے فریادرس، ان کے ملجا و ماویٰ، پناہ فضیلتوں کے پہاڑ، کرم کے منبع تھے

ضَاقَ مِنْ مَوْتِهِ الْفَضَا عَجَبًا   حَارَ مِنْ فَوْتِهِ ذَوُو الْعِلَمِ

کس قدر عجیب بات ہے کہ ان کے مرنے کی وجہ سے ساری زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور ان کی وفات کی وجہ سے بڑے بڑے عقلا متحیر ہو گئے

كَانَ ذَا مَفْخَرٍ وَمَنْقَبَةٍ   ذَا رَشَادٍ وَقَائِدَ الْأُمَمِ

آپ صاحب مفاخر و مناقب و رشد و ہدایت اور جماعت مسلمین کے سردار تھے

حَازَ كُلَّ الْكَمَالِ تَبْصِرَةً   فَازَ أَعْلَى مُنَاهُ مِنْ نِعَمِ

آپ نے تمام کمالات کو حاصل کر لیا تھا اور آپ نے تمام اخروی نعمتیں حاصل کر لی تھیں

قَدْ مَحَا رَسْمَ بِدْعَةٍ وَشَفَى   قَلْبَ كُلِّ الْأَنَامِ مِنْ سَقَمِ

آپ نے بدعات کا نام و نشان مٹا دیا تھا اور گناہوں کے امراض سے مخلوق کو شفا دے دی تھی

جَاءَ تَارِيخُهُ بِتَبْشِرَةٍ   أُدْخُلُوا خَالِدِينَ بِالنِّعَمِ

آپ کی تاریخ وفات خوشی کے ساتھ یہ حاصل ہوئی کہ خداوند عالم کی دائمی نعمتیں حاصل کرو اور جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ

زبدة الاتقیا خلاصة الاذکیا حضرت مولانا مولوی عزیز الرحمنؒ صاحب مفتی دارالعلوم

آه رفت از ما بسوئے جناں
قطب دوراں امام و شیخ زماں

آنکه ذاتش تمام مظهر نور
بود و قلبش ز خشیت حق ملاں

آنکه کارش همه هدایت بود
وانکه با جمله بود فیض رساں

فیض او در بلادها ساری
جود او رفته در کنار جهاں

آنکه بوده فصیح جمله انام
وانکه مارا پناه بود و اماں

صدقاتش چو بحرها جاری
کلماتش چو مهر نور فشاں

در همه عمر شاغل مولے
در همه وقت ذاکر یزداں

حلم و علم و حیا و زهد و رضا
صبر و شکر و قناعت و احساں

بود در وے همه صفات کمال
مظهر فیض و منبع ایقاں

به بشارات شاه ختم رسل
قبر او گشته روضه رضواں

دار اکدار را بجا بگذاشت
شد بسوئے جناں خلد رواں

من احب اللقاء فی الدنیا
خشیت حق هم لقاء او را داں

چوں محبت لقائے حق بوده
گشت محبوب حضرۂ رحماں

نزد حق رفته راغباً فی الله
با دل شوق و ذوق خنده کناں

۳۱ ۱۳ ھ
سال رحلت دگر عزیز بگفت
طالب حب بهار باغ جناں
۳۷ ھ ۱۳

چوں ز دنیا برفت در دل داشت
حب زاد بهار باغ جناں
۳۷ ھ ۱۳

شد مُبشر بوقتِ وصلِ حبیب　　واو حب بہار باغِ جناں

ایضاً

شاہ والا شان شہ عبد الرحیم　　بود در دنیا مُشتاقانِ خلد
بود از پاکاں و نزدیکانِ حق　　با ملائک گشت از ارکانِ خُلد
بود مشغولِ عبادت روز و شب　　شد جزائش راحت و ریحانِ خلد
خدمتِ اضیاف بودہ کار او　　چوں ز دُنیا رفت شُد مہمانِ خلد
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شُد　　خدمتِ پاکاں وہد ایوانِ خلد
بود در دُنیا بکارِ دین مقیم　　نام او کردند در دیوانِ خلد
ترکِ دُنیا چوں بحکمِ حق بگفت　　شد بشارت داخلِ ایوانِ خلد

۱۳　۳۷

ایضاً

ز وصلِ شہِ پاک عبد الرحیم　　شدہ تار و تاریک ارض و سما
نگویند بروے چرا جن و انس　　کہ ارض و فلک ہست محوِ بکا
ز حسرت چرا ما نسازیم کیف　　کہ رفتہ ز ما ایں چنیں رہنما
رشیدے سعیدے بہر رائے او　　انیسِ حق و رازدارِ خدا
ز احدلش فی الدین دائم نفور　　بہ خُلق او و سنتِ مصطفےٰ
بزہد و ورع گوئے سبقت بُرد　　شُغلم باو شد فنا و بقا
بہر رائے او رشد و خیر و ہُدیٰ　　بہر کار او کارِ دین و وفا
چنیں مہربانی باضیافِ خویش　　کسے دیدہ از کس بگوید با
ہمہ عمر شاغل باعمالِ خیر　　ہمہ وقت مشغولِ ذکرِ خُدا

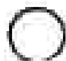
بہ خُلق او خُلق دین نبیؐ
شکورٌ صبورٌ بِمَا نَالَہٗ
پے سال رحلت بیابد ندا

بہ خَلق او خُلق صدق و صفا
حَییٌ کریم کثیر العطا
لقد فاز فوزاً عظیماً ندا

۳۷ ھ ۱۳

بیابد پے سال وصلش بحق
لقد فاز فوزاً عظیماً ندا

۳۷ ھ ۱۳



از: زبدۃ الاتقیاء خلاصۃ الاذکیاء حضرت مولانا مولوی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند



مرشد و رہنما حلیم و کریم — حضرت شیخ عصر عبد رحیم

گوہرِ شاہوار عرفان تھے — اور حقیقت کے تھے وہ دُرِّ یتیم

تھے سراپا تواضع و اخلاق — حق نے اُن کو دیا تھا قلبِ سلیم

ماحیِ بدعت و ضلالت تھے — حامیِ سُنّتِ نبیِ کریم

جانشینِ رشیدِ عالم تھے — قاسمِ خیر کے حبیب و ندیم

یادِ حق میں فنا و مستغرق — تھی اُسی سے جو تھی امید و بیم

فردِ عالم ضیائے ملت و دیں — ناصحِ عالم و شفائے سقیم

فانی و باقی و صفی و نقی — ہادی و مہدی و رضی و حلیم

تھے سخاوت میں حاتم طائی — زہد و تقویٰ میں اُن کا مثل عدیم

ذکرِ حق تھا غذائے رُوحانی — فکرِ عقبیٰ تھا بس انیس و ندیم

مظہرِ کامل صفاتِ کمال — مجمع صبر و شکر و خلق عظیم

خدمتِ دیں میں تھے کمر بستہ — خادمِ ملت و صراطِ قویم

سالکِ راہِ حق بصدق و یقین — طالبِ رحمت و رضائے کریم

مجلسِ علم کے سراجِ منیر — محفلِ فقر کے امامِ عظیم

کوہِ حلم و وقار و تقویٰ تھے — بحرِ جود و سخا و لطفِ عمیم

قطبِ عالم سے فیض تھا اُن کو | تھی وہبی تمکنت وہبی تعلیم
مدح و ذم میں جہانیاں یکسر | تھے برابر پئے رضائے کریم
قطبِ دورِ ولایت و ارشاد | محبوبِ [illegible]ب و مُرشدِ اقلیم
مسجدیں اُن کی ذات سے آباد | تھے مدارس کے معتمد و [illegible]
تھے مطاع و معظّم و ذی شان | اُن کی کرتے ملائکہ تعظیم
جامعِ علم و حلم و زہد و رشد | بحرِ جود و کرم کے [illegible]
خادمِ سنّت و کلامِ مجید | قاری و حافظ و تقی و [illegible]
رافعِ رایتِ شریعت و دیں | بائن و کائن و رشید و [illegible]
قائم اللیل . صائم ایّام | منبع الخیر و موردِ تکریم
ساتھ تھے حق کے باہمہ احوال | اُن کے سایہ سے بھاگتا تھا [illegible]
سایۂ حق پہ سعیدِ ازل | قہرِ حق از پئے شقی لعین
ظلِ یزداں امامِ اہلِ ہُدے | رحمتِ حق نعیمِ اہلِ نعیم
اہلِ باطل سے ضد لوجہ اللہ | اہلِ حق کے مُدام حُبّ ضمیم
حُبّ حق میں فنا رہے دائم | شائقِ وصل و فضلِ ربِّ کریم

عاقبت اُن کی ہو گئی محمود
سنِ رحلت ہے "درکِ فوزِ عظیم"

۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ

نظم

دردِ دل

جو

شمس العارفین بدر السالکین قدوتنا حضرۃ مولانا عبد الرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ

کی

تاریخ وفات اور اُن کے بعض حالاتِ طیبہ پر مشتمل ہے

اور

جس کو دار العلوم دیوبند کے ایک جلسۂ طلباء و علماء میں

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی عمّ فیضہٗ

نے

سُنا کر سامعین کو محوِ گریہ و بکا بنا دیا تھا

(نقل مطبوعہ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرے دل پہ نہیں کیوں آثارِ وحشت آج کیا ہوگا ؟
یہ کیسی مجلسِ غم ہے، یہ کس کا تذکرہ ہوگا ؟

زمیں میں زلزلہ کیوں ہے، فلک پہ غلغلہ کیوں ہے ؟
یہ نفخِ صُور کیوں ہے ؟ کیا ابھی محشر بپا ہوگا ؟

تمہارے شور و شیون سے گماں ہوتا ہے یہ مجھ کو
قیامت سے بھی شاید، حادثہ کوئی بڑا ہوگا

سُنو اے ہمدمو! اک نکتۂ باریک سُوجھا ہے
سمجھ لے گا اُسے جو صاحبِ فہم و ذکا ہوگا

قیامت کہتے ہیں، قائم شرارِ الخلق[1] پہ ہوگی
قیامت سے سِوا، پس انتقالِ اولیاء ہوگا

اگر یہ مانتے ہو، موتِ عالِم، موتِ عالَم ہے
تو موتِ مُرشدِ عالَم کا بولو نام کیا ہوگا ؟

سنبھل جانا کہ اب میں نام کی تصریح کرتا ہوں
کہ سامع کا کناروں سے جگر شق ہو رہا ہوگا

تواضع اور مُروّت گر کوئی شخصِ مجسّم ہو
تو وہ نزرِ اقدم عبدالرحیم باصفا ہوگا

جنھوں نے رائےپور میں بیٹھ کر گنگوہ دیکھا ہے
اُنھیں ہی یاد کچھ گنگوہ کا جغرافیا ہوگا

---

[1] الحدیث لا تقوم الساعة الا علیٰ شرار الخلق

وہ دربارِ رشیدی کا نمونہ اب کہاں دیکھیں
کہاں بازار ایسا، علم و حکمت کا لگا ہوگا
کہو اے ہم نشینو! کیا خبر تھی ہم غریبوں کو
کہ زیرِ خاک یوں، گنجینۂ علم و ہدیٰ ہوگا
جسے تم شیخ کا اپنے مزارِ پاک کہتے ہو
یقیں ہے وہ تمناؤں کا میری مقبرا ہوگا
زمانہ کے اگر ارمان کُش تیور یہی ہوں گے
تو ڈر یہ ہے کہ اُمیدوں کا ساری خاتما ہوگا
چلے ہیں آپ اور محمود بھی آنے نہ پائے تھے
اسے تو غالباً دل آپ کا بھی جانتا ہوگا
گئے ہو چھوڑ کر محمود کی اولاد کو کس پر
اگر ہوگا تو ہم کو آپ سے یہ ہی گلا ہوگا
بہت اچھا ہمیں تم چھوڑ کر تنہا چلے جاؤ
کہ حامی ہم غریبوں بیکسوں کا بھی خدا ہوگا
تمھیں کیا فکر ہے اس کی کہ درد و کربِ فرقت سے
کوئی تو چیختا، کوئی تڑپتا، لوٹتا ہوگا
بہت بے جان ہوں گے اور بہت سے نیم جاں ہونگے
ادھر اک نیم بسمل، اک ادھر بسمل پڑا ہوگا
کوئی سکتے میں ہوگا ششدر و حیرت زدہ ہوکر
کسی کی آنکھ سے اشکوں کا جاری سلسلا ہوگا

ادھر خاموش سب علم و عمل کی محفلیں ہوں گی
اُدھر ملک ولایت میں، عجب ماتم بپا ہوگا

یہ سب ہے، پر مصیبت ایک ان سب سے زیادہ ہے
سُناؤں، پر ذرا دل کو پکڑنا، تھامنا ہوگا

کلیجہ منہ کو آجاتا ہے، جب یہ سوچتا ہوں میں
کہ کیا کچھ حال تیرا، اے اسیرہ! اُس گھڑی ہوگا

انھیں جو تم سے نسبت تھی، اُسے وہ خوب سمجھے گا
کہ جس نے قیس کا، فرہاد کا، قصہ سُنا ہوگا

وہ عاشق تھا تمھارا اور تمھارے تذکرہ کا بھی
کوئی ایسا ترا، شاید ہی مشتاقِ لقا ہوگا

تمھارے ذکر سے جس کے بدن میں جان آتی تھی
تمھاری فکر میں ہی کیا خبر تھی، وہ فنا ہوگا

زمین والوں کے مجمع میں نہ اُس نے جب تجھے پایا
فلک پر، اب ملائک کی صفوں میں ڈھونڈھتا ہوگا

وصیت کی ہے کچھ حسرت بھرے الفاظ میں اُس نے
تمھیں معلوم شاید، یہ نہ ہوگا، یا ہُوا ہوگا

غرض وہ تو جوارِ حق میں سو پہنچے اور یہاں ہم پر
کہوں کیا، کیا ہُوا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا

سمجھ لو کس قدر مغموم اہلِ مدرسہ ہوں گے
سمجھ لو کس قدر مختل نظامِ مدرسہ ہوگا

یہ مانا تم وہاں بھی سابق مصلح ہو لیکن
بڑا ہی کام ان ٹوٹے دلوں کا جوڑنا ہوگا

خدارا جلد آکر دیکھ لو چشم محبت سے
ہمارا بس تمہاری اک نگہ پر فیصلہ ہوگا

ترے الطاف پر قربان سب پیر و جواں ہوں گے
جماعت میں ہر اک خورد و کلاں تم پر فدا ہوگا

ادائے قد جو دیکھیں گے تو ہم نذرِ قفس ہونگے
یہ جاں وقفِ ستم ہوگی، یہ دل مشقِ جفا ہوگا

تماشا لوگ دیکھیں گے بہنسہ ہم آزمائیں گے
ترے ناوک کا اور میرے جگر کا سامنا ہوگا

تبسم کرکے جس دم تم دہن سے گلفشاں ہونگے
تو بلبل کا اسی دم غنچۂ اُمید وا ہوگا

بہار آجائے گی پھر عیش کے ساماں بہم ہونگے
چلے گا دورِ ساغر اور تسلسل دور کا ہوگا

وُہی مینا، وُہی خم اور وُہی جام و سبو ہونگے
وُہی ساقی، وُہی مے اور وُہی میکدہ ہوگا

بدل جائیں گے ایامِ نحس، ظلِ ہمایوں سے
نصیبہ قوم کا بھی جس سے بخت ہما ہوگا

ادھر تو سب سلوک و جذب کی راہیں کھلی ہوں گی
اُدھر تعلیمِ سُنت کا بھی تازہ مشغلہ ہوگا

زمیں جب سجدے میں اُٹھے گی انفاسِ تقدس سے
تو گویا نفخِ ثانی صورِ اسرافیل کا ہوگا

اگر تفصیل اس سب کی سنو جو ہونے والا ہے
تو ان اشعار سے حاصل نہیں یہ مدعا ہوگا

بھلا جذبات کا فوٹو اُتارے کس طرح کوئی
اُتارے گا تو وہ ناقص بھی ہوگا بدنما ہوگا

لہٰذا، التجا یہ ہے کہ اب دستِ دُعا اُٹھیں
جماعت کے سروں پر بالیقیں دستِ خدا ہوگا

اگر ہم صدق اور اخلاص سے اُسکو پکاریں گے
تو اُدعُونِی سے جلوہ اَستَجِب کا رونما ہوگا

خدایا ہم ضعیف اور ناتواں ہیں اور نکمے ہیں
کبھی شاید ہی کوئی کام ہم سے بن پڑا ہوگا

سراپا جرم ہیں، تقصیر ہیں، نسیان و غفلت ہیں
گنہ وہ کون سا ہے جو نہیں ہم سے ہوا ہوگا

جو زیبِ تن کیا ملبوسِ تقویٰ بھی کبھی ہم نے
وہ ثوبِ زُور ہوگا، مکر ہوگا اور ریا ہوگا

پھر ان سب کا بہانہ تیری رحمت کو بناتے ہیں
نہیں ایسا کوئی دُزدِ دلاور دوسرا ہوگا

مگر نادم بھی ہیں اور معترف ہیں اور خائف بھی
بڑی تشویش ہے، کیا ماجرا روزِ جزا ہوگا

ترے بندے ہیں اور تیرے نبی کے نام لیوا ہیں
یقیں ہے کچھ کرم ہم پر بحق مصطفےٰ ہوگا

یہی اُمید ہے جو ذبحہ ہے غم ہوا ہم سے
دوبارہ آپ کے فضل سے ہم کو عطا ہوگا

ہمیشہ کے لیے ہے نقش[1] قدسی چھن چکا ہم سے
عطا خلد بریں میں اس کو اعلیٰ مرتبہ ہوگا

سمجھ میں صورت تاریخ یہ بے قصد آئی ہے
کہ کہہ دوں "داخل خلد بریں" ہی مادہ ہوگا

۱۵۳۱
۱۹۶
۱۳۳۷

دلفگار
شبیر احمد عثمانی
۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ

[1] یعنی مولانا محمود (شیخ الہند)
[2] یعنی مولانا الرحوم (حضرت دیوبندی)

از: حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب

اَفَلَتْ شُمُوْسُ هِدَايَةٍ وَّبُدُوْرُهَا ــــ غَاضَتْ عُيُوْنُ وِلَايَةٍ وَّبُحُوْرُهَا

ہدایت کے چاند اور سورج غروب ہو گئے۔ دریائے ولایت اور اس کے چشمے خشک ہو گئے

وَالْاَرْضُ دُكَّتْ وَالْجِبَالُ تَزَعْزَعَتْ ــــ بَكَتِ السَّمَآءُ بُرُوْجُهَا وَقُصُوْرُهَا

زمین ریزہ ریزہ کر دی گئی اور پہاڑ کانپ گئے، فلک کے برج اور محل رو پڑے

وَاغْبَرَّ جَوُّ الْاَرْضِ حَتّٰى اَظْلَمَتْ ــــ اَكْنَافُهَا فَسُهُوْلُهَا وَوُعُوْرُهَا

فضاء ارض یہاں تک غبار آلودہ ہوئی کہ اس کے سارے نرم اور دشوار اطراف ظلمت کدہ بن گئے

وَاسْتَوْطَنَ الْاَحْزَانُ اَكْبَادًا وَّمَا ــــ مِنْ غَيْرِ تَسْلِيْمِ الْقَضَاءِ مَصِيْرُهَا

غموں نے اپنے واسطے جگروں کو جائے سکونت قرار دیا اور قضاء الٰہی کے ماننے بغیر انکا رجوع ممکن نہیں۔ یا بغیر موت کی طرف سوے وہ رجوع نہیں کر سکتے

لِفِرَاقِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الَّذِىْ ــــ مَلِكُ الْبَرِيَّةِ ثُمَّ ذَاكَ خَفِيْرُهَا

ہمارے اس سردار اور مولیٰ کی جدائی کے باعث جو مخلوق کا مالک اور پھر وہی ان کا ہادی اور رہنما ہے

قَدْ كَانَ تَغْبِطُ زَائِرُوْ رِيَاضِهَا ــــ وَالْاٰنَ فَيَحْسُدُ قَبْرَ ذَاكَ قُبُوْرُهَا

زائرین پہلے پہ وہاں کے باغات غبطہ کیا کرتے تھے اور اب اس کی قبر پہ وہاں کی قبریں رشک و حسد کرتی ہیں

يَا وَيْلَ مَنْ يَّبْكِىْ لِفَقْدِ اَحِبَّةٍ ــــ رَحَلُوْا فَرَاحَ اَمِيْرُهَا وَسَمِيْرُهَا

ہائے حسرت اس شخص پر جو ان رفیقوں کی مفقودی پر رو رہا ہے جنھوں نے کوچ کیا۔ پس انکے امیر اور افسانہ گو نے رحلت اختیار کی

ذُقْنَا وَفَاةَ مُحَمَّدٍ بِوَفَاتِهٖ ــــ فَمُحَمَّدٌ شَمْسٌ وَّذَاكَ نُوْرُهَا

ہم نے بسبب ان کی وفات کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا مزا چکھا، اس لیے کہ وہ آفتاب تھے اور تو اس کا نور تھا

فتعز واذکر من عزا نبینا — شمس البسیطة والرسالة دورها

پس تو صبر کر اور ہمارے اس نبی کے صبر و تحمل کو یاد کر جو اس سطح ارض کے آفتاب تھے اور رسالت اسکی گردش تھی

حزنت نفوس العالمین لحتفه — فلها من الله الکریم اجورها

آپ کی وفات کی وجہ سے سارا عالم حزیں ہے، اور چونکہ مصائب کا نزول باعث اجر ہوتا ہے، اسلیے خدا کی طرف سے اس مصیبت پر سب کو ثواب ملیگا

لما رأوا حرمانهم من کهفه — بکت البکاة جزوعها وصبورها

جبکہ لوگ اس کے غار (قبر) کی وجہ سے محروم ہوئے تو جزع فزع کرنے والوں اور صابر طبیعتوں نے رو دیا

قد هدّ من تحت السما لحینه — ولتر غلمان الجنان وحورها

تحقیق آسمان کے نیچے سکونت اختیار کرنیوالے اس کی موت کی وجہ سے شکستہ دل ہو گئے البتہ خزانِ جنت اور اس کے غلمان مسرور ہیں

کانت بلابلهم تمیث عنده — بوفاته فجع القلوب مریرها

ان کی سوزش ہائے نہانی اس کے نزدیک ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھی مگر اب قوی اور توانا دل اس کی وفات سے غمگین ہو گئے

طلق یداه ولین اخلاقه — ینوی القیاد امیرها وفقیرها

وہ سخی، خوش اخلاق، نرم خو تھا۔ امیر اور فقیر اس کی قیادت اور سیادت کا ارادہ کرتے تھے

وتفید عیناه القلوب قناعة — والآن اثمد عینه کافورها

اس کی آنکھیں دلوں کو قناعت بخشا کرتی تھیں اور اب کافور اس کی آنکھوں کا سرمہ ہے

یا قاطن اللحد المقیم ببلقع — ذلت رقاب کنت انت امیرها

اے اس قبر کے سکونت اختیار کرنے والے جو چٹیل میدان میں واقع ہے وہ گردنیں ذلیل ہو گئیں جن کا تو امیر تھا

او ما یهمک ان دین محمد — یبکی بعین کنت انت قریرها

کیا تجھ کو اس امر نے رنجیدہ نہیں کیا کہ دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس آنکھ سے رو رہا ہے جس کی تو ٹھنڈک تھا

یا من تعانی فی اشاعة دینه — غادرت ملته وغاب نصیرها

اے وہ ذات جس نے اس کے دین کی اشاعت میں مشقتیں برداشت کیں تو نے اس کی ملت کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ اس کا منصور و مددگار بھی غائب ہے

كُنْتَ الْمَلَاذَ مِنَ الْفَجَائِعِ كُلِّهَا ‏ ‏ عَبْدَ الرَّحِيمِ إِذَا لَأَنْتَ مُجِيرُهَا

تو لوگوں کے لیے تمام فجائع امور سے جائے پناہ تھا۔ اس وقت اے شاہ عبدالرحیم تو ہی ان کو پناہ دینے والا ہے

يَا مَنْ تَهَجَّدَ فِي اللَّيَالِي اسْتَيْقِظَنْ ‏ ‏ ذَرَّتْ غَزَالَةُ قَدْ تَلَأْلَأَ نُورُهَا

اے وہ شخص جس نے راتوں میں صلوٰۃ تہجد ادا کی، بیدار ہو جا، آفتاب طلوع ہو گیا۔ اس کی روشنی پھیل گئی

يَا مَنْ يُرَبِّي مَنْ يَلُوذُ بِظِلِّهِ ‏ ‏ سَلِ النُّفُوسَ فَسُلَّ فِيكَ سُرُورُهَا

اے وہ شخص جو ان لوگوں کی تربیت کرتا ہے جو اس کے سایہ میں پناہ لیتے ہیں، دلوں کو تسلی دے

اس لیے کہ ان کی خوشی تیری موت کی وجہ سے کھینچ لی گئی

اِنْضَحْ مَلِيلَةَ خَادِمِيكَ فَإِنَّهُمْ ‏ ‏ أَصْحَابُ قَلْبٍ لَا يَزَالُ يَزُورُهَا

اپنے خادموں کے اندرونی بخار کی حرارت پر پانی چھڑک، کیونکہ وہ ایسے اہل دل ہیں جو ہمیشہ اس کے غم کی زیارت کیا کرتے

وَلَقَدْ غَدَوْتَ وَسِيقَةً لِمَنِيَّةٍ ‏ ‏ خَضَعَتْ لَهَا جَبَّارُهَا وَفَخُورُهَا

البتہ تو اس موت کا رفیق ہو گیا جس کے سامنے سرکش اور متکبر ذلیل ہو گئے

وَلَكَانَ سُدَّتُكَ السَّنِيَّةُ حِصْنَهُمْ ‏ ‏ فَالْيَوْمَ ذَلَّ جَمَاجِمٌ وَنُحُورُهَا

تیری روشن چوکھٹ ان کا قلعہ تھی پس آج ان کی کھوپڑیاں اور سینے ذلیل ہو گئے

مَا سَاوَتِ الدُّنْيَا لِعَيْنِكَ ذَرَّةً ‏ ‏ فَلَدَيْكَ هَانَ قَلِيلُهَا وَكَثِيرُهَا

تیری نظر میں دنیا ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں تیرے نزدیک دنیا کی تمام چھوٹی اور بڑی چیزیں حقیر ہیں

رَبِّي الرَّحِيمَ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ إِنَّهُ ‏ ‏ هَادِي الْهُدَاةِ رَئِيسُهَا وَأَمِيرُهَا

اے میرے رحیم پروردگار! تو اپنے بندے کی مغفرت فرما، وہ ہادیوں کا رہنما اور رئیس اور امیر تھا

نَادَوْهُ يَا مَغْفُورُ لَمَّا سَرَّهُ ‏ ‏ خُلْدُ الْجِنَانِ وَنَضْرُهَا وَنَضِيرُهَا

جب اس کو جنت کی ہمیشگی پسند آئی تو لوگوں نے یا مغفور کہہ کر پکارا اور کہا گیا کہ تو جنتوں کا امیر ہے

حضرۃ مولانا مولوی عبد السمیع صاحب مدرس دار العلوم دیوبند

بالشیخ طیّب عبد الرّحیم

۳۷ ھ ۱۳

دل وقفِ حسرت و غم و رنج و محن ہے آج　　سینہ جوابِ خندہ جیبِ کفن ہے آج
سارے جہاں میں تفرقہ جان و تن ہے آج　　ہلچل پڑی تہِ چرخِ کہن ہے آج
رونے لگے مسیح جگر تھام تھام آج
گھبرا رہے ہیں خضر علیہ السلام آج

ہم غمزدوں پہ کیوں ستم بے حساب ہے　　اے انقلابِ دہر یہ کیا انقلاب ہے
فرقت کا ہر عذاب سے بڑھ کر عذاب ہے　　اندھیر ہے کہ زیر زمیں آفتاب ہے
اپنی تو رنجِ ہجر میں حالت خراب ہے
مانا کہ انتخابِ اجل لاجواب ہے

اے نورِ آفتابِ شریعت کہاں ہے تو　　اے ساغرِ شرابِ شریعت کہاں ہے تو
مفتاحِ قفلِ بابِ شریعت کہاں ہے تو　　دیباچۂ کتابِ شریعت کہاں ہے تو
جوشِ غمِ فراق میں ہم ناصبور ہیں
اے شیخ مستطاب کہاں اب حضور ہیں

جس نے خدا کے نور کا جلوہ دکھا دیا — جس نے نقابِ عارضِ معنی اٹھا دیا
جس نے جہاں سے کفر کا جھگڑا مٹا دیا — جس نے شرابِ زہد کا ساغر پلا دیا
ہے ہے وہ سروِ باغِ شریعت نہیں رہا
ہے ہے وہ خیرِ اُمتِ مِلّت نہیں رہا

وابستہ جن کی ذات سے سب حق پرست تھے — جن سے کہ قبض و بسط کے سب بند و بست تھے
جن کے سبب سے نشۂ طاعت میں مست تھے — مخمورِ سکرِ بادۂ جامِ الست تھے
مخانۂ ہدیٰ کا وہ ساقی نہیں رہا
اب لطف کچھ حیات کا باقی نہیں رہا

یحییٰ صفات کشتہ ہو تیغِ فنا کے ساتھ — عیسیٰ صفات مرگ گزیں ہو دعا کے ساتھ
یوسف جمالِ دشت میں گرگِ قضا کے ساتھ — ماتم الم کے ساتھ ہو حسرت جفا کے ساتھ
دنیا میں اب سمک سے سما تک یہ شور ہے
یونس خصال لقمۂ ماہیِ گور ہے

کیوں موت مانگتے ہیں کسی بے نیاز سے — تدبیرِ مرگ پوچھتے ہیں چارہ ساز سے
کس کی نماز پڑھتے ہیں فارغ نماز سے — ہے شورِ آرزو لبِ زخمِ دراز سے
اے جاں نثارِ سرورِ عالم کہاں ہیں آپ
اے یادگارِ سرورِ عالم کہاں ہیں آپ

کیا ہو بیانِ غم کہ مجالِ بیاں نہیں — مجبور زخم ہیں کہ دہن ہے زباں نہیں
گھر گھر ہے آج مرثیہ خوانی کہاں نہیں — ایسی کوئی جگہ نہیں، ماتم جہاں نہیں
فریاد مسجدوں میں فغاں ہے کنشت میں
نالے ہیں آسمانوں پہ رونق بہشت میں

ہیں ضبطِ غم سے ہونٹ ہمارے سئے ہوئے — بیٹھے ہوئے ہیں گھونٹ لہو کے پیے ہوئے
آغوشِ دل میں داغِ تمنا لیے ہوئے — ہم پوچھتے ہیں اُن کو مخاطب کیے ہوئے

اے رنگِ لالۂ عالم باہ چگونہ
ما بے تو در فراق، تو بے ما چگونہ

کوئی نہیں نفس کے سوا اور ہم نفس — ہے آہ بے اثر صفتِ نالۂ جرس
ہم سے تڑپ کے جیا نہیں جاتا ترس ترس — دل میں ہے آج مرگِ مفاجات کی ہوس

تلخی سے غم کی آبِ بقا زہر ہوگیا
سر پیٹتے ہیں خضر یہ کیا قہر ہوگیا

اس زندگی سے موت بھلی غور کیا کروں — ملنے کا اُن سے خلد میں اب طور کیا کروں
گردوں سے شکوۂ ستم و جور کیا کروں — دل پر کروں نہ صبر تو میں اور کیا کروں

بے مثل ضبطِ غم میں تحمل میں طاق ہوں
کشتہ میں آج کشتۂ تیغ فراق ہوں

ولہ ایضاً

تاریخ وصل
٣٧ ھ ١٣

تمہیں کچھ خبر بھی ہے اے دوستو — کہ ہے آج کیوں شور محشر بپا
چراغ ھُدیٰ ، شاہ عبدالرحیم — طریق شریعت کے تھے رہنما
وہ چرخِ طریقت کے بدرِ منیر — وہ مہرِ حقیقت کے نور و ضیا
وہ مصرِ سعادت کے یوسف جمیل — وہ ملکِ ولایت کے فرماں روا

سپاہ تواضع کے افسر جلیل — جو تھے نیک خو، نیک رُو پارسا

ہوا اُن کو جب شوقِ خُلدِ بریں — تو راتوں کو حق سے یہ کی التجا

کہ اب تاب دردِ جدائی نہیں — غمِ ہجر کی ہو چکی انتہا

دل آرام مجھ کو دکھا دیجیے — جمالِ مبارک کا ایک پرتوا

اِدھر سے تمنائے دیدار تھی — اُدھر سے بڑھا شوقِ حُبِّ لقا

اِدھر سے تو قطرہ کو جنبش ہوئی — اُدھر سے وہ دریائے رحمت چلا

غرض اپنے ذرّہ کو خورشید نے — محبت سے آغوش میں لے لیا

اِدھر جوشِ اُلفت سے رضوان نے — سلامٌ علیکم فطِبتُم کہا

اُدھر بزمِ عرفاں میں ہل چل پڑی — تو شورِ قیامت کا برپا ہوا

زمانہ میں اک کھلبلی پڑ گئی — ہے شورِ دریغا و یا حسرتا

جو کل تک رہے طالبِ نورِ حق — ہوئے آج مطلوبِ ربِّ العُلا

جہاں فیض سے جن کے گلزار تھا — وہ رنگِ بہارِ جناں ہو گیا

ہوئے نوحہ گر خوش نوایانِ باغ — ہوئی باغ میں گرم بزمِ عزا

اِدھر چشمِ شبنم ہوئی اشکبار — اُدھر فرطِ غم سے دلِ غنچہ [illegible]

گریباں کیا ہر گلِ تر نے چاک — اُڑانے لگی خاک سر پر صبا

ہوئی لب پہ قمری کے مہرِ سکوت — کھڑا رہ گیا سرو حیران سا

پڑا دل میں لالہ کے داغِ فراق — ہوا رنگ بے رنگ رنگِ حنا

جو کشتہ نے دیکھا یہ حالِ زبوں — تو اس کو غمِ سالِ رحلت ہوا

اُٹھا کر کے سر ہاتفِ غیب نے
لقد مات مولا شہیدا، کہا

۳۴ ۱۳ ۲

ایضاً ـــــ عیسوی

شاہ عبد الرحیم کا غم ہے   کیوں نہ بے تاب دل ہوا تھا کبھی
ہیں کہاں اب وہ جانثار رسولؐ   ہو کے غمگیں پوچھتے ہیں سبھی
ملک الموت نے کہا مجھ سے   ہو گیا خاتمہ بخیر ابھی
۱۸ ھ ۱۹

ایضاً ـــــ فضلی

وہ فخرِ زماں شاہ عبد الرحیم   ہوئے جب کہ راہی خلدِ بریں
زمین و زماں میں غمی چھا گئی   ہوا غم کے الم میں بدر نہیں
نگاہوں سے اُن کے جو اوجھل ہوئے   پریشان و مضطر ہیں اہلِ یقیں
ہوا سرنگوں فکرِ تاریخ میں   تو گشتہ سے ہاتف نے ہو کر حزیں

کہا سالِ فضلی دمِ ارتحال
چھپا آج خورشیدِ زہد و یقیں
۲۶ ۱۳

حضرۃ مولانا مولوی سراج احمد صاحب معتمد المدیر القاسم والرشید
رحمۃ اللہ العزیز علیہ

عبد الرحیم
۱۳ ھ ۳۴

نہاں شد زروز یکہ آں روی روشن — بچشم سیہ آسمان و زمیں شد
شدہ روزِ روشن شبِ تارِ فرقت — چو آں مہرِ تاباں بزیرِ زمیں شد
باوجِ تقرب رسیدی و لیکن — دلِ اہلِ حاجات اندوہگیں شد
کجا می روی چارۂ سینہ ایشاں — از ایشاں چہ تقصیر اے نازنیں شد
برفتی و برما ترحم نکردی — دلِ ما ازیں درد اندوہگیں شد
نقابے کشیدی بروئے منور — بپا شورِ محشر بروئے زمیں شد
چو طرحِ اقامت بعقبیٰ فگندی — دلِ عالمے ہیں کہ اندوہگیں شد
تخلق باخلاقِ خالق نمودی — بتو رحمتِ ارحم الراحمیں شد
بیادِ شیخ، واشُد لبِ سینہ ریشاں — بپا شورِ محشر دمِ واپسیں شد
چہ می پرسی از دیدۂ خونفشانم — ز خوں تر بتر دامن و آستیں شد
کجا می روی سروِ باغِ رشیدی — بپا حشر در زمرۂ متقیں شد
نمازِ جماعت باین ناتوانی — ہمیشہ ادا تا دمِ واپسیں شد
چہ بود اشتیاقِ لقائے خدایش — روانش رواں سوئے جاں آفریں شد
تمام حیاتش بذکرِ خدا بود — بلب نامِ حق تا دمِ واپسیں شد

بحق معرفت بود با خلق رافت ‏ ‏ ‏ با احسان او بر دو عالم حسین شد

بدل رغبت اعتکاف آنچنانش ‏ ‏ ‏ که در گوشۂ قبر خلوت گزین شد

به بازار طاعت بجاں در کف آمد ‏ ‏ ‏ خریدار جاں بین که جان آفرین شد

زہے استقامت نبترا و ضرا ‏ ‏ ‏ ثبات و سکوں حصۂ مستقین شد

مہے کاں ز خورشید گنگوہ طالع ‏ ‏ ‏ بزیر زمیں ہائے خلوت گزین شد

چہ ماتم بپا شد بصحن چمن ہیں! ‏ ‏ ‏ که گل سینه چاک ست بلبل حزیں شد

ز فرط غمش نازنینان گلشن ‏ ‏ ‏ به پژمردگی ہا بشدن قرین شد

اسیران غم را رہائی چه باشد ‏ ‏ ‏ دل و جاں بحزن اندر اکنوں رہیں شد

بروزش به تقوی در روشش بعرفاں ‏ ‏ ‏ قرین بحر کتاب مبیں شد

بچرخ بریں رفت چوں روح پاکش ‏ ‏ ‏ در انجم به شادی چناں خوشیں شد

زہے استقامت باوج توکل ‏ ‏ ‏ که از صبر تلخی صبر انگبیں شد

چو نظرے بر افتاد بر روئے پاکش ‏ ‏ ‏ ہماں وقت یاد خدا دلنشیں شد

تو گوئی که خواجہ بقبر اندر آمد ‏ ‏ ‏ بگو پیر کر بنگر بقلبم مکیں شد

جلائے چو مرآت تاباں بہ بینی ‏ ‏ ‏ بآں دل که آں مه جبیں دلنشیں شد

بحلم و تواضع علم بر کشیدہ ‏ ‏ ‏ که اقلیم ارشاد زیر نگیں شد

سراج حزیں گفت سال وصالش

که بندہ نوازے بخلد بریں شد

۳۴ ھ ۱۳

دیگر

رونقِ گلزارِ ایماں زینتِ باغِ جناں
حضرت عبدالرحیم آں بلبلِ گلزارِ چشت

بود مشتاقِ لقا پیکِ اجل چوں در رسید
شاد و خورشدل رفت از دنیائے دوں سوئے بہشت

خوش ادا خوش لقا خوش بیاں خوش قماش
نیک صورت نیک سیرت نیک دل نیکو سرشت

بود مردے باخدا و عارف فرزانہ
تخمِ ایماں در زمینِ دل بآبِ چشم کشت

سالِ وصلِ او سراج بے قرار درد ہجر
تا ابد باللہ منیر و عاشقِ مولیٰ نوشت
۷ ۳ ۵ ۳ ۱

از: جناب مولوی محمد یٰسین[۱] صاحب مدرس اوّل درجہ فارسی دارالعلوم دیوبند



آں کہ بودہ ملجأ و ماوائے اربابِ یقین ‌‌ ‌ پارسا و عابد و زاہد امامُ المسلمین

متقی و حاجیِ حرمین بشیر عبد الرحیم ‌ ‌ صاحبِ زہد و امانت عاقل کامل فہیم

موطنِ او گرچہ بودہ قریۂ نامش رائے پور ‌ ‌ لیک آں ماہِ ولایت کردہ آں را پُر ز نور

ترکِ دنیا کردہ در راہِ حق اقامت کردہ بود ‌ ‌ باغ او از باغِ جنت گوئی سبقت می ربود

با کلامِ حق چہ بود او را شغف از حد فزید ‌ ‌ درس گاہے کردہ بہرِ درسِ قرآنِ مجید

فیضیاب از بارگاہِ قطبِ عالم شد رشید ‌ ‌ صورت و سیرت مشابہ بود در پیر و مرید

یادِ رب کردے بشب تلقینِ نامِ رب بروز ‌ ‌ نورِ حق ظاہر ز رویش ہمچو مہرِ نیمروز

مرجعِ مخلوق بود و منبعِ جود و کرم ‌ ‌ خُلقِ او خُلقِ محمد چشمۂ فیضِ اتم

طالباں را فیضِ صحبت صورتِ اکسیر داشت ‌ ‌ نقشِ حبِّ حق بلوحِ قلبِ ایشاں بر نگاشت

آرزوئے استفادہ داشتم از چند سال ‌ ‌ لیک تا ایں دم ز فرصت واد ایں فکرِ عیال

دفعۃً آمد بگوشم ایں ندائے پُر ملال ‌ ‌ غرۂ شب عالم کرد زیں دنیائے فانی انتقال

وا دریغا حسرتا آں حسرتم در دل بماند ‌ ‌ صد ہزاراں خارِ غم در جانِ ایں عاجز نشاند

روز روشن شد شبِ تاریک در چشمِ جہاں ‌ ‌ ہر طرف شورِ بکا از ہر جہت آہ و فغاں

آسماں در ماتمش وارد لباسِ نیلگوں ‌ ‌ حالتِ ہر کس ز فرطِ گریہ آخر شد زبوں

فارغا از صبر چارہ نیست آخر صبر کن

تا توانی ضبط کن ایں گریہ بر دل جبر کن

---

۱ والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

جناب مولوی عبد الاحد صاحب نگینوی محرر دفتر دار العلوم دیوبند

الٰہی ابرِ غم کیوں چھا گیا ہے آج دنیا پر
برستی ہے در و دیوار پر کیوں یاسِ حیرانی

نہ دل کو جان کی پروا نہ جاں کو کچھ خبر دل کی
یہ کیسی بے قراری ہے یہ کیسی ہے پریشانی

وہ طوفاں خیز محرومی ہے دریا چشمِ گریاں کا
تمنائیں جو تھیں دل میں سبھی پر پھر گیا پانی

سناؤں داستانِ دردِ دل اے ہم نفس کس کو
نظر آتا نہیں کوئی بھی اپنا مونسِ جانی

جو تھا سبحانِ فرازِ رہبرانِ دشتِ حق جوئی
ہوئی ہے جنت الفردوس میں آج اس کی مہمانی

چراغِ معرفت گل ہو گیا بادِ حوادث سے
الٰہی کون بتلائے گا ہم کو راہِ یزدانی

شہِ عبد الرحیم رائپوری فردِ یکتا تھے
نظر آتا نہیں ہے آج کوئی آپ کا ثانی

جو گل رشکِ گلستانِ جہاں تھا آج وہ پہلیں
ہے خود ہی مرثیہ خوانِ غمِ اندوہ و حیرانی

زمیں پر بزمِ ماتم ہے فلک پر بزمِ شادی ہے
فلک پر مرحبا گوئی زمیں پر مرثیہ خوانی

کبھی باقی رہ جسم سکتا نہیں ہے نقش عالم میں
مگر ہے دیدۂ تر میں بسے وہ شکلِ نورانی

شبِ غم کی درازی کم نہیں روزِ قیامت سے
غم و اندوہ و فریاد و فغاں ہیں مونسِ جانی

تڑپتا ہے دلِ مضطر ترستی ہیں مری آنکھیں
دکھا دیجے خدارا خواب ہی میں شکلِ نورانی

مجھے لکھنا ہے شاہِ رائپوری کا سنِ رحلت
ذرا دم لے دلِ وحشی ذرا تھم چشمِ طوفانی

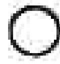
جھکائی تھی ذرا گردن ہوا القا مجھے فوراً
زبانِ فارسی میں لکھ دیا اک شعرِ لاثانی

عیاں ہے جس کے ہر مصرع سے سالِ وصلِ ہجری
ہوئی عبد الاحد کے حال پر تائیدِ یزدانی

وصالِ شیخِ کامل سیدِ دنیا و دیں سالش
بیاد آرید سنِ رحلت وصالِ شیخِ ربانی

۳۷ ھ ۱۳ — ۳۷ ھ ۱۳

قاری حافظ محمد طاہرؒ صاحب۔ خلف الصدق حضرۃ مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند



کس کے غم میں ہے زمانہ مبتلا
آج عالم میں ہے کیوں ظلمت بپا

جس کو دیکھو ششدر و حیران ہے
یا الٰہی سانحہ یہ کیا ہوا

آسماں کیوں رو رہا ہے زار زار
پھرتی ہے کیوں مضطرب بادِ صبا

روئے روشن پہ لیا کس نے نقاب
کیوں شبِ دیجور عالم ہو گیا

کیا ہوا ہے مہرِ تقویٰ کا غروب
روزِ روشن کیوں شبِ یلدا ہوا

کیوں ہر اک دل ہو رہا ہے بیقرار
کہیے کیا ہے، باعثِ آہ و بکا

باغ میں کیوں پھول مرجھانے لگے
بادِ صرصر کیوں ہوئی بادِ صبا

کیوں صدائے ہائے و ہُو آنے لگی
کیا ہوا اے ہم نشیں یہ کیا ہوا

دیکھ کر متعجب و حیراں مجھے
کوئی رو کر مجھ سے یہ کہنے لگا

کچھ خبر تجھ کو نہیں اے بے خبر
اور تو اب تک نہیں ہے جانتا

خضرِ راہِ دیں شہِ عبد الرحیم
قطبِ دوراں ہادیٔ راہِ خدا

عارفِ یکتا، امامِ سالکین
متقی و صاحبِ صدق و صفا

جامعِ شرع و طریقت بحرِ علم
رہنما وَ مقتدا وَ پیشوا

ماہتابِ آسمانِ معرفت
مہرِ عالمتاب چرخِ اصطفا

نیرِ رخشان و برجِ علمِ دیں
آفتابِ آسمانِ اعتلا

مقتدائے مقتدایانِ جہاں — رہنمائے سالکانِ باصفا

آج اس دُنیائے دوں سے چل بسے — آہ واویلا دریغا حسرتا

یہ خبر سُن کر اُڑے ہوش و حواس — بیخود و حیران و ششدر رہ گیا

گیا غمِ جانکاہ کا کوہِ گراں — ہائے سینوں پہ ہمارے گر پڑا

کیوں نہ چھا جاتے اندھیرا ہر طرف — چھُپ گیا خورشید زُہد و اِتّقا

آپ جنت کو سُدھارے شاد شاد — پر ہُوئے ہم رنج و غم میں مُبتلا

اُن کا کیا غم وہ تو ہیں وصلِ بحق — غم تو یہ ہے ہم ہُوئے اُن سے جُدا

آپ ہی سے رائپور تھا نُور پور — اب تو وہ ٹانڈہ بھنیڑا ہو گیا

ہائے وہ صُورت نہیں آتی نظر — دل کے آئینوں کی تھی جس سے جِلا

پاک صُورت، پاک سیرت، پاک ذات — خلق تو ایسا نہ دیکھا نہ سُنا

ہست معراجِ سلوک اے ہم نشیں — استقامت بر طریقِ مُصطفےٰ

تا دمِ آخر جماعت سے نماز — آپ نے اللہ اکبر کی ادا

بخت خفتہ جاگ جاتے خواب میں — گر وُہ دکھلا دیویں رُوئے پُر ضیا

صبر کر اے طاہرِ شوریدہ دل — ہائے ہائے سے بھلا ہوتا ہے کیا

طاہرِ غمگیں قلم کو تھام لے — ہاتھ اُٹھا بہرِ دُعا پیشِ خدا

جب تلک باقی رہیں شمس و قمر — اور ہے جب تک کہ یہ ارض و سما

باغِ عالم میں کھلیں جب تک کہ گُل — اور جب تک گُل پہ ہو بُلبُل فدا

نامِ نامی آپ کا زندہ رہے — ہے دلِ مضطر کی یہ دل سے دُعا

رَبَّنَا فَاغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْ عَلَیْہِ — اَعْطِہٖ خُلْدًا نَعِیْمًا دَائِمًا

حضرتِ مغفور کا سالِ وفات

طاہرِ ناشاد لکھ غفراں ادا

۳۷ ۱۳ ھ

از :—— جناب مولوی قاری حافظ محمد طیب صاحبؒ خلف الرشید حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند



سراپا سوزشِ عشقم سراپا چشمِ گریانم — تلاطم ہائے بے پایاں ہے بیں در موجِ طوفانم
ز اُمیدے بدل دارم ز فیضِ نا اُمیدیہا — نہ حرماں آرزو دارم کہ خود تصویرِ حرمانم
ز ہستی صورتے دارم ہیولائش عدم باشد — ز سوزِ برق تخمے نیم ز برقِ سوزِ امکانم
نہ تنہا رفت آں جانِ جہاں از عالمِ خاکی — رواں شد از پسِ او حسرت و اُمید و ارمانم
بہ بیں در بے سر و سامانیِ من صورتِ ساماں — فغان و گریہ و سوز و گداز و آہ و سامانم

بمرآتِ دلم تصویرِ جاناں جلوہ آرا شد
بہ بیں اعجازِ اُلفت دردِ دل آخر مسیحا شد

گدازِ شمع اُٹھتا ہے ہر اک شعلہ سرِ غم کا — رہِ ہستی میں رہزن ہے مرا دم ہی مرے دم کا
وہ دل جس میں تمنائے لقائی ہائے اب گھر ہے — الم کا، رنج کا، اندوہ کا، حرماں کا غم کا
فراقِ یار میں مضمر ہے وصلِ یار کی دولت — بری آنکھوں میں ہے ہر وقت نقشہ قطبِ عالم کا
سرور آہ لب پر دیدۂ تر عازمِ طوفاں — عجب کیفیت افزا آج ہے حسنِ خانہ ماتم کا
فراقِ قطبِ عالم میں بہائے اشک کے موتی — ٹھکانے لگ گیا گنجینہ میری چشمِ پُرنم کا

نہ پوچھ اے ہم نفس افسانۂ غم سخت مشکل ہے
اُٹھائے سر پہ جو کوہِ الم کو وہ مرا دل ہے

وہ کشتی ہوں کہ خود ہی اسکے حق میں موجِ طوفاں ہوں
ہو جس کا دانہ دانہ برق آسا میں وہ خرمن ہوں

وہ انساں ہوں کہ رشکِ شمع ہے موجِ نفس میرا
نفس سے میں رہِ ہستی کے حق میں خود ہی رہزن ہوں

ہراساں ہے مگر اب مجھ سے صیادِ اجل خود بھی
شکارِ خوف ہے جس جا نہیں وہ صحرا سے ایمن ہوں

ہوا آلودہ میرے درد سے دامانِ درماں بھی
کہ ہے گردِ کدورت نفس جس کا میں وہ دامن ہوں

بچھا ہے دردِ محشر بھی مرے اک تارِ حسرت سے
بنے جس کا ایک گوشہ وادیِ محشر وہ دامن ہوں

نہ تنہا سینہ ام در سوختن تا محو فریادم
شکنجِ خوں شدہ در دل بدیدہ سوختہ خواہم

بہارِ گلشنِ عالم کی کوئی دن ہے نشاں باقی
ہمیشہ کے لیے ہے ذاتِ خلاقِ جہاں باقی

نہ کیوں تیرہ ہو دردِ غم سے بزمِ عالمِ امکاں
کہ شمعِ بزم پرور کا نہیں نام و نشاں باقی

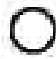
اٹھا عالم سے قطبِ وقت شیخِ ملتِ بیضا
رہے گی کیسے یا رب قوتِ اسلامیاں باقی

وفاتِ حضرتِ عبدالرحیم رائپوری سے
جگر باقی نہ دل باقی نہ تن میں طاقتِ جاں باقی

محیطِ ارض ہے سیلاب اپنی چشمِ گریاں کا
اب اے آہِ رسا ہے صرف تیرا امتحاں باقی

نمی گنجد بظرفِ جذبۂ دل اضطرابِ من
برون از شیشہ باشد موج زن جوشِ شرابِ من

از: جناب مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب[ل] مستقلی مرحوم متعلم دارالعلوم



أَعِقْدُ الثُّرَيَّا سِلْكُهُ اخْتَلَّ مِنْ عَلٍ ۔۔۔ تَتَابَعَ نَجْمٌ ثُمَّ نَجْمٌ بِجَنْدَلِ

کیا اوپر سے ثریا کے ہار کی لڑی پراگندہ اور منتشر ہو گئی کہ تارے پے در پے اور ایک پر ایک سخت پتھر پر آ پڑے

تَسَاقَطَ دُرٌّ ثُمَّ دُرٌّ مُجَلَّلٌ ۔۔۔ لِسِمْطِ يَمَانِيِّ الْعَقِيقِ مُسَلْسَلِ

عقیق یمانی کے مسلسل لڑی سے بڑے بڑے موتی یکے بعد دیگرے گر پڑے

طَوَارِقُ عَطْشَى مَا وَجَدْنَ مَوَارِدًا ۔۔۔ سِوَى مَا حَمَيْنَا مِنْ مَعِلٍّ وَمَنْهَلِ

راتوں کو نازل ہونیوالے پیاسے مصائب نے بجز ان گھاٹوں کے جن کو ہم نے اوّل مرتبہ اور مکرر پینے سے محفوظ کر رکھا تھا اور کوئی گھاٹ نہ پایا

أَإِنْسَانَ عَيْنِي كُفَّ بَعْضَ مَدَامِعِي ۔۔۔ لَئِنْ سَاءَكَ الدُّنْيَا فَلَسْتَ بِأَوَّلِ

اے میری آنکھ کی پتلی! تو کس قدر میرے جاری آنسوؤں کو روک، واللہ اگر تجھے دنیا نے غم دیا ہے تو اول دفعہ کر، تو پہلا غم رسیدہ نہیں ہے

نَجُدْتَ بِسِمْطَيْ لُؤْلُؤٍ مُتَهَلِّلٍ ۔۔۔ رَطِيبٍ فَيَا مِنْ جَائِدٍ غَيْرِ مُؤْتَلِ

اور تو نے ان آنسوؤں کے ساتھ جو صفائی اور لطافت میں بمنزلہ ترو تازہ اور چمکتے ہوئے موتی کی دو لڑیاں کی ہیں سخاوت کی۔

پس وائے تعجب اس کوتاہی کرنے والے سخی پر!

فَلَوْ كَانَ تَذْرَافُ الدُّمُوعِ شَفَى أَسًى ۔۔۔ بَرِئْتُ مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ بِأَعْجَلِ

اسلئے کہ اگر آنسوؤں کا بہنا رنج و غم کو شفا دے دیا کرتا تو البتہ تو بہت جلد زمانہ میں اس مشکل اور علاج مرض سے بری ہو گئی ہوتی

ل مولانا ابراہیم صاحب مستقلی مرحوم کے اشعار اور میرے اشعار کا ترجمہ جو کہ اس کے بعد ہیں قرب بانزدہ سن مولوی ظہیر الدین صاحب اعظم گڑھی نے کیا ہے ان کی استعداد و قابلیت کا اندازہ اس ترجمے سے اہل علم بخوبی کر سکیں گے۔

وَلٰكِنَّ حَدَثَانَ الزَّمَانِ رَمَيْنَنِي ... وَلَيْسَ لِرَيْبِ الدَّهْرِ مِنْ مُتَحَوَّلِ

لیکن حوادث روزگار نے مجھ پر تیر مارے۔ اور ان حالات کہ زوال دہر کیلئے پھر جانے یا پھر جانے کا کوئی مقام نہیں ہے

وَإِنِّي وَإِنْ كُنْتُ امْرَأً مُتَحَمِّلًا ... عَلَى كَاهِلِي رَضْوَى فَلَمْ أَتَزَلْزَلِ

اور تحقیق میں اگرچہ ایک ایسا شخص تھا کہ اپنے کاندھے پر رضویٰ پہاڑ اٹھا لیا کرتا تھا اور لغزش نہ کھاتا تھا

وَلٰكِنْ بَرَانِي ثُمَّ أَوْهَى جَلَادَتِي ... مَنَايَا فَأَلْقَى وَالْعَزَاءُ بِمَعْزِلِ

لیکن موتوں نے مجھ کو کاٹ ڈالا اور میری شدت اور قوت کو ضعیف اور سست کر دیا۔ پس میں ایسے حال میں پایا جاتا ہوں کہ صبر علیحدہ رہ گیا

فَمَا لِأَصْحَابِي الْأُلَى يَعْذُلُونَنِي ... يَقُولُونَ لَا تَهْلِكْ أَسًى وَتَجَمَّلِ

پس میرے ان عزیز ترین رفقاء کو کیا ہو گیا ہے جو مجھ کو ملامت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ہلاک مت ہو اور صبر کر

أَتَى نَبَأٌ نَارِيٌّ حَرٌّ فَصُدِّعَتْ ... بِهِ كَبِدٌ مِثْلَ الصَّدِيعِ التَّجَنُّجِ

ایک ایسی خبر موصول ہوئی جس میں آگ کی سی گرمی تھی جس کی وجہ سے قلب مانند ٹوٹے ہوئے آئینہ کے پاش پاش کر دیا

فَلَوْ لَمْ تَكُنْ نَارُ الْخَلِيلِ سَلَامَةً ... لَأَحْرَقَنِي بَعْضُ اللَّهِيبِ الْمُوَكَّلِ

پس اگر خدا کی اولیا پر آگ سالم نہ کر دی گئی ہوتی تو البتہ بعض مسلط کی ہوئی لپٹ مجھ کو جلا ڈالتی

قَضَى نَحْبَهُ الْهَادِي وَغَادَرَ صَحْبَهُ ... بِدَاهِيَةٍ ظَلْمَاءَ مِنْ غَيْرِ مَشْعَلِ

ہادی اور رہنما نے اپنی مدت حیات پوری کر لی اور اپنے ساتھیوں کو سخت اور تاریک مصیبت میں بغیر مشعل کے چھوڑ دیا

مَضَى لِسَبِيلِ اللهِ فَانْقَطَعَ الْهُدَى ... وَأُخْمِدَ نِيرَانُ الْقِرَى دُونَ عُيَّلِ

وہ خدا کی راہ میں چل بسا پس ہدایت منقطع ہو گئی اور ضیافت و مہمانی کی آگ حاجت مندوں کیلئے

بجھا دی گئی (رات کو بلند ٹیلوں پر آگ جلانا عرب کا طریقہ قدیم زمانہ میں اس لیے تھا کہ گم گشتہ مسافر اس کو دیکھ کر چلے آویں اور

رات کو قیام کریں اور اگر دل چاہے تو روانہ ہو جاویں۔ یہ آگ نار قری "مہمانی کی آگ" کے نام سے مشہور ہوئی۔

فَمَنْ يَحْتَمِي عِنْدَ النَّوَائِبِ أَيِّمًا ... وَيَرْحَمُ أَيْتَامًا وَيَرْأَفُ لِأَرْمَلِ

پس کون شخص نزول حوادث کے وقت بیواؤں کی حفاظت و نگہداشت اور مسکینوں پر رحم اور مسکین بے توشہ پر

لطف و مہربانی کرے گا

وَمَنْ يَحْمِلُ الْأَثْقَالَ عَنَّا إِذَا اعْتَرَى ... بِسَاحَتِنَا عَمْيَاءُ رُزْءٍ مُجَلِّلِ

اور کون شخص ہماری طرف سے بوجھوں کو اٹھائے گا، جب کہ ہمارے صحن دار میں بہت زیادہ سخت اور عظیم مصیبت پیش آ جائے

وَمَنْ يُرْشِدُ الْمُسْتَرْشِدِينَ رَشَادَهُ ... وَيَسْقِيهِمْ مِنْ كَأْسٍ أَعْذَبَ سَلْسَلِ

اور کون شخص طالبانِ رشد و ہدایت کی رہنمائی کرے گا اور ان کو زیادہ شیریں خوشگوار یعنی آسانی سے گلے میں اتر جانے والے پانی کے بھرے ہوئے پیالے سے سیراب کریگا

وَمَنْ نَهْتَدِي بِالنُّورِ مِنْهُ وَنَقْتَدِي ... بِأُسْوَتِهِ نَرْجُو سَنَاهُ وَنَجْتَلِي

اور ہم کس شخص کے نور سے ہدایت حاصل کریں اور کس کے طریقہ کی اقتداء کریں کہ امید کریں اس کی روشنی کی اور دیکھیں

وَمَنْ لِكِتَابِ اللّٰهِ يَنْشُرُ طِيبَهُ ... وَيُحْيِي بِهِ الْمَوْتَى وَيَقْضِي بِأَعْدَلِ

اور کون شخص کفیل ہوا کتاب اللہ کے لیے کہ اس کی خوشبو پھیلائے اور مدد دیا اسکے مُردہ زندہ کرے اور خیر الامور کے سب سے فیصلہ کرے

وَمَنْ لِبَنِي الْقُرْآنِ يَشْفِي صُدُورَهُمْ ... وَيَكْفُلُهُمْ تَسْمُو يَدَاهُ بِأَجْزَلِ

اور کون کفیل ہوا قرآن کی خدمت کرنیوالوں کے لیے کہ ان کے سینوں کو شفا دے اور ان کا کفیل ہو اس حال میں کہ بلند ہوں دونوں ہاتھ اسکے بخشش کے لیے

هُوَ السَّيِّدُ الْمَهْدِيُّ عَبْدُ الرَّحِيمِ مَنْ ... نَجِيبٌ بِأَنْوَارِ الْجَلَالِ مُكَلَّلِ

وہ سردار ہدایت دیے گئے شاہ عبدالرحیم ہیں جو کہ اصیل ہیں اور انوار عظمت و جلال کا تاج پہنائے گئے ہیں

حَسِيبٌ نَسِيبٌ أَرْيَحِيٌّ مُكَرَّمٌ ... نَدِيُّ الرَّاحِ فَيَّاضٌ أَغَرُّ مُحَجَّلِ

باعتبار حالات ذاتی و آبائی کے شریف اور خوش دلی سے سخاوت کرنے والے بزرگ کثیر الجود والفیض روشن رو مشہور ہیں

هُوَ الشَّمْسُ شَمْسُ الْأَوْلِيَاءِ وَبَدْرُهُمْ ... لَهُ قَدَمٌ فَوْقَ السِّمَاكَيْنِ فِي عَلِ

وہ سردار اور کامل اولیا کے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند ہیں

لَهُ غُرَّةٌ مِنْ بَاقِيَاتٍ صَوَالِحٍ ... بِنَاصِيَةِ الدُّنْيَا تَلُوحُ وَتَعْتَلِي

ان کے لیے روشنی اعمال صالحہ باقیہ کی ہے جو دنیا کی پیشانی پر چمکتی اور بلند ہوتی رہتی ہے

وَكَانَ إِمَامًا بَارِعًا مُتَوَرِّعًا ... مَجِيدًا وَذَا مَجْدٍ مَجِيدٍ مُؤَثَّلِ

وہ امام صاحب فضل و تقویٰ بزرگ اور زیادہ فضل بزرگی والے تھے

بِأَسْنٰى سِرَاجٍ يُسْتَضَاءُ بِنُوْرِهٖ وَأَنْوَرَ مِنْ شَمْسٍ وَبَدْرٍ وَأَجْمَلِ

ان کے زیادہ روشن ہو جانے والے چراغ کے نور سے روشنی حاصل کی جاتی تھی، وہ آفتاب و چاند اور جمیل تر سے زیادہ منور تھے

وَمَا اسْتَطَاعَتِ الدُّنْيَا بِإِتْيَانِ مِثْلِهٖ وَلَيْسَ يَجِيْءُ الدَّهْرُ مِنْهُ بِأَمْثَالٍ

دنیا ان کے مانند لانے پر قادر نہ ہوئی اور نہ زمانہ ان کے ہم مثل لاسکے گا

أَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ كَيْفَ ضَمَّ ضَرِيْحُهٗ بُحُوْرَ النَّدٰى أَطْوَادَ فَضْلٍ مُعَوَّلٍ

کاش! میں اس امر سے واقف ہو جاؤں کہ قبر نے دریائے سخاوت اور معتمد علیہ فضل کے پہاڑوں کو کیونکر اپنے اندر لیا

لَحَى اللّٰهُ دَهْرًا سَاءَنَا بِفِرَاقِهٖ فَحُزْنُ كِرَامِ النَّاسِ لَمْ يَتَزَيَّلِ

اللہ تعالیٰ زمانہ کو ہلاک کرے کہ اس نے ہم کو اس کے فراق سے صدمہ پہنچایا، اس لیے کہ برگزیدگان بنی آدم کا غم ہمیشہ باقی رہے گا

بَكَاهُ حَبِيْبٌ ذُو الْكَمَالِ وَأَحْمَدُ وَفَاضَتْ دُمُوْعُ الْأَنْوَرِ الْمُتَمَلْمِلِ

ان کی موت پر مولانا مولوی حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و مولانا مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مددگار مہتمم

فضل و کمال والے روئے، اور مضطرب و بے قرار انور اساتذہ حضرت مولانا مولوی سید انور شاہ صاحب کے آنسو بہ پڑے

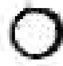
سَلَامٌ عَلٰى خَيْرِ الْقُبُوْرِ لِأَشْرَفِ الْ‍بَرَايَا تَحِيَّاتُ الْخَلِيْلِ الْمُؤَمِّلِ

اشرف المخلوقات کے بہتر قبر پر سلامتی ہو۔ تحیات ہوں خلیل امیدگاہ کے

خَلِيْلَيَّ أَهْلُ الرَّبْعِ وَلّٰى حُمُوْلُهُمْ قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى حَبِيْبٍ وَمَنْزِلِ

اے میرے دو رفیق اہل منزل کے اونٹوں نے کوچ کر دیا، تم ٹھہر جاؤ کہ ہم حبیب اور منزل کی یاد سے روئیں۔

قاری حافظ محمد عتیق الرحمٰن صاحب صاحبزادہ حضرت مفتی (عزیز الرحمٰن) صاحبؒ دارالعلوم دیوبند



جب نہاں زیرِ کفن وہ روئے رخشاں ہو گیا
دن ہمارا بدتر از شامِ غریباں ہو گیا

عندلیبِ خوش نوا نے نغمہ سنجی چھوڑ دی
ہُو کا عالم آج کل صحنِ گلستاں ہو گیا

جب گئی جنت میں رُوحِ پاک حضرت کیا کہوں
ہر طرف سے اژدحامِ حُور و غلماں ہو گیا

یہ وہ صدمہ ہے کہ جو دل سے نکل سکتا نہیں
یہ وہ غم ہے جو دلِ بے تاب کی جاں ہو گیا

غم غلط ہو جائے گا کٹ جائیں گے فرقت کے دن
صدمۂ ہجر آپ کا سینہ میں مہماں ہو گیا

بس گئی اُجڑی ہوئی بستی خدا کا شکر ہے
عکسِ رُوئے پُر ضیا دل میں درخشاں ہو گیا

اس غمِ جانکاہ سے تابِ شکیبائی نہیں
چشم گریاں سینہ بریاں دل پریشاں ہو گیا

فرقتِ قطبِ زماں سے کیسی وحشت بڑھ گئی
یہ تفرج گاہِ عالم مجھ کو زنداں ہو گیا

چھا گیا اطرافِ عالم میں اندھیرا ہائے ہائے
گُل چراغِ علم و فضل و زہد و عرفاں ہو گیا

محفلِ ارشاد و تلقیں سے اُٹھا اک شیخِ وقت
محفلِ مسترشدیں میں محشرستاں ہو گیا

آپ دُنیا سے گئے ہم اپنے آپے سے گئے
زندگی بھر کے لیے وحشت کا ساماں ہو گیا

میں ہی کچھ تنہا نہیں ہوں بے قرارِ دردِ ہجر
ایک عالم ہے جو اس غم سے پریشاں ہو گیا

تیغِ فرقت سے لیے فضائے دل ہے دشتِ کربلا
قتلِ عامِ حسرت و امید و ارماں ہو گیا

گردشِ چشمِ حق آگیں کی حقیقت کیا کہوں
جس طرف کو پھر گئی گنجِ شہیداں ہو گیا

اے عتیق خستہ دل لکھ سال وصل از روئے آہ
گل چراغ مجد و زہد و علم و عرفاں ہو گیا

۱ + ۳۶ ھ ۱۳

۳۷ ۱۳
ھج



سوانح

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

یعنی

عہدِ حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی، اُن کی شخصیت، اُن کے نمایاں صفات، اُن کا اندازِ تربیت، توازن و جامعیت، تعلق باللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثیر اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز اور دل آویز تذکرہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تلخیص

سید نفیس الحسینی

اے فراقِ تو یارِ دیرینہ
غمِ تو غمگسارِ دیرینہ

دردِ تو میہمانِ ہر روزہ
داغِ تو یادگارِ دیرینہ

خسروؔ

"آہ قطب الارشاد گزشت"
۱۳۰۸۲ ھ

چوں حضرتِ شیخِ شاہِ عبدالقادر
درشوق بہ فردوسِ بریں رخت نہاد

تاریخِ فراق با غم و دردِ نفیس
نبوشت: "گزشت آہ قطب الارشاد"
۱۳۸۲ ھ

قطب الارشاد حضرت مولانا عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت وطفولیت

حضرت مولانا عبد القادر صاحب کو خود یا آپ کے کسی بھائی یا عزیز کو تعین کے ساتھ آپ کا سنہ ولادت یاد نہیں، اس وقت کسی کو بھی اس کا احساس نہیں ہوگا کہ یہ بچہ آگے جاکر کتنا بڑا شیخ اور عارف ہونیوالا ہے اس لئے گاؤں میں پیدا ہونے والے بچوں کی طرح کسی نے آپ کا سنہ ولادت لکھنے یا یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا، لیکن بعض قرائن اور قیاسات سے تقریبی طریقہ پر آپ کے سن ولادت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ فرماتے تھے کہ میں بہت بچہ تھا، میں نے اپنے سب بڑوں کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ خیر کرے چودھویں صدی چڑھ رہی ہے، میں اتنا چھوٹا تھا کہ صدی کے

چڑھنے (یعنی صدی کے شروع ہونے) کا مطلب نہیں سمجھتا تھا، میں سمجھا کہ جیسے سورج چڑھتا ہے اسی طرح کوئی نئی چیز چڑھنے والی ہے۔ چنانچہ میں مشرق کی طرف بہت غور سے دیکھتا تھا کہ صدی کیسے چڑھتی ہے؟

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۹-۱۰ سال سے زیادہ نہیں ہوگی، اگر اسکو صحیح مان لیا جائے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) کے کچھ بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ کبھی کبھی حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ میرا سن اس وقت ۹۰ برس کا رہا ہوگا۔

آپ کا نام والدین نے غلام جیلانی رکھا اور یہی نام آپ کا اس وقت تک رہا جب آپ رائے پور حاضر ہوئے، آپ کے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب نے نام دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، غلام جیلانی، ارشاد ہوا کہ آپ تو عبدالقادر ہیں، اسوقت سے یہی نام مشہور ہوا، اب بھی علاقے کے اکثر لوگ غلام جیلانی ہی کے نام سے جانتے ہیں اور کاغذات میں بھی اسی نام سے اندراج تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سکھوں کی علمداری ختم ہو کر نئی نئی انگریزی حکومت قائم ہوئی تھی اور پنجاب کے علاقہ میں جو سکھوں کی فوجی حکومت کی بے آئینی اور وقت بے وقت کی غارتگری سے تاخت و تاراج ہو رہا تھا، نیا نیا امن اور نظام قائم ہوا تھا، اور لوگوں کی جان میں جان آئی تھی، حضرت فرماتے تھے جب ہمارے باپ چچا سونے کو لیٹتے تھے تو اللہ کا بڑا شکر ادا کرتے تھے اور دیر تک الحمدللہ الحمدللہ کہتے تھے، میں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں بڑی دیر تک الحمدللہ کہتے رہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا بیٹا تم کیا جانو کہ ہم نے کیسا زمانہ گزارا ہے، سکھ عامل آتے تھے اور ہماری کھڑی فصلیں کاٹ لے جاتے تھے نہ ہمارے گھر میں کوئی کپڑا چھوڑتے تھے اور نہ کھانے کا کوئی سامان، ہم چنے کے ٹکڑے بھون بھون کر کھانے کی

دبت آتی تھی، سردی میں اوڑھنے کیلئے کپڑا نہیں ہوتا تھا، اب ہم لحاف اوڑھتے ہیں تو بے اختیار اللہ تعالیٰ کا شکر زبان سے جاری ہوجاتا ہے۔!

حضرت کا رنگ بچپن میں زیادہ سانولا تھا، حافظ احمد صاحب کو اپنے سب لڑکوں میں حضرت سے زیادہ محبت تھی، لوگ طعنہ دیتے تھے کہ اپنے سب خوبصورت لڑکوں میں آپ کو اس لڑکے سے محبت ہے، فرماتے تھے کہ تم اس کو کیا جانو جب اس کے ہنر کھلیں گے تب تم پہچانو گے

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے چچا حافظ محمد یٰسین صاحب اور مولانا کلیم اللہ صاحب سے پائی، چچا صاحبان اکثر کھیوڑے میں رہتے تھے، آپ نے مولانا کلیم اللہ صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا، اس وقت ڈھڈیاں کے قریب بھرت شریف اور جھاوریاں[۱] تعلیم کے مرکز تھے، آپ نے دونوں مقامات پر مولانا محمد خلیل صاحب سے تعلیم حاصل کی۔

مولانا محمد خلیل صاحب بھرت شریف کے رہنے والے تھے، جھاوریاں میں پڑھاتے تھے، بڑے مخلص، صاحب نسبت علماء میں سے تھے، حسبۃً للہ درس دیا کرتے تھے، مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پیدل جارہے تھے، قافلہ سے بچھڑ گئے، پیاس کی شدت سے بے ہوش ہوکر گر گئے، ایک سن رسیدہ بدوی خاتون نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا، اس کے پاس صراحی تھی اس نے قطرہ قطرہ منہ میں ٹپکایا، اس سے ہوش آیا، ہوش آتے ہی انھوں نے دیکھا کہ ان کا سر ایک بوڑھی عورت کے زانو پر ہے، پہلا کلمہ یہ فرمایا کہ تم نامحرم ہو، میرا سر اپنے زانو سے ہٹالو، اسی بیہوشی کی حالت میں سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ ان کو بیعت کرلو، اور سلسلۂ قادریہ

---

(۱) یہ ایک آباد اور پررونق قصبہ ہے اور ڈھڈیاں سے چھ میل مغرب کی طرف واقع ہے۔

کا ذکر تلقین کرو، وہاں سے واپس آئے تو بڑا رجوع ہوا، آپ پر استغراق اور جذب کا غلبہ ہوا اور اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ حضرت رائپوری فرماتے تھے کہ یہ ان کی بے لوث اور خالصۃً لوجہ اللہ خدمت وعمل کا نتیجہ تھا۔[1]

بھاوریاں میں مسجد عنایت والی میں تقریباً سات ماہ یا کم وبیش قیام رہا، اس وقت عمر پندرہ یا سولہ سال کی رہی ہوگی[2] آپ کے تایا زاد بھائیوں کی خواہش تھی کہ آپ ہمارے جانوروں کی نگرانی کریں اور ہم دوسرا کام کریں، آپ کے والد صاحب کو یہ بہت ناگوار تھا، فرماتے تھے کہ مجھے تم کام کرتے اچھے نہیں معلوم ہوتے، میری آرزو یہ ہے کہ تم پڑھو۔

آپ نے مراح الارواح اور قال اقول تک مولانا محمد خلیل صاحب سے پڑھا، غالباً وطن میں اور وطن کے قریب رہ کر تعلیم کا جاری رکھنا دشوار نظر آتا تھا، یوں بھی ہندوستان کا مرکزی اور شمالی حصہ (دہلی وصوبہ جات متحدہ) علمی وتعلیمی مرکز تھا، اور وہاں بڑے بڑے نامور اور جید علماء موجود تھے، جن سے پڑھنے کیلئے افغانستان اور سرحد اور پنجاب کے دور دراز گوشوں سے طالب علم جایا کرتے تھے، عام طور پر اس حصہ کو پنجاب میں "ہندوستان" کہتے تھے،

تحصیل علم کیلئے ہندوستان کا سفر

آپ نے دہلی اور اس کے آس پاس کے علمی مرکزوں میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا، کچھ روپئے جو گھر میں تھے لئے، اور جہلم پار کرکے للہ سے گاڑی پر سوار ہوئے، اس وقت خوشاب اور ملک وال کے درمیان ریل تھی، اس حصہ کو ریل سے طے کرکے آپ نے بقیہ سفر طے کیا جس کی تفصیل معلوم نہیں،

---

(۱) مولانا محمد خلیل صاحب کے ایک صاحبزادہ مولانا محمد رفیق تھے جنکو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تلمذ حاصل تھا اور آپ ہی کے مسلک عقائد پر تھے، (۲) روایت صوفی غلام فرید صاحب ساکن بھاوریاں۔

سہارن پور[1] اس وقت مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی شرح جامی بہت شہرۂ آفاق تھی، لوگ کابل وقندھار سے مولانا ثابت علیؒ[2] سے شرح جامی پڑھنے آتے تھے، فارغ التحصیل طلبا بھی شرح جامی کے شوق سے سہارنپور کا سفر اختیار کرتے تھے، آپ بھی شرح جامی پڑھنے کے شوق سے سہارنپور آئے، یہ غالباً ۱۳۱۴ھ کا زمانہ ہے، اصل مقصد تو مولانا ثابت علیؒ سے شرح جامی کا پڑھنا تھا، ضابطہ میں مدرسہ کے قواعد کے مطابق تین سبق اور ہوں گے، بنجاروں کے محلہ کی کسی مسجد میں قیام تھا، حضرت اس زمانہ کے کچھ قصے بھی

---

(۱) حضرت اپنے حالات کے تذکرہ میں سنین کا تعین بہت کم فرماتے تھے سہالات بھی تاریخی ذہن سے نہیں بلکہ عبرت یا تربیت کی مصلحت سے ضمناً بیان فرمادیا کرتے تھے، اس بنا پر ان مقامات میں تاریخی ترتیب قائم کرنی بھی مشکل ہے جہاں آپنے تعلیم کی غرض سے قیام کیا، لیکن خوش قسمتی سے آپنے اکثر مقامات کے تذکرہ میں بعض ایسے واقعا کا تذکرہ فرمایا ہے جنکے سہارے انکے زمانہ کا تعین اور ان میں ترتیب قائم کی جا سکتی ہے سہارنپور کے تذکرہ میں آپنے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (فرزند مولانا احمد علی صاحب محدثؒ) سہارنپوری کے پڑھنے کا پانی پت میں مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ کی قرأت سننے کا اور اپنے زمانۂ قیام میں ان کی وفات کا دہلی کے تذکرہ میں مولانا انور شاہؒ کے درس میں شامل ہونے اور ان کے مدرسۂ امینیہ میں مدرس ہونے کا تذکرہ فرمایا،

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو رخصت لے کر سہارنپور سے حیدرآباد تشریف لے گئے، اور قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ نے ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو وفات پائی مولانا انور شاہؒ صاحب کا تقرر بحیثیت صدر مدرس مدرسہ امینیہ ۱۰ شعبان ۱۳۱۶ھ کو ہوا، اور آپ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ کو اپنے والد صاحب کے اصرار پر وطن چلے گئے، اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ پہلے سہارنپور پھر پانی پت اور آخر میں دہلی گئے، پانی پت اور دہلی کے زمانۂ قیام کے درمیان آپنے رامپور قیام فرمایا ہوگا، بعض مرتبہ آپنے فرمایا بھی کہ آپ رامپور سے دہلی تشریف لے گئے تھے۔

(۲) مولانا ثابت علی بڑے مخلص اور متقی علماء میں سے تھے، آپ مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم کے چچا تھے، مدرسہ مظاہر العلوم کے نہایت ہی قدیم مدرسین میں تھے، مدرسہ ہی میں اول تا آخر پڑھا پھر دو روپے پر نائب مدرس رکھے گئے اور اخیر عمر تک مدرسہ ہی میں زندگی گزار کر سہارنپور ہی میں ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ کی شب میں وفات پائی وہیں مدفون ہوئے (افادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ العالی)

سنایا کرتے تھے، مولانا سید عبداللطیف سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم کی تعریف میں بارہا یہ فرمایا کہ اس زمانہ میں یہ بے ریش تھے، ہم لوگ تو عصر کے بعد سیر سپاٹے میں رہتے اور مولانا عبداللطیف صاحب اس نوعمری میں جامع مسجد کے حوض کی پٹری پر قبلہ رخ بیٹھ کر حفظ قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، اس وقت ناظم صاحب مرحوم کی ابتدائی کتابیں تھیں اور حضرت کے یہاں متوسط[1]۔

سہارنپور میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (فرزند مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری) سے بھی پڑھا اور ایک مسجد میں امامت بھی کی، اسی زمانہ میں غالباً حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی پہلی زیارت ہوئی، شاید اس وقت خیال بھی نہ ہو کہ بالآخر انہی کے قدموں میں زندگی گزارنی ہے۔

پانی پت

یہاں سے آپ پانی پت آئے، یہ ۱۳۱۴ھ تھا فرماتے تھے کہ ہمیں قاری عبدالرحمٰن صاحب کا قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا، آپ کا معمول تھا کہ وعظ سے پہلے ایک رکوع پڑھتے تھے، ہمیں سن کر تعجب ہوا کہ بہت سادہ پڑھتے ہیں، ہمارے پہونچنے کے اٹھارہ جمعے بعد قاری صاحب کی وفات ہوئی۔

آپ نے پانی پت میں مختصر قیام کیا، محلہ تنگی والا میں مدرسہ تھا، رہائش جامع مسجد میں تھی[2]۔ وہیں مولانا محمد یحییٰ صاحب[3] سے شرح جامی پڑھی، فرماتے تھے کہ شرح جامی کا یہ نسخہ

---

(۱) افادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ (۲) مسودہ صوفی محمد حسین صاحب (۳) مولانا محمد یحییٰ صاحب کے والد کا نام حافظ محمد عابد صاحب عثمانی تھا۔ آپ پانی پت کے مشہور عثمانی خاندان (جس میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی ہستی مشہور و معروف ہے) میں تھے، پانی پت کے مدرسہ اسلامیہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب عثمانی اور مولانا لطیف اللہ صاحب (والد مولانا لقاء اللہ صاحب) سے تحصیل علم کی، مولانا رحمت اللہ صاحب کے انتقال کے بعد اس مدرسہ میں آخر وقت تک تعلیم دیتے رہے، روحانی تعلق حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے تھا، انکی وفات کے بعد آپنے حضرت مظفر شاہ صاحب مرادآبادی اور حضرت مولانا تھانویؒ سے تعلق قائم کیا، انتقال تقریباً ۱۹۱۶ء میں ہوا (افادہ مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی)

مولانا محمد یحییٰ صاحب ہی کی ملکیت تھی، دوران مطالعہ میں جلد ٹوٹ گئی میں نے ڈر کر اس کو کسی طرح ٹھیک کر کے واپس کیا[1]، پانی پت میں آپ نے مولانا راغب اللہ[2] صاحب سے بھی پڑھا، مولانا لقاء اللہ صاحب پانی پتی فرماتے ہیں کہ حضرت نے کچھ ان کے والد صاحب مولانا لطیف اللہ صاحب سے بھی پڑھا، اس زمانہ میں قصبہ کے بعض علماء و شرفاء بعض ممتاز طالب علموں کو اپنے گھر پر کھانا کھلایا کرتے تھے اور اپنے بچوں ہی کی طرح برتاؤ کرتے تھے، مولانا لطیف اللہ صاحب کے گھر جو معزز طالب علم کھانا کھاتے تھے ان میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بھی تھے، مولانا لقاء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری والدہ صاحبہ مرحومہ اکثر حضرت کا نام لیا کرتی تھیں، اور یہ بھی کہا کرتی تھیں کہ تو ان کی خدمت میں بہت گستاخ تھا، مولانا فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۶ء میں ایک مجلس میں حضرت کی زیارت ہوئی میں حضرت کی طرف بغور دیکھ رہا تھا، حافظ عبدالجلیل صاحب دہلوی نے حضرت سے فرمایا کہ یہ مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتی ہیں، حضرت نے بغور چہرہ کو دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے والد کا نام مولوی لطیف اللہ ہے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت نے معاً گلے سے لگا لیا اور پیار کیا اور والدہ صاحبہ کی خیریت دریافت کی اور مسکراتے ہوئے پچھلی باتیں یاد دلاتے رہے[3]

---

(۱) روایت مولانا محمد وجیہ عثمانی صاحب خلف مولانا محمد یحییٰ پانی پتی، مولانا محمد وجیہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت نے اس واقعہ کا تذکرہ کر کے اس کتاب کے دوبارہ دیکھنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا لیکن اس کتاب کے متعلق مولوی محمد وجیہ صاحب کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ (۲) مولانا راغب اللہ صاحب مولانا محب اللہ صاحب عثمانی کے فرزند تھے ان کا مکان مدرسہ کے نام سے ۱۹۴۷ء تک مشہور رہا، مولانا راغب اللہ صاحب نے مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ اور مولانا لطیف اللہ صاحب علیگڑھی سے سند حاصل کی، روحانی تعلق حضرت قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی سے رکھتے تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت شاہ مظفر مراد آبادی سے رجوع فرمایا، تقریباً ۱۳۳۲ھ میں انتقال کیا اور حضرت قاری صاحبؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے (افادہ مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی)

(۳) مکتوب مولانا لقاء اللہ صاحب۔

حضرت فرماتے تھے کہ پانی پت میں جس مسجد میں رہتا تھا کچھ عامی لوگ آئے کہیں سے فاتحہ نذر کی روٹی آئی تو انھوں نے نہیں کھائی، وہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، مجھے تعجب ہوا کہ آپ کی نسبت اور تاثیر اتنی قوی ہے کہ جاہل عامیوں کے اندر بھی بدعات سے اجتناب کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

رام پور رام پور کی معقولات اور منطق کی (جس کی پنجاب اور مغربی ہندستان میں بڑی اہمیت تھی) بڑی شہرت تھی، مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی اور ان کے تلامذہ نے اپنے قیام اور تدریس سے اس کو معقولات کی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا تھا۔ شیخ محمد طیب عرب صاحب بھی وہیں تھے، اور نواب کلب علی خاں خلد مکاں کی جوہر شناسی اور علم سرپرستی نے بڑے بڑے اہل کمال اور ماہرین فن کو رام پور کھینچ لیا تھا جو ان کی وفات کے بعد بھی عرصہ تک رام پور کی زیب و زینت رہے۔ کچھ عجب نہیں کہ منطق اور علوم عقلیہ کے شوق میں جو قدیم درس نظامی کے مایۂ ناز مضامین تھے، آپ نے رام پور کا سفر اختیار کیا ہو،

یہاں دستور تھا کہ طلبا مسجد میں رہتے تھے اور اہل محلہ ان کے کھانے کے متکفل ہوتے تھے، اس وقت سرحد وغیرہ کے طلبا یہاں کثرت سے پڑھتے تھے اور وہی نو وارد طلبا کے لئے کوئی مسجد دلوا دیتے تھے، آپ کا یہاں دو مسجدوں میں قیام ہوا، مولانا ذوالفقار احمد صاحب رام پوری راوی ہیں کہ "ان دونوں مسجدوں میں حضرت خود رام پور تشریف آوری کے زمانہ میں ہمارے ساتھ ایک بار تشریف لے گئے، ایک شہر کے مغربی محلہ پھلواڑیں سے ہے جو حضرت کی طالب علمی کے زمانہ میں مولانا جعفر علی خاں کی مسجد کہلاتی تھی، اور اب چوک محمد سعید خاں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت نے ہم لوگوں کو مسجد میں گنبد پوش حجرہ دکھا کر فرمایا تھا کہ اس حجرہ میں میرا قیام رہا تھا، یہ حجرہ اب تک بحالہ موجود ہے، دوسری

مسجد شہر کے مشرقی حصہ محلہ گنج قدیم کی مچھلی بازار والی مسجد ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں ہی مسجدیں مچھلی والوں کی ہیں، حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت مدرسہ عالیہ رامپور نواب حیدر علی خاں کی کوٹھی[1] میں تھا، یہ نواب حامد علی خاں کے ابتدائی عہد حکومت کا زمانہ ہے۔"

حضرت فرماتے تھے کہ میرا جی یہاں نہیں لگا، شہر کی سڑکوں پر غریب ہندو کھیاں اُپلے بیچنے کو لاتے تھے، لوگ ان کو طرح طرح سے تنگ کرتے تھے اور اُپلے چھین چھین کر لے جاتے تھے، میں سوچتا تھا کہ ان مظالم کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں کیا ہوگا، فرماتے تھے کہ میں تھوڑے ہی دن یہاں رہا اور کچھ ابتدائی کتابیں یہاں پڑھیں، محلہ مدرسہ (جیل روڈ) پر ایک مولانا صاحب سے پڑھنے جاتا تھا، یہ بھی کبھی ارشاد فرمایا کہ حکیم احمد رضا خاں صاحب سے کچھ طب کی کتابیں بھی پڑھی تھیں[2]، فرمایا کرتے تھے کہ مجھے محلہ سے روٹیاں اور ایک پیسہ وظیفہ ملتا تھا اس پیسہ کے میں چنے لے آیا کرتا تھا، انھیں ابال کر کھا لیتا تھا[3]۔

آپ علمائے معقولات کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور ان کے حالات سے واقف ہونے کی بنا پر ان سے زیادہ متاثر اور ان کے عقیدت مند نہیں رہے تھے، ان کی آزادروی اور ان میں سے بعض کے عدم تورع اور بلند بانگ دعاوی سے آپ کی طبیعت متنفر ہو گئی تھی، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان منطقیوں اور ادیبوں میں تکبر اور حبِ جاہ دیکھا، وہ کسی عالم کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور "ہم چو من دیگرے نیست" ان کا قول تھا،

---

(۱) اب اس مقام پر غلہ کی منڈی ہے اور کشن گنج کے نام سے مشہور ہے (۲) حکیم صاحب لکھنؤ کے رہنے والے تھے، رامپور میں ایک بلند پایہ شخصیت، ماہر طبیب، نڈر، بہادر اور مرجع خاص و عام تھے، آپ کے صاحبزادے حکیم ہادی رضا خاں صاحب بانی نفع الطب اور حکیم حبیب رضا خاں صاحب مرحوم دونوں طبیب تھے
(۳) مکتوب مولانا ذوالفقار احمد صاحب رامپوری۔

والد صاحب کی آمد اور رام پور کی جفاکشانہ طالب علمی

فرماتے تھے کہ رامپور سے کسی دوست نے خط لکھ دیا کہ غلام جیلانی کا انتقال ہو گیا، مجھے جب اس کا علم ہوا تو میں نے خط لکھا کہ میں زندہ ہوں، والدہ صاحبہ نے والد صاحب سے اصرار کیا کہ اس کو لے کر آؤ۔ والد صاحب رام پور تشریف لے گئے، انھوں نے رام پور آ کر کسی استاد سے پوچھا کہ ہم اپنے لڑکے غلام جیلانی کو ڈھونڈنے آئے ہیں، انھوں نے کہا ابھی ابھی یہاں بیٹھے تھے، فلاں جگہ پڑھنے گئے ہیں پھر واپس آ جائیں گے، انتظار کر لو، انھوں نے فرمایا کہ نہیں ہم تو ابھی جائیں گے، انھوں نے ایک آدمی ساتھ کر دیا، فرماتے تھے کہ میں بازار سے گزر رہا تھا، میں نے دور سے والد صاحب کو پہچان لیا، پہلے میرے جی میں آیا کہ میں کہیں چھپ جاؤں، یہ کہیں مجھے واپس نہ لے جائیں، معاً خیال آیا کہ والد صاحب اتنی مسافت طے کر کے تشریف لائے ہیں، یہ بڑی بے مروتی اور سنگدلی ہے، میں نے ملاقات کی، بڑی محبت سے ملے، اور فرمایا کہ تمہاری والدہ نے اصرار کیا کہ میں تمہیں لے آؤں، تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ابھی پڑھوں گا جب تک فارغ نہیں ہو جاتا واپس نہیں جاتا، والد صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم پڑھ کر آؤ۔

رات کے وقت حضرت نے کہیں سے بستر مانگ کر والد صاحب کیلئے بچھایا، عرض کیا کہ آپ آرام فرمائیں، میں مطالعہ کر آؤں، آپ مسجد کے چراغ کی روشنی میں ازراہ احتیاط مطالعہ نہیں فرماتے تھے، بازار کی لالٹین کی روشنی میں مطالعہ کرتے تھے، بعض اوقات کھانا نہ ہونے کی وجہ سے مولی کے پتے اٹھا کر کھا لیا کرتے تھے،

اور کئی کئی وقت اسی پر گزارا ہوتا تھا، واپس آئے تو والد صاحب سو چکے تھے، سردی کا زمانہ تھا، خود ایک لپٹی ہوئی صف کے اندر گھس کر سو گئے، کپکپی سے ایسی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے کوئی چوہا یا بلی ہے والد صاحب جب یہ آواز سنتے تو چھڑی زمین پر پٹک کر اس کو بھگاتے جب بار بار اسکی نوبت آئی تو حضرت نے فرمایا کہ میں غلام جیلانی ہوں، آپ فکر نہ فرمائیں، اس حالت کو دیکھ کر والد صاحب کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس وقت آٹھ روپئے انکے پاس تھے، فرمایا کہ میرے پاس آٹھ روپئے ہیں، اس سے رضائی لبتر ابنوالو حضرت نے فرمایا کہ آپ میری فکر نہ فرمائیں، آپ کو راستہ میں ضرورت ہوگی، لیکن آپنے اصرار سے دے دیا، والد صاحب نے اساتذہ سے شکوہ کیا کہ آپ کا ایک طالب علم ہے، آپ اس کا خیال نہیں فرماتے، انھوں نے کہا کہ ہم نے مولوی صاحب سے ہر چند اصرار کیا مگر انھوں نے قبول نہیں کیا،

والد صاحب واپس وطن تشریف لے گئے اور یہ وعدہ لے لیا کہ خط لکھتے رہئے آپ خط لکھتے تھے اور جو کتابیں زیر درس تھیں، والد صاحب کی خوشی کیلئے ان کے نام بھی لکھ دیتے تھے، حافظ صاحب جھاوریاں جاکر مولانا محمد خلیل صاحب سے پوچھتے تھے کہ یہ کونسی کتابیں ہیں جن کو غلام جیلانی نے لکھا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں(۱)۔

رام پور میں مولوی عبد الرحمٰن(۲) صاحب لبتوی سے خاص تعلقات اور دوستی ہوگئی،

---

(۱) روایت حافظ محمد خلیل صاحب برادر اصغر حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۲) مولوی عبد الرحمٰن صاحب مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے اور بہت متشدد اہل حدیث تھے، انکی علمی استعداد بالخصوص نحو بہت اچھی تھی اخیر زمانہ میں رائے بریلی میں سکونت اختیار کرلی تھی، اور وہیں شادی کرلی، حضرت سے اس ناچیز نے جب اس کا تذکرہ کیا تو حضرت بہت خوش ہوئے، اکثر ان کی صحبتوں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے اور بڑی دلچسپی سے ان کے حالات دریافت فرماتے، ملاقات کی نوبت نہیں آئی، انکے صاحبزادے حکیم مولوی عبید اللہ صاحب نے حضرت سے شرف بیعت حاصل کیا،

یہ صاحب بانسی ضلع بستی کے رہنے والے تھے اور عدم تقلید اور مسلک اہل حدیث کی طرف ان کا شدید رجحان تھا، اکثر ان سے بحث بھی ہوتی تھی، آپس میں ایک دوسرے سے روٹھ بھی جاتے، اور پھر جیسا کہ نوعمری کا تقاضا اور طالب علموں کا طریقہ ہے پھر خود ہی مان بھی جاتے، انھیں کی معیت میں آپ نے رامپور سے دہلی کا قصد کیا، ممکن ہے کہ انھوں نے وہاں حدیث پڑھنے کا شوق دلایا ہو،

اس وقت سفر خرچ کے لئے صرف ایک آنہ پاس تھا، رام پور سے دہلی پیدل سفر ہوا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ راستہ بھر اسی ایک آنہ کے چنے پر گزر کیا، ایک جگہ دریا عبور کرنا تھا کشتی والے نے رعایت کی اور طالب علم سمجھ کر مفت اتار دیا۔

دہلی دہلی کا یہ سفر ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۹ء اور ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء کے درمیان پیش آیا، اگر پانی پت سہارنپور اور رامپور کی طالب علمی کم سے کم دو تین سال کی فرض کریں تو اغلب یہ ہے کہ یہ سفر ۱۳۱۷ھ یا ۱۳۱۸ھ میں ہوا ہوگا۔[1] غالباً مولوی عبد الرحمن صاحب کی رہبری اور مشورہ سے اور ان کے تعلقات کی بناء پر ابتداءً آپ کا قیام مولانا عبد الوہاب صاحب کے مدرسہ واقع صدر بازار میں ہوا، آپ کی نشست و برخاست زیادہ تر اہل حدیث طلباء وعلماء کے ساتھ رہتی تھی، اختلافی مسائل پر طالب علمانہ بحث و گفتگو اور مناظرہ رہتا اور نوعمری اور نوجوانی تھی گفتگو میں تیزی اور تندی بھی پیدا ہو جاتی اور مناظرہ کی بھی ٹھن جاتی

---

(۱) اس اندازہ کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت نے کئی بار اس کا تذکرہ فرمایا کہ جب ہم طالب علموں کے درمیان حنفیوں اور اہل حدیث کے مابہ النزاع مسائل پر بہت بحث ہوئی تو ہم نے آپس میں یہ طے کیا کہ ان مسائل پر فریقین کے دو جید عالموں کا مناظرہ ہو جائے تاکہ اس قضیہ کا کلی طور پر تصفیہ ہو جائے ہم نے اپنی طرف سے مولانا انور شاہ صاحب کو جو مدرسہ امینیہ میں حدیث کے استاد تھے طے کیا اور شاہ صاحب نے اسکو منظور بھی فرما لیا ہمارے اہل حدیث ساتھیوں نے مولانا عبد الوہاب صاحب (صدر بازار) کو تیار کیا، لیکن کسی وجہ سے مناظرہ کی نوبت نہیں آئی

مولوی عبدالرحمن صاحب سے زیادہ بے تکلفی اور صحبت تھی، حضرت اکثر تذکرہ فرماتے تھے کہ ہم آپس میں لڑتے بھی بہت تھے اور ایک دوسرے کو چھوڑتے بھی نہیں تھے۔

اس وقت میاں سید نذیر حسین صاحب کا درس اہل حدیث طلبا رکا مرکز و مرجع بنا ہوا تھا، حضرت فرماتے تھے کہ میں ان کے درس میں شریک ہوا مگر دل نہ لگا، مدرسہ امینیہ کے حدیث کے اسباق میں بھی جو اس وقت سنہری مسجد میں تھا شرکت کی، وہاں مولانا انور شاہ صاحب کے درس کی تقریر سنی تو معلوم ہوا کہ حنفیوں کے پاس بھی دلائل ہیں، مدرسہ حسین بخش میں مولانا عبدالعلی (۱) صاحب کے اسباق میں بھی کبھی شرکت کی نوبت آئی۔

اس وقت دہلی فقہی مسائل اور عقائد کے مناظرہ اور مجادلہ کا میدان بنا ہوا تھا، جامع مسجد مختلف الخیال واعظین اور مناظرین کا اکھاڑا تھا، ہر فرقہ والا دوسرے فرقہ والے کی شد و مد کے ساتھ تردید کرتا تھا، آپ ان سب مجلسوں میں شریک ہوتے اور سب کی باتوں کو سنتے، فرمایا کرتے تھے کہ ایک فریق کی بات سن کر معلوم ہوتا کہ اس کے علاوہ سب مشرک ہیں، دوسرا فریق پہلے فریق کو کافر کہتا، ان متضاد باتوں کے سننے سے آپ کی طبیعت میں خود بخود ایک جامعیت اور اعتدال کا رنگ پیدا ہو گیا اور احساس ہوا کہ سب مبالغہ اور تشدد سے کام لیتے ہیں، اور اپنے سوا دوسرے کو بالکل برسر غلط اور باطل پرست سمجھتے ہیں، ایک مرتبہ فرمایا:-

"ہم جب اپنی بستی میں رہتے تھے تو صرف ایک ہی مذہب جانتے تھے لیکن جب ہم دلی پہونچے تو دیکھا کئی مذاہب ہیں، پہلے ہم ایک فریق کے پاس پہونچے، انھوں نے کہا یہ سب شرک ہے اور تم سب مشرک ہو ہم نے کہا

---

(۱) آپ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے شاگرد تھے۔

ادھو یہ تو بڑی مشکل ہوئی، پھر ہم دوسرے فریق کے پاس پہونچے تو انھوں نے کہا وہ تو کافر ہے، ہم نے کہا، اب بھی کافر ہیں؟ آخر اللہ تعالےٰ نے فضل فرمایا کہ ہمیں اپنے حضرات کے پاس پہونچا دیا جس سے دین کی حقیقت معلوم ہوئی، ہم نے تو سمجھا تھا کہ جنت کوئی آسان چیز ہے لیکن علمائے کرام نے تو بہت مشکل بنا رکھی ہے[1]"۔

فرماتے کہ جب کبھی طبیعت میں بے چینی اور حق کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوتا تو دو رکعت نماز نفل پڑھتا اور الحاح کے ساتھ دعا کرتا فوراً طبیعت سرد ہو جاتی اور اطمینان ہو جاتا۔

استغناء، اور احتیاط

دہلی میں آپ مدرسہ سے کھانا نہیں لیتے تھے اسوقت معمول تھا کہ جامع مسجد میں سحری تک قرآن شریف ہوتا تھا، سحری میں رؤسا کے کھانے آتے تھے وہ ضرورت سے زائد ہوتے تھے معمول تھا کہ دو چار آدمی ان کے قریب اس امید میں بیٹھے رہتے تھے اور وہ رؤسا ان کو شریک کر لیتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ اس وقت مسجد کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ جاتے، بعض حضرات اندر آکر اصرار سے لے جاتے اور زبردستی دو چار لقمے کھلا دیتے۔

مختلف مقامات پر تعلیم کا سلسلہ

پانی پت، سہارنپور، رام پور دہلی کے علاوہ آپ نے بعض دوسرے مقامات پر بھی جہاں کے اساتذہ یا کسی خاص فن یا درس کی شہرت تھی تعلیم حاصل کی، ان میں سے آپ اکثر گلاوٹھی (ضلع بلند شہر) اور بانس بریلی کا تذکرہ فرماتے تھے۔

---

(۱) از ملفوظات مرتبہ مولانا سعید احمد صاحب ڈونگوی۔

بریلی بریلی میں آپنے مدرسہ مصباح التہذیب[1] میں پڑھا: وہاں اس زمانہ میں مولوی محمد دین صاحب پنجابی پڑھایا کرتے تھے، قیام پہلے مدرسہ کی چھت پر رہا اسکے بعد کلھاڑا پیر کی مسجد میں جو قبرستان کے نزدیک ہے، اس کے بعد مولوی خدایار خاں کے یہاں آپنے فلسفہ کی کئی کتابیں اور ہیئت میں شرح چغمینی اور کتاب الاکر، کتاب المناظر اور غالباً الافق المبین پڑھی[2]۔ بریلی کا زمانۂ قیام ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ء) ہے۔

ملازمت ان مختلف مقامات پر علوم کی تحصیل اور درسیات کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی، شاید اس کا سلسلہ بریلی میں تکمیل کو پہونچا، وہیں بریلی قدیم کے ایک رئیس مولوی خدایار خاں کے ہاں ان کے صاحبزادے مقتدا یار خاں کو پڑھانے پر ملازم ہوئے[3] اپنی تنخواہ میں سے وقتاً فوقتاً پس انداز کرتے، اسی زمانہ میں اپنے والد صاحب کی خدمت میں اسّی روپئے بھیجے اسی کے آگے پیچھے آپ نے دس گیارہ مہینے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ہاں ان کے لڑکوں غالباً مولوی مصطفےٰ رضا خاں صاحب وغیرہ کی تعلیم کے سلسلہ میں قیام کیا۔ آٹھ روپئے تنخواہ[4] تھی۔ فرماتے تھے کہ وہ جس طرح علماء دیوبند کی تردید و مذمت کرنے

---

(۱) یہ بریلی کا بڑا قدیم مدرسہ ہے، پہلے اس کا نام مصباح التہذیب تھا جو تاریخی نام ہے: بعد میں مصباح العلوم ہوگیا بریلی کے ایک رئیس حافظ جعفر خاں صاحب نے ۱۲۸۰ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی تحریک سے قائم کیا اور مولانا نے دیوبند سے بریلی آکر حافظ صاحب کی کوٹھی میں اس مدرسہ کا افتتاح فرمایا، مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی اس مدرسہ میں پڑھایا ہے ان کے زمانۂ قیام تک یہ مدرسہ حافظ جعفر خاں صاحب کی کوٹھی میں رہا، اسکے بعد مرزائی دروازہ کی مسجد میں جاری رہا، یہ مدرسہ اب بھی بریلی میں اسی نام سے قائم ہے (۲) روایت حکیم صدیق احمد صاحب، حکیم صاحب کا بیان ہے کہ آپ نے یہ کتابیں ان کے والد جناب حکیم مختار احمد صاحب سے پڑھی تھیں۔

(۳) ایک مرتبہ بریلی کے سفر میں حضرت ان سے ملنے ان کے مکان پر تشریف لے گئے، راقم سطور اور رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بھی ہمرکاب تھے، حضرت اس پرانے زمانہ اور گزشتہ واقعات کو یاد فرماتے رہے، مقتدا یار خاں صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے صاحبزادے اور اہل خاندان پاکستان منتقل ہو گئے۔ (۴) مسودہ صوفی محمد حسین صاحب۔

تھے اور اپنی حقانیت اور عظمت ثابت کرتے۔ اس سے طبیعت کھٹی ہوئی اور اندازہ ہوا کہ یہ سب نفسانیت اور حب جاہ ہے، مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بعض معاصر علماء کے ساتھ مناظرے بھی دیکھے، اس وقت رامپور اور بریلی کے بڑے بڑے علماء تشریف لاتے تھے، مارہرہ کے ایک شیخ الطریقت بھی جن کے خاندان میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بیعت تھے تشریف لاتے تھے، آپ اکثر ان لوگوں کے واقعات اور اپنے اس وقت کے تأثرات جن سے آپ کی سلامت طبع، حق پسندی اور قوت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے، بیان فرمایا کرتے تھے، بریلی کے ایک سفر میں یہ بھی فرمایا کہ میرا کبھی یہاں جی نہیں لگا۔

دوران ملازمت میں والد صاحب کے انتقال کی خبر ملی، ان کے انتقال کے دو ماہ بعد ملازمت چھوڑ دی۔

بریلی میں حکیم مختار احمد صاحب[1] سے طب کی کتابیں شرح اسباب تک پڑھیں، آپ کی نیت تھی کہ معاش کے لئے کوئی ایسا سلسلہ اختیار فرمائیں جس میں تھوڑا وقت صرف کر کے گزارا ہو جائے، غالباً کسی دوست یا رفیق درس کے تعلق سے آپ نے افضل گڑھ (ضلع بجنور) کا سفر کیا اور وہاں چھ مہینے کے قریب مطب کا مشغلہ رہا۔

---

(۱) حکیم صاحب اطباء قدیم کی یادگار اور طب یونانی کے آخری ماہرین فن میں سے تھے، بریلی میں خدمت خلق میں مصروف تھے، وطن امروہہ تھا، سنہ میں انتقال ہوا۔ حکیم صدیق احمد صاحب آپ کے صاحبزادے حضرت ہی سے تعلق رکھتے ہیں،

بے چینی اور روحانی انجذاب، مرشد کا انتخاب اور رائپور کی حاضری

اے شہِ عشاق شیریں داستاں ۔۔۔ باز گو از بے نشان من نشاں
صرف ونحو منطقم را سوختی ۔۔۔ آتشِ عشقِ خدا افروختی (۱)

بے چینی اور طلب

حصول یقین، ترقی روحانی اور کامیابی کے راستہ کی ابتدا اکثر بے چینی، اضطراب اور اندرونی طلب اور سوال سے ہوتی ہے مردانِ خدا اور کاملین راہ کی سوانح اور حالات میں اسکی مثالیں بکثرت ملتی ہیں، حضرت کے چچازاد بھائی مولوی سعید اللہ صاحب فرزند مولانا کلیم اللہ صاحب بڑے ذہین اور ذی استعداد عالم تھے، وہ عرصہ تک مانگرول میں شیخ صاحب مانگرول کے مصاحب رہے تھے، وہاں مختلف الخیال لوگوں کی صحبت، طبیعت کی تیزی اور غلط ماحول کے اثر سے ان کی طبیعت میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا، فرماتے تھے کہ انکی صحبت سے میری طبیعت متاثر ہوئی اور بعض مرتبہ شکوک پیدا ہونے لگے۔

---

(۱) یہ دو شعر ہیں جو اپنے مرض وفات میں حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مراد آبادی اپنے مرشد حضرت شاہ محمد آفاق صاحب کی یاد میں پڑھا کرتے تھے، پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں اپنے مرشد کے نام کی رعایت سے "اے شہِ آفاق" تھا یہاں اس میں خفیف سی ترمیم کر دی گئی ہے ۱۲

فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں شکوک کا حملہ ہوتا تھا صحابہ کرام کے حالات پڑھ کر بڑا اطمینان پیدا ہوتا، یقین ہو جاتا کہ یہ لوگ حق پر تھے اور اسلام اللہ تعالیٰ کا مقبول دین ہے حضرت کی زندگی میں صحابہ کرام کے حالات کا اثر اخیر تک رہا، انھیں کے حالات کو اپنا مرشد سمجھتے تھے اور ان کتابوں کو اپنا بڑا محسن مانتے تھے جن کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کی عظمت کا نقش اور اسلام کی حقانیت کا یقین پیدا ہوا۔[1]

انھیں دنوں میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے مجاہدین کے حالات کا کوئی مجموعہ کہیں سے مل گیا۔[2] ان حضرات کے ایمان افروز حالات پڑھ کر اور ان کے اخلاص اور قوت ایمانی کو دیکھ کر قلب کو تقویت اور سکینت حاصل ہوئی۔

وجدانی یقین اور شرح صدر

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے اور دعوت کا بڑا غلغلہ تھا پنجاب میں خاص طور پر مسلمانوں کی کم بستیاں اس چرچے اور تذکرہ سے خالی تھیں، ان کی کتابیں اور رسائل مسلمانوں میں پڑھے جاتے تھے اور ان پر بحث و گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا تھا حضرت کے وطن کے قریب ہی بھیرہ ہے۔ وہاں کے ایک عالم جو حضرت کے خاندانی بزرگوں کے شاگرد بھی تھے، حکیم نور الدین مرزا صاحب کے خاص معتقدین اور معاونین میں تھے اور ان کی نصرت اور رفاقت کے لئے مستقل طور پر قادیان میں سکونت پذیر تھے مرزا صاحب کے عنداللہ مقبول اور مستجاب الدعوات ہونے کا ان کے معتقدین اور حلقہ اثر میں عام چرچا تھا، حضرت نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں کہیں پڑھا تھا کہ

---

(۱) غالباً اسی جذبہ کے ماتحت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے صحابہ کرام کے حالات لکھنے کی فرمائش کی جس کی تعمیل حکایات صحابہؓ کی مقبول و مشہور کتاب کی شکل میں ہوئی (۲) غالباً سوانح احمدی تھی حضرت اکثر مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی کتاب ادوان کا تذکرہ فرماتے تھے۔

ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ اجیب کل دعائك الا فی شرکائك (میں تمہاری تمام دعائیں قبول کرونگا سوا ان دعاؤں کے جو تمہارے شرکت داروں کے بارے میں ہوں) حضرت نے مرزا صاحب کو اسی الہام اور وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے اسلئے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کیلئے دعا کریں وہاں سے مولوی عبد الکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کہ تمہارا خط پہونچا تمہارے لئے خوب دعا کرائی گئی، تم کبھی کبھی اسکی یاد دہانی کر دیا کرو، حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں ایک پیسہ کا کارڈ تھا، میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک کارڈ دعا کی درخواست کا ڈال دیتا،

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائی تھیں اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے، میں نے بھی دیکھیں، قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہوگیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچے ہیں(۱)؛

اکثر فرماتے تھے کہ جب کبھی اس طرح کی کشمکش پیدا ہوتی اور طبیعت میں شدت سے اس کا تقاضا پیدا ہوتا کہ حق کیا ہے؟ تو میں دو رکعت نفل پڑھ کر الحاح کے ساتھ دعا کرتا، طبیعت اس طرف سے سرد ہو جاتی اور قلب میں ایک سکون پیدا ہو جاتا، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ میرے مالک کا یہ بڑا فضل ہے کہ بغیر دلائل کے حق واضح ہوتا گیا(۲)

---

(۱) ملفوظات مرتبہ مولوی علی احمد صاحب مرحوم مجلس ۶ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ کوٹھی صوفی عبد الحمید صاحب لاہور ۱۹۵۵ء

(۲) روایت مولانا عبد الوحید صاحب. اس قسم کے تجربات اور عارضی تاثرات اولیائے کاملین اور اصحاب علم و یقین کو زمانۂ سابق میں بکثرت پیش آئے ہیں بالآخر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو مربی حقیقی اور حکیم مطلق ہے یقین و معرفت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچایا، ان ذاتی تجربات اور درمیانی تاثرات کے بعد جو یقین اور اذعان حاصل ہوتا ہے وہ بڑا محکم اور بے تکلف ہوتا ہے، اس قسم کے واقعات کا ذکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ احسان خداوندی کے طور پر اور یہ ثابت کرنے کے لئے فرماتے تھے کہ مربی مطلق اور ہادی برحق صرف وہی ذات ہے، اور دلائل کا راستہ طویل پر پیچ اور نازک ہے محفوظ و بے خطر راستہ وجدانی یقین اور شرح صدر کا ہے اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب۔

انجذاب الی اللہ

بریلی وغیرہ کے قیام کے دوران میں طبیعت کی بے چینی اپنے ماحول اور مشاغل سے بے اطمینانی کی کیفیت اور قلبی کشمکش اور زیادہ بڑھ گئی۔ اس زمانہ میں امام غزالیؒ کی مشہور کتاب "المنقذ من الضلال" کا اردو ترجمہ جو "نلکھر امام غزالیؒ" کے نام سے چھپا تھا کہیں سے مل گیا، اس کتاب میں امام غزالی نے اپنی سرگذشت سنائی ہے کہ کس طرح مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی اور علمی شہرت و مقبولیت کے بام عروج پر پہنچنے کے باوجود انکے دل میں خلش پیدا ہوئی اور اس کا بڑی شدت سے احساس ہوا کہ وہ جو کچھ پڑھ پڑھا رہے ہیں وہ محض لفاظی اور لسانی ہے اور جس کو دینی مشغلہ سمجھ رہے ہیں وہ محض خود نمائی اور دنیا طلبی ہے یقین کا سر رشتہ انکے ہاتھ سے چھوٹا ہوا ہے اور وہ حقیقی علم و معرفت کی دولت سے محروم ہیں اس احساس کا ان پر اتنا غلبہ ہوا کہ ان کی زبان بند ہو گئی، اشتہا بالکل مفقود ہو گئی اور صحت جواب دے گئی، درس و تدریس کا سلسلہ ان کو ملمع سازی معلوم ہونے لگا اور طبیعت یکسر اس سے اچاٹ ہو گئی، یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ وہ اس سب علمی جاہ و منزلت کو لات مار کر یقین کی تلاش میں بغداد سے پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے اور بالآخر عرصہ کی صحرا نوردی اور مجاہدہ کے بعد یقین کی دولت سے مالا مال ہوئے اور ان کو نظر آیا کہ صحیح راستہ صوفیائے کرام کا راستہ ہے جو اپنی سیرت و اخلاق میں نبوت کے پر تو کامل ہیں، ان حالات و ماحول اور اس قلبی کیفیت میں جس سے آپ دوچار تھے، اس کتاب نے ایک رہبر کامل کا کام دیا اور اسی "یوسف گم گشتہ" کی تلاش میں لگ جانے کا فیصلہ کر دیا جس کی تلاش کے لئے امام غزالیؒ نے سفر کیا تھا اور جس کے بغیر علم بے معنی اور زندگی بے حاصل معلوم ہوتی تھی۔

افضل گڑھ کے قیام کے دوران میں یہ بے چینی اور ذہنی اور قلبی کشمکش اور زیادہ بڑھ گئی؛ یہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی مثنوی "تحفۃ العشاق" کہیں سے مل گئی

فرماتے تھے کہ اس نے طبیعت میں اور بےچینی اور عشق کی شورش پیدا کردی، چھ مہینے تک یہ معمول رہا کہ قبرستان چلا جاتا اور روتا رہتا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے قدموں میں

اس وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا آفتاب رشد وہدایت اپنے پورے عروج پر تھا اور وہی شیخ الکل کی حیثیت رکھتے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ کی کتابوں کے مطالعہ نے اور درد و محبت اور اتباع سنت کی دولت رکھنے والے سلسلوں سے فطری مناسبت نے انھیں کے سلسلہ کے مشائخ کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیا۔

اس زمانہ میں حضرت گنگوہیؒ کے ممتاز خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے دورے مشرقی پنجاب میں ہوا کرتے تھے، حضرت کے چند مریدین سے بھی آپ کی ملاقات ہو چکی تھی، آپ نے افضل گڑھ سے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کی خدمت میں خط لکھا اور عرض کیا کہ میں بیعت کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے "المستشار مؤتمن" میں آپ کو لکھتا ہوں کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں آپ میں تو طلب ہے مجھ میں یہ بھی نہیں، آپ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی طرف رجوع کریں، حضرت فرماتے تھے کہ میں یہ خط پڑھ کر پھڑک گیا کہ اخلاص اور بےنفسی اس کو کہتے ہیں، حضرت ایک مرتبہ پانی پت جاتے ہوئے گنگوہ میں حضرت مولانا کی زیارت کرچکے تھے، آپ کی جلالت شان اور آپ کے علو منزلت سے ناواقف نہیں تھے، پانی پت میں بعض دیہاتی مریدوں کا بدعات سے تنفر اور ان کی پختگی اور استقامت دیکھ کر آپ کی تاثیر صحبت اور قوت نسبت کے معتقد بھی ہوگئے تھے لیکن قلب سلیم نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ایسے مرجع خلائق و شہرہ آفاق شیخ کی خدمت میں جو اپنی عمر و صحت کے آخری مرحلہ پر ہے اور جو اپنے وقت کے نامور ترین علماء اور

مشائخ کا مرجع بنا ہوا ہے، مجھ جیسا مبتدی اور نو وارد طالب کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے اور کس طرح اپنی اصلاح باطن اور تربیت کی طرف شیخ کی خصوصی توجہات مبذول کر سکتا ہے اگر آپ میں حُبِّ جاہ و ترفع کا جذبہ ہوتا تو آپ شیخ المشائخ کو چھوڑ کر اسکے خلفاءِ منتسبین کی طرف متوجہ نہ ہوتے، لیکن اللہ تعالےٰ کی یہ خاص رہبری اور آپ کا اخلاص تھا کہ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہاں علوِّ سند اور قلت وسائط کا سوال نہیں ہے حقیقی نفع اور مناسبت کا سوال ہے۔ اسلئے آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ ہی کا دامن پکڑنا ہے اور انھیں کے قدموں میں رہنا ہے، آپ نے پھر حضرت کو خط لکھا اور عرض کیا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا حضرت گنگوہیؒ سے ملا مگر میرا رجحان آپ کی طرف ہے، میری طرف سے اگر مہمان داری کی فکر ہے تو میرے حقوق حضرت کے ذمہ نہیں ہیں، میں اپنے قیام وطعام کا خود ذمہ دار ہوں، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ یہ خط دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لوگوں کو یہ خط دکھایا اور فرمایا دیکھو یہ ہیں طالب۔

رائے پور میں

آپ رائے پور حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی حضرت نے فرمایا جلدی کیا ہے، استخارہ کرلو، چونکہ آپ کو گھر جانا تھا فرمایا گھر ہو آؤ پھر بیعت کر لینا، جب آپ وطن کو روانہ ہوئے تو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ گنگوہ حاضر ہونے کیلئے روانہ ہو رہے تھے، حضرت گنگوہی کے فرزند ارجمند حکیم مسعود احمد صاحب کا ولیمہ تھا۔

حضرت کا اپنے شیخ سے وہ عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا

شیخ سے تعلق و محبت خدمت و فنائیت

جسکو مناسبت اور ترقی باطن میں ہزار اذکار اور ریاضتوں سے زیادہ دخل ہے، اسکی کیفیت یہ ہے

انبساطِ عید دیدن روئے تو
عیدگاہِ ما غریباں کوئے تو

ذکر کے علاوہ حضرت کی خدمت میں مشغولیت رہتی تھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت کو لٹا کر بدن دباتا تو دیر کے بعد حضرت فرما دیتے کہ جاؤ مولوی صاحب آرام کرو، میں کواڑ بند کر کے اپنی جگہ آجاتا پھر خیال آتا کہ کوئی مکھی منھ پر بیٹھ کر نہ ستاتی ہو، پھر دبے پاؤں آکر دیکھتا اسی طرح آتا جاتا رہتا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو جاتا(۲)۔ فرمایا کہ کبھی حضرت کی خدمت میں بے وضو حاضر نہیں ہوا اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ حضرت اکثر شفقت اور محبت کا برتاؤ فرماتے، میں کبھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا کہ میں تو اپنی اصلاح کے لئے آیا ہوں اور حضرت کی شفقتیں ایسی ہیں کہ جن سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں میں نااہل نہ سمجھا جا رہا ہوں اور مجھے ناکارہ سمجھ کر یہ شفقتیں ہو رہی ہوں۔ اس پر حضرت جواب میں فرماتے نہیں مولوی صاحب، میں تمھاری طرف سے بے خبر نہیں ہوں، اکثر یہ بھی ہوتا کہ بلا کسی قصور کے ڈانٹ دیا کرتے، پھر دیکھتے کہ مجھ پر اس ڈانٹ کا کوئی اثر تو نہیں ہوا، مگر الحمد للہ کہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا(۳)۔

(۲) روایت مولانا سعید احمد صاحب ڈونگوی (۳) روایت مولوی عبدالوحید صاحب

رائے پور کی مشغولیت

آپ کا رائے پور کا قیام ایک ایسے عاشق خادم اور ایک ایسے صادق طالب کا قیام تھا جس نے اپنے نفس کی اصلاح حصول مقصود کیلئے مجاہدہ اور شیخ کی خدمت کے سوا دنیا کی کسی غرض اور کسی مطلب سے واسطہ ہی نہیں رکھا تھا، یہ پورا زمانہ اپنی ہستی کو مٹانے اور اپنے کو بھول جانے میں اس طرح گزرا کہ سوائے اس خدمت اور مجاہدہ کے جس کا حال اللہ کو معلوم ہے اور کبھی کبھی خدام کی تربیت اور اصلاح کے لئے آپ کسی بات کا ذکر فرما دیتے اور ان کو معلوم ہو جاتا، نہ اس زمانہ کی کوئی یادگار ہے اور نہ کوئی تاریخی دستاویز، آنے والوں کو بعض اوقات آپ کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی تھی اور بہت سے لوگ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے کہ آپ حضرت کے ایک مخلص خادم اور خانقاہ کے ایک ذاکر شاغل درویش ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ایک ملاقات پر آپ سے فرمایا کہ میں تو رائے پور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ مجھے یاد نہیں، فرمایا حضرت میں آپ کو کیا یاد رہ سکتا تھا، میری وہاں کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں تھا، شاید آپ کو یاد ہو کہ حضرت کی خدمت میں ایک خادم بار بار آتا تھا، بدن پر ایک کمری ہوتی تھی اور تہبند باندھے ہوئے، فرمایا ہاں کچھ یاد تو آتا ہے فرمایا میں وہی ہوں۔(۱)

گمتھلہ کا قیام

حضرت نے کچھ عرصہ کیلئے آپ کو گمتھلہ(۲) بھیج دیا، فرماتے تھے کہ مجھے مدرس بنا کر گمتھلہ بھیجا، مجھے حضرت کی جدائی بہت ہی شاق تھی یہ بھی فکر ہوئی کہ حضرت کسی وجہ سے یہاں سے علیحدہ فرمانا چاہتے ہیں لیکن میری درخواست کے

---

(۱) روایت مولانا لطیف الرحمن صاحب کاندھلوی مرحوم (۲) گمتھلہ ضلع انبالہ میں راجپوت زمینداروں کا ایک قصبہ ہے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کی ایک صاحبزادی وہیں بیاہی ہوئی تھیں۔

باوجود حضرت نے حکماً اصرار سے بھیجا، فرمایا کہ مولانا ایک وقت ہوتا ہے کہ ماں اپنے بچے کو سینہ سے چمٹاتی ہے، پھر ایک وقت اس کی طلب کے باوجود اس کو اپنے سے علیحدہ رکھتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد واپس بلالیا۔(۱)

قرب و اختصاص

یوں تو حضرت کی جوہر شناس نگاہ نے آپ کے خطاب کے انداز ہی سے پہچان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اخلاص اور طلب صادق کا جوہر عطا فرمایا ہے پھر ملاقات پر پورا اندازہ ہوگیا کہ محبت کی چنگاری اور اطاعت و انقیاد کا وہ مادہ ہے جو اس زمانہ میں نایاب اور عام طور پر عنقا ہے، لیکن آپ کی خدمت شیخ سے تعلق قلبی، مجاہدہ جفاکشی و بے نفسی سے قرب و اختصاص روز بروز بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ اکثر اہم خدمتیں آپ سے متعلق ہوگئیں، امامت بھی آپ کے سپرد ہوئی جس میں حضرت کے ضعف اور غلبۂ ریاح کی وجہ سے خاص رعایت کرنی پڑتی تھی، سفر حضر میں معیت و رفاقت لازمی ہوگئی، حضرت پر کمال اتباع سنت سے کسی چیز کو اپنی ملک میں رکھنا بہت گراں تھا۔ آپ اپنے کپڑوں کو بھی مولانا کی ملک میں کردیا کرتے تھے اور آپ کی ملک سمجھ کر استعمال کیا کرتے تھے، باوجود اس کے کہ حضرت نے آپ کو کلیۃً مختار بنا دیا تھا، مگر آپ کبھی ان کو استعمال نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ ایک دفعہ جمعہ کو نہر پر کپڑے دھونے گیا، ایک ہی جوڑا کپڑوں کا تھا، اسی کو دھو سکھا کر پہن لینا، اس دن سوکھنے میں ذرا دیر ہوگئی، جمعہ کا وقت ہوگیا، جمعہ میں ہی پڑھایا کرتا تھا، حضرت میرے انتظار میں تھے، جب حاضر ہوا فرمایا، مولانا کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے سکوت کیا، دوبارہ پھر دریافت فرمایا، میں نے سکوت کیا، بار بار اصرار سے دریافت فرمایا تو عرض کیا حضرت

(۱) روایت حضرت شیخ الحدیث۔

کپڑے نہیں سوکھے تھے، اس لئے حاضری میں دیر ہوگئی، حضرت نے غصہ سے فرمایا آپ کے پاس میرے کپڑے موجود نہیں ہیں؟ ان کو کیوں نہیں استعمال کرتے، کیا ان کو آگ لگانا ہے، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس کے باوجود کبھی حضرت کے کپڑے پہننے کی جرأت نہیں ہوئی۔(۱)

حضرت شاہ عبدالرحیم پنجاب کے طویل دَورے فرمایا کرتے تھے، اور مہینوں کا سفر ہوتا تھا، جگہ جگہ قیام فرماتے، رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا، حضرت ہر جگہ ہمرکاب رہتے اور حضرت کی تمام ضروریات کا اہتمام فرماتے، فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت سے ایسی مناسبت ہوگئی تھی کہ جو چیز حضرت کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی وہی چیز میرے قلب پر وارد ہوتی، اور جو چیز میرے قلب پر وارد ہوتی حضرت کے قلب پر اس کا ورود ہو جاتا۔(۲)

اصلاح و تکمیل حال

حضرت فرماتے تھے کہ رائے پور ہی کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ ساری رات عجیب کیفیت رہی دوسری رات بھی اسی طرح گزری تیسری رات ایک قطرۂ نور قلب پر وارد ہوا حضرت نے فرمایا اب تمہارے دل میں جو داعیہ و تقاضا پیدا ہو اس کو من جانب اللہ سمجھو اور اس پر عمل کرو، ایک مرتبہ فرمایا کہ مولانا میری خدمت کی وجہ سے تمہارا بڑا حرج ہوا ہے، اگر میرے بعد یکسو ہو کر اپنے کام میں لگ جاؤ گے تو نقد ذائقہ چکھ لو گے۔(۳)

سفرِ حج

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نے ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں سفر حج کا عزم فرمایا تو آپ ہمرکاب تھے، یہ سفر ادائے فریضۂ حج اور ایک مقبول بارگاہ کی ہمرکابی میں دربار میں حاضری کی سعادت اور اس کے برکات کے علاوہ آپ کی باطنی

---

(۱) روایت مولوی عبدالوحید صاحب (۲ و ۳) روایت مولوی عبدالجلیل صاحب

اکثر اس سلسلہ میں دعا بھی کیا کرتا تھا کہ یا اللہ میرے حضرت مجھ سے راضی ہو جائیں، فرمایا کہ اللہ تعالے نے مجھے ایک ایسا موقع مرحمت فرمایا جس سے مجھے بھی اطمینان ہوا کہ انشاء اللہ حضرت مجھ سے راضی ہوں گے۔ صورت یہ ہوئی کہ سفر حج میں حضرت کے ہمراہ آپ کے صاحبزادہ حافظ عبد الرشید صاحب بھی تھے، ان کو راستہ میں اسہال شروع ہو گیا اور ضعف اتنا بڑھ گیا کہ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رہی، چونکہ اسہال مسلسل جاری تھے، اس لئے میں نے اپنے کو ان کی خدمت کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ جب صاحبزادہ صاحب کو اسہال ہوتا تو میں صاف کر دیتا تھا اور پاخانہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سمندر میں ڈال دیتا، انھیں دنوں میں حضرت نے مجھے لٹھے کا کپڑا مرحمت فرمایا تھا کہ اسکے ٹکڑے پھاڑ کر پہلے صفائی کر دیا کرو، میں ان ٹکڑوں سے صفائی کرتا پھر ان کو دھو کر پاک کر لیتا، اس کے بعد ان ٹکڑوں کو جمع کر کے سی لیا۔ اسی طرح میں خدمت کرتا رہا، یہاں تک کہ صاحبزادہ کا انتقال ہو گیا۔[1] حضرت اس خدمت سے

(۱) مولانا عاشق الٰہی صاحب نے تذکرۃ الخلیل میں حضرت مولانا رائپوری کے تذکرہ میں حافظ عبد الرشید صاحب کی علالت کے واقعہ کا تذکرہ کیا ہے لکھا ہے کہ "مدینہ منورہ سے ینبوع ہو کر جہاز میں سوار ہوئے، عدن کے قریب عبد الرشید مرحوم راہی عالم قدس ہوئے"۔ صـ ۱۶۴

بہت خوش ہوئے، اکثر اپنی خوشنودی کا اظہار بھی بڑے اہتمام سے فرماتے، میں نے عرض کیا کہ حضرت جس طرح میری تعریف فرماتے ہیں مجھے بہت ہی شرمندگی ہوتی ہے اس پر حضرت نے فرمایا کہ اب انشاء اللہ آپ کے سامنے یہ ذکر نہ کروں گا"۔ (۱)

اس خدمت و مجاہدہ اور اس محبت و عاشقانہ ادا سے حضرتؒ کے دل میں آپ کی جو وقعت و محبت پیدا ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے جس اعزاز و امتیاز، اور جس اعتماد و اختصاص سے سرفراز فرمایا اس میں آپ کی اس خود شکنی کو بہت دخل ہے۔

حضرت رائپوری کا مرض و وفات

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کی علالت کا سلسلہ وفات سے پانچ چھ سال پہلے شروع ہو گیا تھا، مرض نے بہت طول کھینچا، آپ نے اس علالت کے زمانہ میں خدمت و محبت کا وہ مظاہرہ کیا جو ایک عاشق صادق ایسے موقع پر کرتا ہے، دوا کا استعمال کرانا، کھانا کھلانا، چائے پلانا سب آپ کے ذمہ تھا، اس عرصہ میں آپ کا اصول یہ تھا کہ شیخ کامل کے (جس کا قلب مورد الطاف الٰہی و انوار ربانی ہے) رجحان کو ہر مصلحت پر ترجیح دینا ہے اور اپنی رائے کو اس کی رائے کے مقابلہ میں کالعدم قرار دینا ہے، اس زمانہ میں آپ نے حضرت کی عجیب و غریب باطنی کیفیات، درجۂ یقین و احسان اور شوق لقاء و اشتیاق دیدار کی عجیب و غریب حالت کا مشاہدہ کیا، فرماتے تھے کہ:-

"اخیر کے رمضان شریف میں دونوں وقت کا کھانا چھوڑ دیا تھا، رات کا کھانا تو ہر رمضان میں پہلے بھی نہیں کھایا کرتے تھے، مگر اس دفعہ دونوں وقت

---

(۱) روایت مولوی عبدالوحید صاحب

سحری وافطاری کا ترک کردیا تھا، ساری رات صبح تک قرآن شریف ہی سنتے رہتے، سحری کے وقت میں سادی چائے لے جایا کرتا تو عرب کی چھوٹی فنجان میں سے صرف ایک گھونٹ برائے نام ہی لیتے ایک پتلی چپاتی، بالکل پتلی ایسی پتلی کہیں نہیں دیکھی، اس میں سے صرف ایک چھوٹا سا لقمہ توڑتے اور چار کی ایک چمچی سے حلق میں اتار لیتے، دو تین دن تو میں عرض کرتا رہا کہ حضرت آپ دونوں وقت کچھ نہیں کھاتے ضعف ہو جائے گا، جواب نہیں دیا تیسرے چوتھے روز فرمایا، مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ نے جنت کا ذائقہ نصیب فرمادیا سب اس کھانے کی ضرورت نہیں رہی۔ حالانکہ چہرہ ایسا سرخ تھا جیسے بڑے لذیذ کھانے کھاتے ہیں، موت کا بہت شوق تھا، بڑے ذوق سے فرمایا کرتے کہ جب اللہ تعالیٰ وہ وقت نصیب فرمائے تو سنت کے موافق تجہیز و تکفین کرنا، ایک دن فرمایا کوئی عمل تو ہے نہیں، خبر نہیں موت کا شوق کیوں ہے، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صدیقین کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ(۱)۔

فرماتے تھے کہ حضرت نے وفات سے قبل وہ روپیہ جو خرچ کے لئے میرے پاس [رکھ]وایا اور تقسیم فرمایا تاکہ ترکہ نہ بنے، اس میں سے مجھے بھی تین سو روپئے عنایت فر[مائے] [ب]ہت پریشانی ہوئی، تمام دن اسی پریشانی اور غم میں گزرا کہ اگر یہاں بھی نہیں [...]

شام کے وقت حضرت نے فرمایا مولوی صاحب تم کچھ پریشان نظر آتے ہو، کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ چیز تو کہیں اور مزدوری کر کے حاصل کر لیتے! فرمایا افسوس نہ کرو، تم فائز المرام ہو، اور یہ بھی فرمایا کہ میرا مال تمہارا مال ہے اور تمہارا مال میرا مال ہے(۱)۔

مرض وفات میں جو لوگ بیعت کے لئے حاضر ہوتے حضرت کے حکم سے آپ ان کو بیعت کراتے، اس زمانہ میں بکثرت لوگ آپ سے بیعت ہوئے(۲)۔

غایت اتحاد

حضرت نے ایک بار آپ سے فرمایا کہ جی تو یہ چاہتا تھا کہ جیسے زندگی میں اکٹھا ہیں مرنے کے بعد بھی ایک جگہ رہیں، مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے(۳)۔

اپنے بعد کا انتظام

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے حضرت کے مرض وفات میں جب خطرہ قریب محسوس ہونے لگا، کسی کو بھیج کر کہلوایا کہ آپ نے اپنے بعد کیا انتظام کیا ہے؟ حضرت نے مدرسہ کے وقف اور اس کی جائداد وغیرہ کی تولیت سے متعلق جو انتظامات کئے تھے ان کا ذکر فرمایا، مولانا نے فرمایا کہ میں ان چیزوں کو نہیں پوچھتا ہوں، اپنے کام کے متعلق کیا کیا؟ حضرت نے اپنے خلفاء میں سے تین صاحبوں (۱) مولانا اللہ بخش بھاول نگری(۴)، (۲) منشی رحمت علی صاحب جالندھری(۵) اور (۳) مولانا عبد القادر صاحب کا نام لیا(۶)۔

---

(۱) روایت مولوی عبد الوحید صاحب (۲) روایت حضرت شیخ الحدیث (۳) چنانچہ اسی کا ظہور ہوا اور باوجود آپ کی شدید خواہش کے کہ رائے پور میں اپنے شیخ کے پاس مدفون ہوں، آپ اپنے وطن ڈھڈیاں میں مدفون ہوئے (۴) مولانا اللہ بخش صاحب بھاول نگر ریاست بھاولپور کے رہنے والے تھے، دہلی میں تعلیم پائی اور وہیں جوہری (سکو دریبہ کلاں بھی کہتے ہیں) کی ایک مسجد دھرکن کے خطیب مقرر ہوگئے، مزاج پر اتباع سنت کا اہتمام تھا حضرت مولانا

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۷۷ پر)

آپ نے چودھری محمد صدیق صاحب رئیس رائے پور سے خاص طور سے فرمایا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶ کا) شاہ عبدالرحیم صاحبؒ بغرض علاج دہلی تشریف لائے اور اسی مسجد میں مولانا کے حجرہ میں قیام فرمایا، ان کو حضرت کی بے نفسی اور تورع کی ادا بھا گئی، درخواست بیعت پیش کی۔ حضرت نے استخارہ کے لئے فرمایا اور رائے پور تشریف لے گئے، دل کی بے قراری بڑھتی گئی آپ کی خدمت میں جاکر بیعت ہو گئے اور عالی ہمتی کے ساتھ منازل سلوک طے کئے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ ان کو بہت تھوڑے عرصہ میں وہ مراتب حاصل ہوئے جو دوسروں کو سالہا سال صرف کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، مکاشفات و احوال عجیبہ اور علوم عالیہ کا بڑا ورود ہوتا، فرمایا کرتے تھے علوم کے آسمان و زمین بھرے ہوئے دیکھتا ہوں، ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب چک نادرہ (بھاول نگر کے نزدیک ایک گاؤں) تشریف لے گئے، وہاں سے واپس پر جب دین پور والی جگہ سے گزر ہوا تو وہاں سب کا سب جنگل ہی جنگل تھا، آپ وہاں کھڑے ہو گئے اور لاٹھی کو گاڑ دیا اور چاروں طرف دیکھا اور فرمایا کہ مولانا اللہ بخش یہ جنگل تو بڑا مبارک ہے، اس جنگل میں تو انوار برس رہے ہیں، تم تو اپنی جگہ اسی جنگل میں بناؤ، مولانا نے اسی جنگل میں ایک ٹپری ڈال لی اور متوکلانہ بیٹھ گئے، اللہ تعالےٰ نے آپ کو مرکز عقیدت اور اس جگہ کو مرکز ہدایت بنا دیا اور بہت رجوع ہوا، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ مولانا کو پتھری کی شکایت تھی انڈے کے برابر پتھری تھی، پیشاب میں بعض مرتبہ اس کی تکلیف ایسی ہوتی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا لیکن فرماتے تھے کہ انعامات الٰہیہ کی لذت و سرور اس تکلیف پر غالب ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے تھے۔ کہ مولانا بھاول نگری مجھ سے پانچ سال پہلے حضرت کی خدمت میں آئے تھے، آپ نے پہلے ان کو قادری سلسلہ میں اجازت دی تھی۔ پھر چاروں سلسلوں میں اجازت

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۷۸ پر)

میرے بعد مولوی صاحب کا خیال رکھنا۔

رائے پور کا قیام

بہرحال شیخ کا کھلا اشارہ اور ایماء اپنے خدام کو ہدایات، زندگی اور موت میں ایک ہی جگہ رہنے کی خواہش کا اظہار، انتہائی قرب و تعلق خاص اور دائمی رفاقت و خدمت، پھر سب سے بڑھ کر آپ کی یہ ادا کہ سب کشتیاں جلاکر اور سارے تعلقات ختم کر کے اپنے شیخ اور محبوب کے قدموں میں آکر پڑ گئے تھے اور دنیا ومافیہا سے آنکھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۷ کا) مرحمت فرمائی۔ فرماتے تھے کہ مولانا ہر وقت چلتے پھرتے بھی مراقب رہتے تھے، فرمایا کہ انتقال کے بعد خواب میں زیارت ہوئی میں نے دریافت کیا کہ حضرت کے معاملہ اس پر فرمایا الحمد للہ جب سے روح تن سے جدا ہوئی ہے اپنے آپ کو جدا نہیں پاتا۔ حضرت نے فرمایا مطلب یہ تھا کہ فنائیت تامہ حاصل ہو گئی ہے۔ ۱۰ رجب ۱۳۵۲ھ (۳۰ راکتوبر ۱۹۳۳ء) شب سہ شنبہ کو وفات ہوئی اور دین پور ریاست بھاولپور میں مدفون ہوئے (تحریر مولوی محمد یحییٰ صاحب نبیرہ مولانا اللہ بخش صاحبؒ)

(۵) منشی رحمت علی صاحبؒ حضرت رائے پوری قدس سرہ کے اخص اصحاب اور کبار خلفاء میں سے ہیں، استعداد بڑی عالی اور کمالات و علوم باطنیہ سے بڑی مناسبت تھی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ بڑا ہی بسط تھا، بڑا ہی بسط تھا، بڑا ہی بسط تھا، تین دفعہ فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ نے کتاب فتوح الغیب کو دریافت کیا، کسی نے عرض کیا وہ تو حضرت منشی صاحب لے گئے ہیں۔ فرمایا ان کو فتوح الغیب کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو خود فتوح الغیب ہیں۔ تعلیم معمولی تھی اور گاؤں کے ایک مکتب میں پڑھاتے تھے لیکن جب بسط ہوتا اور کچھ ارشاد فرمانے لگتے تو بڑے بلند مضامین اور علوم عالیہ کا ورود ہوتا۔ ۲۱ رجمادی الآخر کی شب میں ۱۳۵۱ھ کو انتقال فرمایا (ملفوظات مرتبہ مولوی علی احمد صاحب مرحوم وافادہ حضرت شیخ الحدیث)

(۶) روایت حضرت شیخ الحدیث۔

بند کردی تھیں صاف بتاتی تھی کہ رسمی جانشینی اور اعلان خلافت کے بغیر آپ ہی اپنے شیخ کے جانشین اور ان کی دولت و میراث کے امین ہیں۔

یقیں می داں کہ آں شاہ نکو نام
بدست سر بریدہ می دہد جام

حضرت سہارنپوری کی توثیق

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ سیاسیات میں جو کچھ مراجعت کرنی ہو حضرت شیخ الہند کی طرف کی جائے مگر سلوک میں حضرت سہارنپوری کی طرف، میں نے حضرت کو اس لائن میں بہت اونچا پایا ہے۔ آپ نے حضرت سہارنپوری سے عرض کیا کہ حضرت کا تو وصال ہو گیا، اب میں حضرت سے تجدید بیعت کرنا چاہتا ہوں، حضرت سہارنپوری نے اول حالات دریافت فرمائے اور پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اسکی کوئی ضرورت نہیں، کوئی بات پوچھنی ہو تو میں حاضر ہوں۔

نئی خانقاہ کی بنیاد

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کا قیام خانقاہ کی جس کوٹھی میں تھا وہ حضرت کے قائم کئے ہوئے مدرسہ کیلئے وقف کر دی گئی تھی، خود حضرتؒ کرایہ دے کر اس میں رہتے تھے، حضرت کی وفات کے بعد انکے بھانجے مولانا اشفاق احمد صاحب کا وہاں قیام رہنے لگا، وہی مدرسہ کے ناظم و متولی اور صاحب سجادہ تھے، حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کا رائے پور، اس کی خانقاہ اور اس ماحول سے جو کچھ تعلق تھا وہ محض حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی اس نظر عنایت اور محبت و خصوصیت کی بنا پر تھا جو حضرت نے انکے ساتھ رکھی تھی، کوئی رسمی جانشینی عمل میں نہیں آئی۔ اس سلسلہ کے بہت سے اکابر کا یہی دستور اور معمول رہا ہے کہ جس کو اپنے شیخ سے زیادہ مناسبت اور جس میں زیادہ اہلیت اور استعداد ہو وہ قدرتی طور پر اپنے شیخ کی جگہ لے لیتا ہے، اور خدام و اہل تعلق کو اس سے مناسبت اور تعلق پیدا ہو جاتا ہے، یوں تو حضرت کا

معاملہ اور آپ کے اشارات اس بات کو ظاہر کر رہے تھے کہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ ہی اس سلسلہ اور حلقہ کا مرکز اور مرجع بنیں گے، لیکن بہت سے لوگ خاندانی تعلق اور قرب کی بنا پر عرصہ تک مولانا اشفاق احمد صاحب ہی کو جانشینی کا اصل حقدار سمجھتے تھے جو اسی خاندان کے چشم و چراغ اور حضرت کے حقیقی بھانجے عالم ذاکر و شاغل و جوان صالح تھے۔

حضرت کی طبیعت ہر طرح کی کشمکش، مقابلہ، دعوے اور اپنی شخصیت کے اظہار سے گریزاں تھی، آپ نے کشمکش کے ڈر سے ان دنوں رائپور کا قیام ترک کر دیا تھا، کبھی بہٹ، کبھی کھیڑی اور کبھی مکان پر رہتے تھے، تقریباً ۳-۴ سال رائپور میں مستقل قیام نہیں رہا،(۱) لیکن رفتہ رفتہ آپ کی طرف رجوع بڑھا اور منجانب اللہ آپ کی شخصیت مرکز بنتی چلی گئی، جو لوگ اصل مقصود (اصلاح و تربیت) کے طالب تھے اور اللہ کے نام کے لذت آشنا تھے وہ بے اختیار آپ کی طرف کھنچتے چلے گئے اور آپ کے اخلاص و ایثار اور عند اللہ مقبولیت کے اثر سے آپ کی مرکزیت نمایاں ہوتی چلی گئی اور ساتھ ہی ساتھ آپ کا قیام بھی رائے پور میں طویل ہوتا چلا گیا۔

نئی خانقاہ کی تعمیر

حضرت کی طبیعت ہمیشہ سے عمارت و تعمیرات سے تنگ ہوتی تھی، چودھری محمد صدیق خاں صاحب نے بڑے حضرتؒ کی وصیت کی تعمیل میں جب آپ کیلئے کچھ تعمیر کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا مکان نہ بنوائیے، میرے لئے تو صرف ایک چھپر ڈال دیجئے، مگر وہ نہ مانے کہا مجھے تو حضرتؒ کا حکم ہے، مکان ہی بنواؤں گا حضرت کے کسی سفر کے زمانہ میں انھوں نے موقع غنیمت سمجھ کر ایک پختہ دالان بنوا دیا

(۱) روایت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب،

رفتہ رفتہ آس پاس کئی چھپر اور سائبان پڑ گئے اور ایک خس پوش خام خانقاہ تیار ہو گئی، جو کچھ ہی عرصہ کے بعد طالبین خدا کا ایسا مرکز بن گئی جس نے مادیت اور غفلت کے اس دور میں اور چودھویں صدی کے وسط میں شاہ غلام علی صاحب دہلوی کی خانقاہ کی یاد تازہ کر دی اور بہت سی حیثیتوں سے اپنے وقت میں برعظیم ہند کی سب سے بڑی زندہ اور آباد خانقاہ تھی، جہاں ہندستان کے ہر ذوق اور ہر طبقہ کے ممتاز افراد عشق کا سودا اور دل کی دوا لینے کیلئے ملک کے گوشہ گوشہ سے جمع ہونے لگے اور جہاں مشکل سے کوئی وقت ذکر اللہ کی صداؤں اور عشق و محبت کے نغموں سے خالی ہوتا ہوگا، جہاں کی سرشاری اور بیخودی، ماسوی اللہ سے انقطاع اور ساقی کی عالی ظرفی اور فیاضی کو دیکھ کر بہت سے آلودہ دامن پکار اٹھتے تھے ؎

حشر تک یارب طفیل خادمانِ مے فروش
اک درِ توبہ کھلا رکھ اک دکانِ مے فروش

ابتدائی قیام کا نظام

اس ابتدائی قیام میں کچھ عرصہ تک آپ کا کھانا چودھری محمد صدیق صاحب کی اہلیہ کے ہاں سے آتا تھا، بقیہ مقیمین خانقاہ کیلئے دال روٹی یہاں پکتی تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ فجر کی نماز سے پیشتر چائے پی لیتے تھے، نماز کے بعد سیر کو جاتے، واپسی میں مزار پر بیٹھ کر آ جاتے اور آٹھ بجے کھانا کھا لیتے، حاجی ظفر الدین(۱) صاحب دو روٹیاں پکا دیا کرتے، اسی وقت دروازہ بند کر لیتے، ظہر کی نماز کے

(۱) حاجی ظفر الدین صاحب اصل ضلع جالندھر تحصیل نکودر کے رہنے والے ہیں، بعد میں قیام سندھ ہو گیا تھا بیعت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے ہے، بچپن سے حضرت کی خدمت میں رہے، حضرت کے

(باقی حاشیہ صفحہ پر)

وقت باہر تشریف لاتے تھے، معلوم نہیں کسی وقت لیٹتے بھی تھے یا مشغول ہی رہتے تھے۔

کبھی کبھی حضرت کی محبت اور یاد میں حضرت کے خدام سے مل کر دل کو تسکین دینے کیلئے باہر چلے جاتے، ایک دفعہ بہت سے تنہا ہی لودھی پور تشریف لے گئے، راستہ صحیح نہ معلوم ہونے کی وجہ سے نالہ میں سے گزرتے ہوئے پاجامہ اور کرتا بھیگ گیا، گاؤں کے باہر حافظ طفیل صاحب وغیرہ ملے، وہ گھر لے گئے، کپڑے بدلوائے اور عرض کیا کہ تنہا کیسے تشریف لے آئے، اطلاع ہو جاتی تو ہم آجاتے، حضرت نے فرمایا خیال آگیا کہ تم سب حضرت کے خواص تھے، جی چاہا کہ تمہاری زیارت کرتا جاؤں (۱)۔

اس وقت بغیر کسی دینی اور اصلاحی مقصد اور فائدہ کے حضرت کا معمول اہل تعلق کے پاس جانے اور اس طرح دورہ کرنے کا نہیں تھا، جس طرح پیر اپنے مریدوں میں جایا کرتے ہیں، ایک دفعہ لودھی پور والوں نے اصرار کیا کہ حضرت تو ہمارے یہاں آتے نہیں ہیں، بڑے حضرت تو تشریف لاتے رہتے تھے، فرمایا کہ یوں تو آنا مشکل ہے، البتہ اگر تم لوگ ذکر کرنے لگ جاؤ تو ضرور آتا رہوں گا، اس پر حافظ طفیل صاحب اور صوفی برکت صاحب وغیرہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱ کا) ساتھ پیلوں میں تھے، آپ کا وصال انھیں کی گود میں ہوا، آپ کے بعد خانقاہ کا لنگر حاجی صاحب ہی کے سپرد ہو گیا اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی وفات سے چند مہینے پہلے تک برابر وہی لنگر کے مہتمم رہے، وہ اور ان کا مختصر سا کنبہ بڑی مستعدی اور جفاکشی کے ساتھ خانقاہ کے مقیمین اور ان نئے نئے آنے والے مہمانوں کے لئے جن کی تعداد کا اندازہ پہلے سے کبھی نہیں ہو سکا خدمت انجام دیتے رہے، بعض بیماریوں اور معذوریوں کی بنا پر اخیر زمانہ میں یہ ذمہ داری ان سے لے لی گئی تھی۔

(۱) روایت مولوی عبدالجلیل صاحب بحوالہ صوفی برکت صاحب وغیرہ۔

ذکر سیکھا اور ذکر کرنا شروع کر دیا۔[1]

رفتہ رفتہ بڑے حضرت کے لوگوں کی اور آس پاس اور دُور دُور کے مقامات کے طالبین کی آمد بڑھتی چلی گئی اور رائے پور کی خانقاہ دوبارہ اسی طرح آباد اور پر رونق ہو گئی جیسے بڑے حضرت کے زمانہ میں تھی اور مخلصین کے اصرار اور خواہش پر آپ بھی ان کے یہاں جانے لگے، جہاں تشریف لے جاتے وہاں اسی طرح ذکر کی سرگرمی اور یادِ خدا کی ہماہمی شروع ہو جاتی اور وہی جگہ خانقاہ معلوم ہونے لگتی۔

ترکِ سفر کا تہیہ اس زمانہ میں آپ نے خود اپنی طبیعت کے رجحان یا بعض غیبی[2] اشاروں کی بنا پر ترکِ سفر کا تہیہ فرما لیا اور رائے پور میں ایسا مستقل قیام اختیار فرمایا کہ نہ بہٹ تشریف لے جاتے اور نہ کہیں اور، کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر جس میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے تشریف لانے سے معذرت کر دی تھی، حضرت شیخ الحدیث نے آپ سے شرکت کیلئے اصرار فرمایا، آپ نے شرکت قبول فرمالی، اس معمول کو بدلنے اور اپنا عزم فسخ کرنے سے گرانی بھی ہوئی لیکن آپ نے اس کو گوارہ فرمایا اور اس وقت سے سفروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔[3]

دوسرا حج حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کی وفات کے بعد آپ نے دوسرا حج ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۷ء میں کیا، جب سفرِ حج کا ارادہ ہوا تو آپ پہلے ڈھڈیاں تشریف لے گئے والدہ صاحبہ حیات تھیں ان سے حج کی اجازت لی، انھوں نے فرمایا کہ دونوں بھائیوں کو

---

(۱) روایت مولوی عبدالجلیل صاحب بحوالہ صوفی برکت وغیرہ (۲) اس سلسلہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک مجذوب بزرگ رائے پور آئے، آپ خلوت میں تھے، کچھ دیر انتظار کیا اور خود بات کر کے چلے گئے کہ آپ سفر بالکل نہ کریں اور مستقل خانقاہ میں رہیں۔ (۳) روایت حضرت شیخ الحدیث۔

بھی لیجاؤ، حضرت نے فرمایا ایک کو لے جاؤں گا اور وہ بھی محمد خلیل مناسب ہیں، آپ وہاں سے واپس ہو گئے اور اپنے بھائی محمد خلیل صاحب اور محمد علی خادم سے فرما گئے کہ اتنے روز کے بعد آجانا، رائے پور سے دہلی ہو کر روانہ ہوئے وہاں دس بارہ روز ٹھہرنا ہوا، اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے چھوٹے بھائی حافظ محمد خلیل صاحب، حاجی محمد علی خادم، مولانا عبد العزیز صاحب گمتھلوی، حاجی ظفر الدین، راؤ عبد الشکور خان رائے پوری، شاہ سکندر علی مرحوم، حافظ احمد حسن صاحب بن مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی وغیرہ تھے، ۲۱ رجب ۱۳۴۵ھ (۲۵ جنوری ۱۹۲۷ء) کو جہاز روانہ ہوا، اس حج سے قبل ہی پیچش کی شکایت تھی، جدہ سے اونٹ کر کے مکہ مکرمہ گئے، عمرہ کر کے مدینہ طیبہ کا ارادہ فرمایا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا محمد زکریا صاحب (شیخ الحدیث) وہیں مقیم تھے حضرت نے بھی رمضان کے روزے وہیں رکھنے کا فیصلہ فرمایا، مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تیرہ روز میں پہنچنا ہوا، عصر پڑھ کر مغرب تک اونٹ کے ہمراہ چلتے تھے مغرب پڑھ کر سوار ہوتے ویسے بھی کچھ نہ کچھ پیدل چلتے تھے، آخری منزل پر بدو سے کہہ دیا تھا کہ جب وہ جگہ آجائے جہاں سے گنبد خضرا نظر آتا ہے تو فوراً بتادے، اس نے بتادیا وہیں سے اتر کر پیدل چلتے رہے، رفقاء کو پہلے ہی تاکید فرمادی تھی کہ درود شریف کی کثرت رکھیں، خاموش رہیں اور بہت ادب واحترام کے ساتھ حاضری دیں، صبح کو مدینہ طیبہ پہونچنا ہوا۔ حضرت سہارنپوری دروازہ پر موجود تھے، سامان اتروا کر لے گئے، حضرت سہارنپوری ہی نے پہلا سلام مواجہہ شریف پر پڑھوایا۔(۱)

رمضان سے پیشتر مدینہ طیبہ پہونچ گئے تھے، تراویح حضرت سہارنپوری کے ساتھ مدرسہ علوم شرعیہ میں ہوا کرتی تھی، حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کو نافع کی قرأت میں

(۱) روایت جناب حافظ محمد خلیل صاحب برادر اصغر حضرت مولانا عبد القادر صاحبؒ

قرآن شریف سننے کا شوق تھا، ایک مالکی قاری تراویح پڑھایا کرتے تھے حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت رائپوریؒ حرم سے فرض کی نماز پڑھ کر تشریف لے آتے، رفقاء اور خدام بھی ان حضرات کے ساتھ آجایا کرتے۔

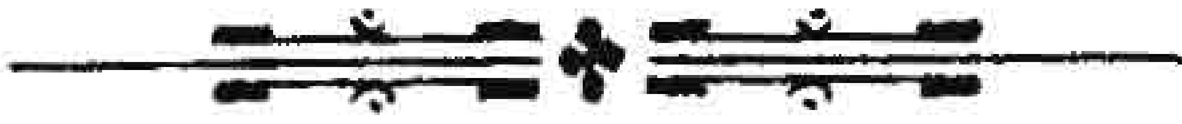
۱۶/ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ (۱۰/مئی ۱۹۲۷ء چہارشنبہ) کو مدینہ طیبہ سے شیخ الحدیث کی معیت میں مکہ معظمہ واپسی ہوئی، حضرت شیخ الحدیث کو یہ کہہ کر قافلہ کا امیر بنادیا کہ "الأئمة من قریش" آپ کے خدام آپ کا شُغدف اچھی طرح سے باندھتے تاکہ سفر میں راحت رہے، ایک شریک قافلہ رئیس کو اس بات کی شکایت رہتی کہ ان کا شغدف اچھی طرح نہیں باندھا جاتا، ان کے بار بار شکایت کرنے پر شیخ الحدیث نے بحیثیت امیر کے حکم دیا کہ وہ حضرت کے شُغدف میں سوار ہوں اور حضرت ان کے شغدف میں، حضرت تو اپنے شغدف سے فوراً اتر گئے، ان رئیس نے اترنے سے انکار کردیا، اس پر شیخ نے کہا کہ پھر حضرت پیدل چلیں گے، حضرت نے اس کو بخوشی منظور فرمایا اور پیدل روانہ ہوگئے۔ رئیس نے بڑی معذرت کی اور بڑے اصرار سے آپ کو سوار کرایا اور پھر شکایت نہیں کی(۱)۔

اس سال گرمی بڑی سخت پڑی، لو کی بڑی شدت تھی، اموات بکثرت ہوئیں، پانی کی نایابی کی وجہ سے لوگ اونٹوں پر چلتے چلتے مرجاتے تھے(۲)۔ حضرت نے اس موقع پر اپنے پانی سے بہت سے جاں بلب حجاج کی مدد فرمائی، اکثر اس وقت کی موت کی گرم بازاری اور حجاج کی تکلیف کے واقعات بیان فرماتے۔

---

(۱) روایت حضرت شیخ الحدیث (۲) روایت حافظ محمد خلیل صاحب

یکم محرم ۱۳۴۶ھ (مطابق یکم جولائی ۱۹۲۷ء) یوم جمعہ کو کراچی پہونچے اور ۶ محرم ۱۳۴۶ھ (۶ جولائی ۱۹۲۷ء کو) سہارنپور تشریف لے آئے، راستہ میں اہل تعلق کی بڑی بڑی جماعتیں زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئیں (۱)۔



۱) روایت حضرت شیخ الحدیث

رائے پور کے شب و روز

کہ برد نبرد شاہان زمن گدا پیامے | کہ بکوئے مے فروشاں دو ہزار جم بجامے
شدہ ام خراب و بدنام و ہنوز امیدوارم | کہ زبد خلاص یابم بدعائے نیک نامے (خواجہ حافظ)

انسانیت کی صحت گاہیں

جنھوں نے ہندستان میں فقر و تصوف کی تاریخ پڑھی ہے یا کبھی اس مقصد و ذوق کے ساتھ اس ملک میں سفر کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جس طرح شیر شاہ سوری نے اپنی تاریخی شاہراہ پر دورویہ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے کارواں سرائیں تعمیر کرائی تھیں، جہاں مسافر قیام کرتے، خوراک حفاظت اور آرام کی جگہ پاتے اور راہ کی خستگی و ماندگی دور کرکے تازہ دم ہو کر اپنا سفر شروع کرتے اسی طرح فیاض دل اور فیاض روح درویشوں اور انسانیت کے چارہ سازوں نے زندگی کے تھکے ہارے مسافروں اور مادیت کے تقاضوں اور مطالبوں سے پامال کئے ہوئے انسانوں کیلئے جنکو اپنے دل کی زندگی دم توڑتی اور روح کا شعلہ بجھتا نظر آتا تھا، ایسی پناہ گاہیں اور کارواں سرائیں تعمیر کی تھیں، جہاں کچھ دن ٹھہر کر دل کے چراغ کی لو نیا روغن اور روشنی پاتی، افسردہ قویٰ میں تازگی اور روح میں جلا پیدا ہوتی، غفلت اور معاصی کے مقابلہ کرنے اور اسلام کے پل صراط پر احتیاط و ثبات کے ساتھ چلنے کا عزم اور قوت پیدا ہوتی،

قوی الارادہ اور صاحب عزیمت لوگوں کی ہمت وقوت دیکھ کر اپنے کمزورارادہ میں قوت اور اپنی ضعیف ومذبذب طبیعت میں ہمت محسوس ہوتی، فرائض کے پابند، سنن وآداب کے پابند بنتے، غافل، ذاکر، نمازوں میں سستی کرنے والے شب بیدار بن جاتے، اسباب کے پرستار اور مادیت کے گرفتار جو مستقبل کے خوف اور فقر وفاقہ کے ڈر سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے اور تدبیر ووسائل کو رازق حقیقی سمجھتے، وہ ایک درویش خدامست کے توکل وتبتل کا منظر اور اللہ تعالیٰ کی مسبب الاسبابی کا تماشہ دیکھ کر توکل کے مفہوم سے آشنا اور یقین کی دولت سے بہرہ یاب ہوتے۔

دہلی، نواح دہلی اور دوآبہ میں متعدد ایسی خانقاہیں اور روحانی تربیت کے مرکز تھے جو پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول تھے، دہلی کی شہرۂ آفاق خانقاہوں کے دور انقلاب کے بعد اخیر دور میں گنگوہ اور تھانہ بھون کے روحانی وتربیتی مرکز مرجع خاص وعام بنے ہوئے تھے، پھر جب ان پر بھی دور انقلاب آیا اور سنت اللہ کے مطابق رشد وہدایت کی یہ شمعیں بھی (اپنے مشائخ کی وفات کے بعد) خاموش ہوگئیں تو اسی سلسلۂ روحانی کی ایک کڑی رائے پور کی خانقاہ نہ صرف اس نواح بلکہ صوبجات متحدہ سے لے کر پنجاب تک کا روحانی وتربیتی مرکز بن گئی، ملک میں بڑے بڑے انقلاب آئے بڑے بڑے سیاسی طوفان اٹھے، اور آندھیاں چلیں، ملک تقسیم ہوا، لیکن ان تیز وتند ہواؤں میں بھی یہ چراغ جلتا رہا، نہ رائے پور میں ذکر اللہ کی سرگرمی میں کوئی فرق آیا اور نہ یہاں کی دعوت اور موضوع میں کوئی تبدیلی ہوئی۔

رائے پور کی خانقاہ | رائے پور کی بستی[1] اور خانقاہ کے درمیان نہر حائل ہے بستی سے

---

(۱) رائے پور شہر سہارنپور سے بجانب شمال ۲۳ میل پر واقع ہے، سہارنپور سے چکروتہ کو جو پختہ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۹ پر)

جانب عزب نہر کے کنارے کچھ فاصلہ پر وہ کوٹھی ہے جس میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز کا قیام تھا، اس سے جانب عزب مسجد اور مدرسہ کی پختہ عمارت ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی حیات تک یہی خانقاہ اور اسی کے گرد وپیش طالبین خدا کا قیام تھا، جب حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے لئے چودھری محمد صدیق صاحب نے اپنے باغ میں جو مسجد سے مغربی جانب واقع ہے، نئی قیام گاہ تعمیر کرادی تو نئی خانقاہ وہیں منتقل ہوگئی،(۱) اس کے سامنے چند چھپر ڈال دیے گئے، سایہ کی کثرت کی وجہ سے چارپائیوں کا خاص اہتمام کیا گیا، حضرت کی ہمیشہ تاکید ہوا کرتی تھی کہ رات کو لوگ چارپائیوں ہی پر آرام کریں اور نوافل بھی حتی الامکان کسی بلند جگہ پر پڑھیں، جانب شمال ٹین کا ایک لمبا سائبان تھا اور ایک بڑا دالان اور برآمدہ، اس طرح کثیر تعداد کے لئے رہائش اور بقدر ضرورت آسائش کا سامان تھا، گرمیوں میں چھپروں میں رات بڑی ٹھنڈی اور خوشگوار ہوتی، پہاڑ کے دامن اور جمنا کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے بڑی ٹھنڈی ہوا آتی، خصوصاً شمالی ہوا بڑی خنک اور لطیف ہوتی، جاڑوں میں بستروں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸ کا) سڑک جاتی ہے اس کے ۱۰، ۹ میل پر گنڈیوہ کے پل سے جانب شمالی چار میل پر رائپور کی بستی آتی ہے یہ مسلمان راجپوتوں اور مسلمان شرفا کی بستی ہے، نواب زادہ لیاقت علی خاں کا ننہال یہیں تھا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس اللہ سرہ بھی یہیں کے نواسے تھے اور اپنے وطن تیگری (انبالہ) سے آپ یہاں منتقل ہوگئے تھے، اور اسی کو آپ کے روحانی فیوض کا مرکز اور مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(۱) وفات سے قریباً ڈیڑھ سال بیشتر پھر آپ کا قیام حضرت کی سابقہ کوٹھی میں ہوگیا اور مقیمین خانقاہ کی بڑی تعداد اس کے آس پاس مقیم ہوگئی، حضرت دس روپیہ ماہوار کے حساب سے اس کا کرایہ مدرسہ کو ادا فرماتے تھے۔

مہمانوں کا خاصا ذخیرہ تھا[1] جو ایسے مسافروں اور طالبین کے کام آتا جو اپنا بستر نہ لاتے عرصہ تک گنڈیور کے پل سے رائے پور کی خانقاہ تک کسی سواری کا انتظام نہیں تھا طالبین وزائرین عام طور پر نہر کی پٹڑی پر ۲½ میل کی مسافت پیادہ پا طے کرتے بالکل اخیر زمانہ میں بہٹ سے (جو سہارنپور سے سولہ میل اور رائپور سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور ایک مرکزی مقام ہے) رکشے مل جاتے اور خاص اہتمام سے کار بھی آجاتی ایک زمانہ میں سہارنپور سے بہٹ تک بھی آنے کیلئے تانگہ کے علاوہ اور کوئی سواری نہ تھی بعد میں سہارنپور سے بکثرت لاریاں چلنے لگیں جو بہٹ یا گنڈیور کے پل پر اتار دیتیں سواریوں کی دشواری ونایابی اور سواریوں کی کثرت وسہولت کے ہر دور میں طالبین صادق دور دور کی مسافت طے کر کے ذوق وشوق سے آتے اور ایک ایک وقت میں (ذکر و تربیت کی غرض سے طویل قیام کرنے والوں اور مقیمین کے علاوہ) مہمانوں کی بڑی تعداد ہوتی۔

رائے پور کا نظام الاوقات

نظام الاوقات یہ تھا کہ رات کے پچھلے حصہ میں بعض سب ہی جاگ جاتے اور طہارت ووضو سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے بعض لوگ مسجد چلے جاتے، اکثر وہیں چٹائیوں اور چارپائیوں پر نوافل ادا کرتے، پھر ذکر جہری یا مراقبہ میں مشغول ہو جاتے اس وقت رات کے اس سناٹے میں اور جنگل کی اس خاموش فضا میں خانقاہ اللہ کے نام کی صداؤں اور ذکر کی آوازوں سے گونج جاتی، اور حسب استعداد و توفیق لوگ اس فضا سے متکیف ہوتے اور سرور ومستی کی ایک عام کیفیت ہوتی اس وقت ہر ایک آزاد اور اپنے حال میں مشغول ہوتا، کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا

---

(۱) مولانا عبدالشکور صاحب دھرم کوٹی فرماتے تھے کہ پہلے سو ڈیڑھ سو اخیر میں ۲۰۰ سو مہمانوں کیلئے بستر کا انتظام تھا

صبح صادق کے طلوع کے ساتھ ہی مسجد میں اذان ہوجاتی، اذان و جماعت کے مابین (جو اچھا خاصا وقت ہوتا) چائے آجاتی، خانقاہ کے ناظم مطبخ حاجی ظفرالدین صاحب (جن کا خس پوش مکان یا جھونپڑا خانقاہ ہی میں جانب جنوب واقع ہے) ایسے سویرے کے وقت میں محض اپنے مختصر گھرانے کی مدد سے چائے کا انتظام کرلیتے اور سب کو فارغ کردیتے، حضرت بھی جب تک چائے نوش فرماتے تھے اسی وقت چائے سے فارغ ہوجاتے بعد میں چائے کے بجائے دودھ دوا وغیرہ کا معمول اسی وقت پورا ہوجاتا! اخیر زمانہ کے تین چار سال مستثنیٰ کرکے حضرت ہمیشہ نماز کے لئے مسجد جاتے، اکثر خدام اور حاضرین خانقاہ ساتھ ہوتے، نماز سے فارغ ہوکر (جب تک آپ میں قوت تھی) پابندی کے ساتھ سیر کو تشریف لے جاتے، بالعموم نہر کی پٹری پر گنڈیپور کی طرف اور دوموہنی تک (جو دو میل کے قریب ہے) تشریف لے جاتے، مجموعی طور پر چار میل کی سیر ہوجاتی، ایک عرصہ تک خصوصی مہمانوں کو حضرت یہاں تک پہنچانے بھی تشریف لاتے، کبھی میدان میں اس رد کے کنارے جو خانقاہ کے محاذی مشرق سے مغرب کو گئی ہے، تشریف لے جاتے اس سیر میں بالعموم مجمع نہ ہوتا، شروع میں تنہا تشریف لے جاتے، بعد میں جب کسی قدر ضعف ہوگیا تھا ایک دو خادم ساتھ ہوتے اور کوئی ایسے صاحب جو اپنا کوئی حال یا کیفیات سنانا چاہتے یا جن کو جلد رخصت ہونا ہوتا، اس میں ہمیشہ معمول قرآن پڑھنے کا رہا۔

واپسی پر ابتدا میں مزار پر کچھ دیر بیٹھتے، بعد میں یہ معمول جاتا رہا، کچھ دیر موسم کے مطابق باہر تشریف رکھتے، پھر اندر تشریف لے جاتے، کوئی موسم ہو اور مہمان کم ہوں یا زیادہ، اچانک اسی وقت آگئے ہوں، یا پہلے سے ٹھہرے ہوں ۱۰½، ۱۱ بجے کھانا

آجاتا، بالعموم وہی وقت باہر کے لوگوں کے آنے کا ہوتا تھا اور پہلے سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ کتنے مہمان آرہے ہیں بلا توقف وانتظار دسترخوان لگا دیا جاتا، کھانا عموماً نہایت سادہ اور بالعموم دال روٹی ہوتی، جب تک حضرت کی صحت اجازت دیتی رہی، مہمانوں کے ساتھ ہی کھانا تناول فرماتے تھے، اخیر زمانہ میں خاص مہمانوں کی رعایت سے حضرت کے مخصوص خدام راؤ (عطاء الرحمٰن خاں اور حاجی فضل الرحمٰن خاں) اپنا کھانا بھی لے آتے تھے اور مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر نشست ہوتی اس کا بھی کوئی خاص موضوع مقرر نہیں تھا، کبھی بزرگوں کے تذکرے ہوتے کبھی کوئی اور مضمون، ۱۲ بجے کے قریب آپ، خدام اور لوگ بھی آرام کرتے، ظہر کی اذان سے پیشتر یا اذان پر (حسب ضرورت و معمول) لوگ اٹھ جاتے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھتے، نماز ظہر کے بعد حضرت تخلیہ میں چلے جاتے، سفر حضر یہ قدیم و دائمی معمول تھا، صرف رائے پور میں کوٹھی کے قیام کے آخری ایام میں اسکی پابندی نہیں رہی تھی، اس تخلیہ میں حضرت کا کیا معمول تھا، مراقبہ میں مشغول رہتے یا تلاوت و نوافل میں اس کا تعین نہیں ہوسکا، عام طور پر صلوٰۃ التسبیح یا ذکر جہر کا معمول تھا، اس تخلیہ کا بڑا اہتمام والتزام تھا، عصر کی نماز سے کچھ پیشتر باہر تشریف لاتے، بعض مرتبہ باہر تشریف لانے سے پہلے کسی کو اگر خصوصی گفتگو کرنی ہوتی یا عرض حال کرنا ہوتا تو اندر طلب فرمالیتے، ابتدا میں خدام کا بیان ہے کہ چہرۂ مبارک پر ایسا جلال اور مستی کی کیفیت ہوتی کہ نظر روبرو کرنا مشکل ہوتا، اس وقفہ میں خاص مہمانوں اور علماء و خواص کی پذیرائی بھی فرماتے اور انکی طرف خصوصی التفات فرماتے، اسی اثناء میں چائے اور اخبار آجاتے، بعض حضرات اخبار کی اہم خبریں پڑھ کر سناتے، یہ کام اخیر زمانہ میں حاجی فضل الرحمٰن خاں کے سپرد تھا

وہ خبروں پر پہلے سرخی سے نشان لگا لیتے بعض بعض اہم مضامین بھی پڑھ کر سنائے جاتے حضرت کبھی کبھی کچھ ارشاد بھی فرما دیتے، اخبارات کا انتظار رہتا اور پابندی سے وہ پڑھے جاتے بعض زمانہ میں یہ سلسلہ عصر کے بعد رہتا۔

عصر کی نماز کے لئے مسجد جاتے، فارغ ہو کر مغرب تک موسم کے تغیرات کے مطابق کمرہ کے اندر یا باہر صحن میں عام نشست ہوتی، اسی موقع پر بستی کے حضرات اور گاؤں کے لوگ اور مقیمین خانقاہ جو اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوتے تھے، آ جاتے تھے، (اخیر کے ۴، ۵ سال چھوڑ کر (جس میں اس وقت پابندی سے کتاب سنائی جاتی تھی) اس مجلس کا کوئی مقرر و خاص موضوع نہ تھا، موسم، یا سیاسیات، حالات و واقعات بزرگان دین کے تذکرے، کوئی استفسار کیا جائے تو اس کا جواب، غرض ہر طرح کی مباح و جائز گفتگو ہوتی، اس مجلس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (جو اکثر تشریف لایا کرتے اور کئی کئی دن قیام فرماتے) تشریف رکھتے تو اس کا کیف رونق اور شگفتگی دوبالا ہو جاتی، حضرت (جب فرش پر نشست ہوتی) تو اپنے برابر ان کے لئے مسند رکھواتے، چارپائیوں پر نشست ہوتی تو اپنے برابر کی چارپائی پر فرش کرا کے اور تکیہ رکھوا کر بٹھاتے، کوئی استفسار ہوتا تو اکثر اس کا جواب شیخ پر محول فرماتے اور فرماتے کہ حضرت کیا ارشاد ہے؟ ان دونوں حضرات کی موجودگی کے زمانہ کی یہ محفلیں چشم فلک کو عرصہ تک یاد رہیں گی۔

حاضرین میں سے بڑے علماء اور قابل احترام حضرات کے لئے بھی خصوصی نشست اور آرام دہ جگہ کا اہتمام ہوتا خاص طور پر حضرت مولانا فضل احمد صاحب[1] کیلئے اس اہتمام

---

(۱) حضرت مولانا فضل احمد صاحب نہایت جید الاستعداد، مخلص اور شفیق استاد تھے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۴)

کا معمول تھا، وہ الگ ایک چارپائی پر فروکش ہوتے اور ہمیشہ خاموشی کے ساتھ مجلس میں شریک رہتے۔

غروب کے ٹھیک وقت کا اور گھڑی کو اس کے مطابق صحیح کرنے کا بڑا اہتمام تھا، اس کیلئے کئی اصحاب کھلے میدان میں سورج کے غروب ہونے کو دیکھنے کیلئے جاتے اور آکر صحیح صحیح وقت بتلاتے۔

مغرب کے بعد اہل خانقاہ نوافل و ذکر میں مشغول ہو جاتے، مغرب کے بعد کا یہ وقت زیادہ تر ان طالبین و سالکین کے لئے مخصوص تھا، جن کو اپنے ذکر و سلوک کے سلسلہ میں کچھ دریافت کرنا یا اپنی کسی خاص کیفیت و حالت کو عرض کرنا ہوتا، بالعموم ایسے حضرات پہلے سے عرض کر کے وقت مقرر کروا لیتے، اس وقت کسی دوسرے کی آمد پسند نہیں فرماتے تھے، نہایت شفقت و کرم کے ساتھ حال دریافت فرماتے بڑی توجہ سے بات سنتے اور بڑے اہتمام سے اس کا جواب دیتے اور رہنمائی فرماتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہی مجلس کے قیام و اہتمام کا خاص موضوع اور حضرت کی مبارک زندگی کا خاص مقصد ہے۔ اسی وقت میں اکثر لوگ بیعت و توبہ سے مشرف ہوتے۔

عشاء کی اذان اول وقت ہو جاتی، معذوری اور ضعف کے زمانہ میں اس کا اہتمام اور بھی بڑھ گیا تھا، عشاء کا وقت ہوتے ہی اذان ہو جاتی، اخیر زمانہ میں اذان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲ کا) حضرت کے قریبی اور قدیم رفیق اور مشرقی پنجاب کے اکثر علماء و محدثین کے استاد تھے آخر عمر میں تدریسی مشاغل ترک ہو گئے تھے اور بڑا وقت حضرت کی خدمت میں رائے پور میں اور بعد از قیام پاکستان میں لاہور لائل پور وغیرہ میں گزرتا تھا، حضرت کو ان کا بڑا خیال رہتا تھا، اور بہت تعلق خاطر تھا ۶ رجب ۱۳۸۳ھ (مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۶۳ء بروز بدھ) منٹگمری (مغربی پنجاب) میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

وجاعت میں بہت کم فصل ہوتا، نماز کے بعد ہی کھانا آجاتا، معذوری کے آخر زمانہ میں حضرت نماز مغرب کے بعد ہی کھانے سے فارغ ہو جاتے، عام مقیمین خانقاہ اور مہمان عشاء کے بعد متصل کھانا کھاتے، کھانے کے بعد جلد سونے کا اہتمام اور کوشش ہوتی تاکہ رات کو اٹھنے میں آسانی ہو،

حضرت کا نظام الاوقات بیان کرتے ہوئے حضرت کے ایک خاص متوسل لکھتے ہیں

"میں بیس پچیس مرتبہ خانقاہ شریف میں حاضر ہوا، زیادہ سے زیادہ ایک مرتبہ ۲۵ دن کے قریب وہاں رہا۔ حضرت کا پروگرام حسب ذیل تھا۔

رات کو تقریباً دو بجے اٹھتے تھے، تہجد، ذکر (نفی، اثبات) مراقبہ وغیرہ میں فجر تک مشغول رہتے، فجر کی سنتیں خانقاہ شریف میں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے تھے، وہاں فرض فجر پڑھ کر سیر کے لئے (۳ میل۔ ڈیڑھ میل جانا ڈیڑھ میل واپسی) نہر جمن غربی کے کنارے کنارے تشریف لے جاتے تھے واپسی پر وضو کر کے پھر ذکر و مراقبہ وغیرہ میں مصروف رہتے حتی کہ تقریباً ½۱۰ بج جاتے، پھر باہر تشریف لاتے تقریباً ½۱۱ بجے تک طعام سے فراغت ہوتی، تقریباً ۱۲ بجے حضرت آرام فرماتے اور ڈیڑھ دو بجے کے قریب بعد دوپہر حضرت پھر اٹھ بیٹھتے استنجا، طہارت، وضو سے فارغ ہو کر ظہر کی سنتیں خانقاہ شریف میں پڑھتے اور فرض مسجد میں ادا کر کے واپس تشریف لاتے اور اور پھر ذکر و مراقبہ میں مصروف ہو جاتے بعض خدام نے حضرت کے کمرہ کے باہر کان لگا کر سنا تو حضرت کو نفی اثبات کا ذکر آہستہ آواز سے کرتے ہوئے سنا اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ذکر لسانی صرف ایک

ذریعہ ہے، مقصود نہیں ہے، مقصود محض یاد ہے، اگر یاد نصیب ہو جائے تو ذکر لسانی چھڑا دیا جاتا ہے لیکن ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ بقا کے بعد بھی ترقی عبادات سے ہی ہے، یعنی قرآن پاک کا پڑھنا ذکر الٰہی کرنا اس سے ہی ترقی ہے، خاموش بیٹھنے اور محض تدبر سے نہیں، غرضیکہ حضرت عصر کے وقت تک اسی طرح مصروف رہتے، عصر کی نماز کے بعد عام مجلس ہوتی، حضرت عموماً خاموش رہتے لیکن جب کوئی سوال کرتا تو اس کا جواب مفصل اور مکمل بسط سے عنایت فرماتے جس سے سامعین کی اور سائل کی مکمل تسلی ہو جاتی، مجھے ایک بھی واقعہ ایسا یاد نہیں جس میں کسی سائل نے سوال کیا ہو اور حضرتؒ کے جواب سے اس کی یا دیگر سامعین کی تسلی نہ ہوئی ہو، مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک کا وقت ان سالکین کے لئے مخصوص تھا جو علیحدگی میں کچھ عرض کرنا چاہیں، عشاء کے بعد کھانا تناول فرما کر حضرت آرام فرماتے تھے اور تقریباً چار یا پانچ گھنٹے آرام کے بعد اٹھ بیٹھتے تھے۔ حضرت کی مجلس کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ چھوٹے پیمانہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کا رنگ ہے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" والی حدیث صاف چسپاں ہوتی تھی زہد و توکل، اخلاص، بات بات سے عیاں تھا کوئی چاہے کتنا ہی امیر ہو حضرتؒ کے دربار میں بچھی ہوئی چارپائیوں کے سرہانے کی طرف نہیں بیٹھ سکتا تھا، امراء پائنتی کی طرف ہی بیٹھتے تھے اور علماء کرام کے لیے سرہانے کی طرف مخصوص تھی۔[1]

---

(١) مضمون ماسٹر منظور محمد صاحب ایم۔اے۔

کتابوں کی خواندگی کا سلسلہ

رائے پور کی خانقاہ کی ایک بڑی خصوصیت جو باہر کے آنے جانے والے کو محسوس ہوتی اور جو حضرت کے ایک خاص ذوق اور تقاضائے قلبی کا نتیجہ تھا، مجلس عام میں ان مفید و منتخب دینی کتابوں اور مواعظ پڑھنے کا سلسلہ تھا جو زندگی کے آخری برسوں میں حضرت کے یہاں کا ایک ضروری معمول اور ایک وظیفہ اور خانقاہ کی زندگی کا انصاب سا بن گیا تھا، اس پابندی تسلسل اور اہتمام کے ساتھ کسی خانقاہ یا دینی مرکز میں کتابوں کے سننے اور پڑھے جانے کا رواج نہیں دیکھا۔

کئی برس سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ عصر کی مجلس میں (جو خانقاہ اور حضرت کے یہاں کی سب سے بڑی عمومی اور وسیع مجلس ہوتی تھی) کوئی ایک قابل اعتماد منتخب دینی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی۔ سردی گرمی، تندرستی، بیماری، کسی معزز و ممتاز مہمان، یا کسی جلیل القدر عالم کی آمد کے موقع پر بھی اس میں تخلف نہ ہوتا، جو کتابیں اس مجلس میں زیادہ تر پڑھی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تصنیفات عام طور پر خصوصیت کے ساتھ خصائل نبوی (ترجمہ شمائل ترمذی) اور کتب فضائل بار بار اور مکرر سہ کرر پڑھی گئیں۔ حضرت نے کئی بار فرمایا کہ ان کتابوں میں بڑی نورانیت ہے۔

واقدی کی فتوح الشام کا ترجمہ، تاریخ دعوت و عزیمت کا پہلا حصہ بار بار اور دوسرا حصہ ایک دو بار، اور تذکرہ مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کئی بار پڑھا گیا، سیرت سید احمد شہیدؒ بھی (مطبوعہ و قلمی)[1] لاہور و لائل پور کے قیام

---

(۱) نیا ایڈیشن لاہور میں زیر طبع ہے۔

میں پڑھی گئی، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کی مقبول کتاب سیرۃ رحمۃ للعالمین کے تینوں حصے بڑے ذوق اور توجہ سے سنے اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

شیخ کی کتابوں کے علاوہ سب سے زیادہ جو کتابیں پڑھی گئیں وہ دو تھیں، مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم تلخیص و ترجمہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی (مطبوعہ مکتبہ الفرقان لکھنؤ) اور حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، اول الذکر کتاب بار بار رائپور میں مولانا عبد المنان[1] صاحب نے سنائی اور آخر الذکر مسلسل مہینوں رائپور اور لاہور کے آخری قیام اور مرض وفات میں آزاد صاحب[2] نے پڑھی اور حضرت نے بار بار بڑے جوش کے ساتھ اس پر اپنے تاثر کا اظہار فرمایا، اس کی تصدیق فرمائی اور لوگوں کو متوجہ کیا، اور آپ پر رقت طاری ہوئی۔

ان کتابوں کے علاوہ (جن کے متعلق کہنا مشکل ہے کہ کتنے بار پڑھی گئیں) دار المصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی کی تاریخ و سیر کی کتابیں سیر صحابہ کے مختلف مجموعے، مولانا محمد منظور نعمانی کی کتابیں جو رد اہل بدعت اور مسلک دیوبندی کے دفاع میں ہیں، بڑے شوق اور دلچسپی سے سنی گئیں اور مولانا کو اس سلسلہ کے جاری رکھنے کی ہدایت بھی فرمائی۔

---

(۱) حضرت کے خادم خاص دوا غذا ڈاک کے مہتمم اور سفروں کے رفیق خاص، تقریباً ۱۹ سال حضرت کی خدمت میں رہے اور اسی خدمت کے لئے ہندستان کی شہریت اختیار کی، گوجرانوالہ پنجاب کے رہنے والے اور مدرسہ مظاہر العلوم کے فارغ ہیں۔

(۲) سید مسعود علی نام، حکیم سید محمود علی صاحب نتھوری کے فرزند، اخیر زمانہ میں (جب سے حضرت کو مسجد تشریف لیجانے سے معذوری ہوئی) خانقاہ اور حضرت کے امام صلوٰۃ تھے۔

عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی اذان تک یہ سلسلہ جاری رہتا، بعض اوقات اذان سے چند منٹ قبل بند ہوتا، بعض مرتبہ بند ہونے پر دریافت فرماتے کہ کیوں خاموش ہوگئے؟ قاری پھر پڑھنا شروع کر دیتا، کتاب شروع ہونے کے بعد حضرتؒ ایسا معلوم ہوتا عالم استغراق میں چلے جاتے، کبھی کبھی متوجہ ہو کر فرماتے کیا فرمایا؟ یا پھر پڑھو، ورنہ بالعموم آپ پر سکوت و استغراق طاری رہتا، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوگوں کے نفع اور ان کو مشغول رکھنے کے لئے اور ان کی مشغولیت کی حالت میں خود مشغول ہونے کے لئے یہ سلسلہ جاری فرماتے تھے،

کسی زمانہ میں اس معمول میں اتنی ترقی اور انہماک ہو جاتا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کتاب سنے بغیر چین نہیں آتا، بہٹ ہاؤس سہارنپور کے قیام میں اکثر دیکھا گیا کہ نماز فجر کے بعد جو آرام فرمانے کا معمول تھا اس سے بیدار ہو کر فوراً آزاد صاحب کی طلبی ہوتی، فتوح الشام یا صحابہ کرام کے حالات کی کوئی کتاب پڑھنے کا حکم ہوتا آزاد صاحب کسی ضرورت سے اٹھتے تو دوبارہ ان کی طلبی اور تلاش ہوتی خاموش ہوتے تو فرمایا جاتا کہ کیوں خاموش ہوئے؟ کھانا آنے تک (جو ہمیشہ ½ ۹ بجے آجاتا) یہ سلسلہ جاری رہتا اس میں انقطاع یا توقف یا ناغہ آپ کو گوارا نہ تھا، ان کتابوں کے ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ راقم سطور نے اکتوبر ۱۹۶۰ء میں اپنے وطن رائے بریلی سے اطلاع دی کہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کے تیسرے حصہ کے سلسلہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ مرتب ہو گیا ہے، اس خط کے کچھ عرصہ بعد رائے پور حاضری ہوئی مصافحہ کے ساتھ ہی کتاب کا مسودہ طلب فرمایا اور اسی وقت پڑھنے کا حکم ہوا، ظہر کے بعد سے عصر تک اور عصر کے بعد مغرب تک

برابر یہ سلسلہ جاری رہتا، کبھی کبھی کمرے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے لالٹین جلا کر کتاب پڑھی جاتی، جبتک کتاب ختم نہیں ہوگئی کوئی دوسرا کام ان وقتوں میں نہیں ہوا،

ڈاک اخیر زمانۂ حیات میں ظہر کے بعد (جب تخلیہ کا معمول تھا تو تخلیہ کے بعد اور جب یہ معمول نہیں رہا تو ظہر کے بعد) ڈاک سنی جاتی، اخیر زمانہ میں اسی وقت اخبارات کے سننے کا بھی معمول ہوگیا تھا۔

بیعت کا سلسلہ آرام و طعام اور نماز وغیرہ کے علاوہ بیعت کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا، بالعموم جانے والے فجر کی نماز یا ظہر کی نماز کے بعد بیعت ہوجاتے، اسی وقت مسافر رخصت ہوتے، مغرب کے بعد بالعموم بیعت کا سلسلہ شروع ہوجاتا، اکثر بیعت کرنے والوں کی کثرت سے کسی چادر یا دستار کو تھام کر بیعت ہونے کی نوبت آتی اخیر دنوں میں تو یہ سلسلہ بہت وسیع اور طویل ہوگیا تھا اور ایک ایک وقت سیکڑوں آدمی بیعت ہوتے اور کئی کئی آدمی بیچ بیچ میں کھڑے ہوکر مکبرین کی طرح توبہ کے الفاظ دہراتے اور بیعت کرنے والے ان کو ادا کرتے۔[1]

ختم خواجگان حضرتؒ کی زندگی کے آخری ۵، ٦ سال ختم خواجگان کی پابندی رہی۔ رائے پور قیام ہو یا پاکستان یا کہیں اور، بالعموم فجر یا ظہر کی نماز کے بعد آزاد صاحب کے اہتمام میں ختم خواجگان ہوتا۔[2]

---

(۱) پاکستان کے آخری سفر کے موقع پر اس میں بہت زیادہ وسعت اور بیعت کرنے والوں کا ہجوم ہوگیا تھا اسکی تفصیل (پاکستان کا آخری سفر) کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔ (۲) یہ ختم حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہ کے زمانہ سے معمول یہ ہے، ترکیب یہ ہے کہ پہلے تمام شرکا ختم دس دس مرتبہ درود شریف پڑھیں، اس کے بعد مجموعی طور پر تین سو ساٹھ بار لا ملجأ ولا منجا من اللّٰہ الا الیہ پھر ۳٦۰ بار سورۂ الم نشرح مع بسم اللہ پھر لا ملجأ ولا منجا من اللّٰہ الا الیہ ۳٦۰ مرتبہ، پھر تمام شرکا دس دس بار درود شریف پڑھ کر دعا کریں۔

ختم کے آخر میں آزاد صاحب طویل دعا کرتے جس میں تعلق والے مرحومین کیلئے دعائے مغفرت اور جن لوگوں نے فرمائش کی ہوتی ان کی کاربرآری اور مقاصد کے لئے اجتماعی دعا ہوتی۔

رائے پور کی فضا

رائے پور میں ہر وارد و صادر کو سب سے پہلے جو چیز متوجہ کرتی تھی وہ ذکر کی کثرت ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پتہ پتہ سے اللہ کے نام کی آواز اور ذکر کی صدا آرہی ہے، دن اور رات کے کم اوقات ذکر کی آواز سے خالی نظر آتے، رائپور کی فضا اور حضرت کے دامنِ عاطفت میں کم استعداد آدمی کو بھی یہ بات محسوس ہوتی تھی کہ سکون و اطمینان کی ایک چادر پوری فضا اور ماحول پر تنی ہوئی ہے، وہاں پہونچ کر ہر غم غلط اور ہر تردد اور فکر فراموش ہو جاتی تھی، اہل نظر و اہل بصیرت کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ حضرات نقشبندیہ کی نسبت سکینت ہے جو پورے ماحول پر محیط اور غالب ہے، اس میں حضرت سے جتنا قرب ہوتا اتنا ہی اس کیفیت و احساس میں قوت پیدا ہوتی، گویا مرکز "سکینت" وہ ذات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ اور یقین و رضا کی دولت سے نوازا ہے۔

رائے پور کے پورے ماحول اور گرد و پیش پر ضبط و تحمل وقار و سکینت اور خاموشی کی فضا طاری رہتی، اور یہ آپ کے ضبط و تحمل، عالی ظرفی اور نسبت کا رنگ تھا لیکن کبھی کبھی وجد و شوق اور سرور و سرمستی کی وہ کیفیت جس کو ضبط و تحمل اور تمکین نے مغلوب کر رکھا تھا اپنے وجود کا احساس دلا دیتی اور پر وقار اور عالی ظرف دریا کی کوئی کوئی موج ساحل سے آکر ٹکرا جاتی اور نسبت چشتیہ اپنا رنگ دکھاتی، کبھی کبھی آپ خود مولوی عبدالمنان دہلوی کو جن کو اللہ نے درد و سوز و خوش الحانی بھی عطا فرمائی ہے اور ان کو عربی، فارسی اردو

کے بکثرت شعر یاد ہیں) یا آزاد صاحب کو جو سخن شناس بھی ہیں اور سخن سنج بھی اور ان کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی ہے طلب فرماتے اور خواجہ حافظ، امیر خسرو، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی کوئی عاشقانہ یا عارفانہ غزل پڑھوا کر سنتے اور عجیب کیف و سرور پیدا ہو جاتا، مولوی عبدالمنان صاحب سے اکثر حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کی مشہور غزل جس کا مطلع ہے ؎

بے کارم و با کارم چوں مد بحساب اندر　　گویائم و خاموشم چوں خط بکتاب اندر

اور قصیدہ بانت سعاد وغیرہ عربی، فارسی اردو کے اشعار سنتے، نیز خواجہ حافظؒ اور امیر خسروؒ کی متعدد غزلیں پڑھی گئیں،

کبھی کبھی طلوع صبح سے پہلے کسی ذکر کرنے والے نے ذوق و شوق میں آکر خواجہ حافظؒ کی یہ غزل پڑھنی شروع کر دی تو مناسب حال ہونے کی وجہ سے اس میں خاص معنویت اور تازگی پیدا ہو گئی۔

من کہ باشم کہ دراں خاطر عاطر گزرم　　لطفہا می کنی اے خاک درت تاج سرم

اے نسیم سحری بندگی ما برساں　　کہ فراموش مکن وقت دعائے سحرم

ہمتم بدرقہ راہ کن اے طائر قدس　　کہ دراز است رہ مقصد و من نو سفرم

لیکن بہت جلد پھر محفل اور ماحول پر ضبط و تحمل اور سکینت کی فضا طاری ہو جاتی اور سب اپنے اپنے کام میں لگ جاتے اور معلوم ہوتا کہ "جام شریعت" کے ساتھ "سندان عشق" کی عارضی کارفرمائی تھی پھر دور جام چلنے لگا۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

ایک حاضر خانقاہ اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں:۔

"ایک دفعہ خیال آیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کی مجلس میں حال ہو جاتا ہے مگر میں نے تو کچھ نہیں دیکھا یہ (میرے قیام کا) اخیر دن تھا، دوسرے روز واپسی تھی مغرب کے بعد جب ذکر میں بیٹھا تو بیٹھتے ہی عجیب حالت شروع ہو گئی گریہ اور محویت اور توجہ الی اللہ ایسی کہ اللہ تعالٰی سامنے ہے اور حضرت میرے جانب ہیں اور تسلی فرما رہے ہیں، تمام ذاکرین پر عجیب حالت طاری تھی، اس حالت میں میں نے ذکر بڑی دقت سے پورا کیا اور آخر مجبوراً چھوڑ کر حاضر خدمت ہوا۔"

راؤ عطاء الرحمٰن خاں نے عرض کیا کہ حضرت آج تو عجب حالت تھی، آزاد صاحب نے تو قوالی ہی شروع کر رکھی تھی[1]۔ آپ نے فرمایا او ہو لاحول ولاقوۃ الا باللہ بس تمام حالت دگرگوں ہو گئی[2]۔

آزاد صاحب سے اکثر ان کے والد کی نظم فرمائش کر کے سنتے اور جب آزاد صاحب اپنے مخصوص انداز میں پڑھتے تو دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا اور سناٹا سا چھا جاتا، نظم کا مطلع یہ ہے۔

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشاں نہیں

رائے پور کا رمضان

رمضان مبارک میں خاص بہار ہوتی۔ لوگ بہت پہلے سے اسکے منتظر ہوتے اور تیاریاں کرتے، ملازمین چھٹیاں لے کر

---

(۱) یعنی ذکر کے ساتھ شوق انگیز اشعار پڑھ رہے تھے (۲) تحریر صوفی غلام فرید صاحب ساکن چھاد دیاں

آتے مدارس دینیہ کے اساتذہ اس موقع کو غنیمت جان کر اہتمام سے آتے علماء و حفاظ کی خاصی تعداد جمع ہوجاتی، تقسیم سے پہلے مشرقی پنجاب کے اہل تعلق و خدام اور وہاں کے مدارس کے علماء کی تعداد غالب ہوتی، اہل رائے پور اور اطراف کے اہل تعلق اولوالعزمی اور عالی ہمتی سے مہمانوں اور مقیمین خانقاہ کے افطار، طعام و سحر کا انتظام کرتے، رمضان مبارک میں اپنے شیخ کی اتباع میں مجلسیں سب ختم ہوجاتیں، باتوں کے لئے کوئی خاص وقت نہ تھا، ڈاک بھی بند رہتی، تخلیہ نماز کے وقت کے علاوہ تقریباً ۲۴ گھنٹے کسی ایسے شخص کے آنے سے گرانی ہوتی جس کے لئے وقت صرف کرنا پڑتا، افطار علالت سے پیشتر مجمع کے ساتھ ہوتا جس میں کھجور اور زمزم کا خاص اہتمام ہوتا، مغرب کے متصل کھانا، علالت سے پہلے مجمع کے ساتھ، اس کے بعد چار عشاء کی اذان تک یہی وقت ۲۴ گھنٹے میں مجلس کا تھا، اذان کے بعد نماز کی تیاری اس درمیان میں حضرات علماء جن کا مجمع اگلی صف میں رہتا، بعض اہم اہم سوالات کرتے اور حضرت ان کا جواب دیتے، عشاء کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ کبھی نشست، اور کبھی لیٹ جاتے، خدام بدن دبانا شروع کرتے، مسجد و خانقاہ میں تراویح ہوتی، مسجد میں بھی قرآن مجید ہوتا اور خانقاہ میں بھی۔

یوں تو حفاظ کی کثرت ہوتی مگر حضرت اچھے پڑھنے والے بہتر حافظ کو پسند کرتے۔

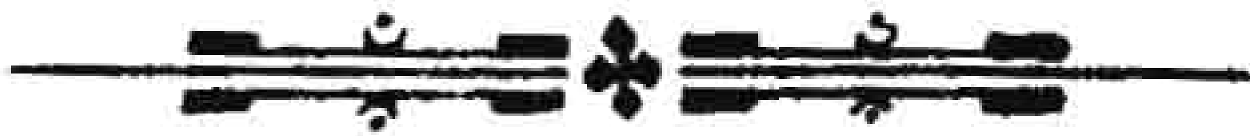
حضرت نے ایک سال ۱۹۵۲ء میں منصوری پر رمضان مبارک کیا، ۵۰، ۶۰ خدام ساتھ تھے، مولوی عبدالمنان صاحب نے قرآن مجید سنایا، تراویح کے بعد حضرت کے تشریف رکھنے اور مجلس کا معمول تھا، طبیعت میں بڑی شگفتگی اور انبساط تھا، متعدد حضرات رات بھر بیدار اور مشغول رہتے، غرض دن اور رات ایک کیف محسوس ہوتا تھا، ضعفاء و

کم ہمت بھی سمجھتے تھے کہ:۔

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

ایک حاضر خدمت خادم نے جس کو آخری عشرہ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور جو اپنی صحت کی کمزوری اور ہمت کی پستی کی وجہ سے مجاہدہ سے قاصر رہا اپنے ایک دوست کو ایک خط میں لکھا تھا۔

دکانِ مے فروش پہ سالک پڑا رہا
اچھا گزر گیا رمضان بادہ خوار کا



باطنی کیفیات اور نمایاں صفات

اے مرغ سحر عشق زپروانہ بیاموز — کاں سوختہ راجاں شد وآواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند — آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد (شیخ سعدیؒ)

محبت وشوق

کامل الاحوال بزرگوں کی باطنی کیفیات کا اندازہ عامی کیا لگا سکتے ہیں، ان حضرات کا اصول ومسلک یہ ہے کہ۔

عشق عصیان است گر مستور نیست

لیکن پھر بھی پیمانہ جب لبریز ہوتا ہے تو دو، چار قطرے ٹپک پڑتے ہیں، ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ضبط گریہ اور اخفائے حال کی کوشش اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے جس سے سینہ معمور اور دل مخمور ہے، کسی حقیقت شناس نے عرصہ ہوا کہا تھا:۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اصحاب احوال جب کسی شعر کا انتخاب کرتے ہیں یا اس سے ان کو خاص کیف اور ذوق حاصل ہوتا ہے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ان کے حقیقت حال کی تصویر اور ان کے دل کی سچی ترجمانی اور تعبیر ہے، ایک مرتبہ راقم سطور نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا فضل رحمٰن

گنج مراد آبادیؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

دل ڈھونڈنا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

حضرت کو اس شعر پر بڑا ذوق آیا اور کئی بار فرمائش کر کے مجھ سے سنا، میں سمجھ گیا کہ اس پسندیدگی اور کیف کی وجہ یہ ہے کہ یہ شعر مطابق حال ہے،

حضرتؒ کے خمیر میں شروع سے محبت و عشق کی چنگاری تھی، اور یہ ان کا فطری ذوق اور حال تھا، اس لئے مشائخ اور بزرگوں میں بھی جن کے یہاں یہ عنصر نمایاں اور غالب نظر آتا تھا ان سے خصوصی مناسبت اور عقیدت تھی، اسی بنا پر محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے عشق کا سا تعلق تھا اور ان کے حالات سے خاص شغف اور شیفتگی تھی اور کسی طرح ان کے حالات سے سیری نہیں ہوتی تھی(۱)، دور آخر میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے حالات اور تذکرہ میں یہ جنس بہت ملتی ہے اور اہل عشق کو ان کے واقعات، ان کی کیفیات اور ان کے منتخب و پسندیدہ اشعار سے بڑی چاشنی حاصل ہوتی ہے۔ لاہور کے دوران قیام ۱۹۵۹ء میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر کسی دوست کی تحریک و تذکرہ پر تذکرہ مولانا فضل رحمٰنؒ عصر کے بعد کی مجلس میں پڑھا جانے لگا اس وقت تک کتاب چھپی بھی نہیں تھی اور میرے پاس اس کا ناقص مبیضہ تھا، کتاب شروع

---

(۱) حضرت کے بار بار تقاضے اور تاکید ہی سے راقم نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کا تیسرا حصہ جو حضرت خواجہ کے حالات پر مشتمل ہے مرتب کیا، حضرت نے اتنے بار اس کا تقاضا فرمایا تھا کہ بغیر اس ارمغان کے حاضر ہونے سے شرم آنے لگی تھی، بالآخر اللہ نے اس کی توفیق دی اور حضرتؒ نے اس کو حرف بحرف سنا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، جب تک وہ ختم نہیں ہوا کوئی دوسری چیز شروع نہیں ہو سکی۔

ہوئی اور مولانا کے سادہ لیکن دل کو تڑپا دینے والے حالات اور واقعات پڑھے جانے لگے تو ساری مجلس پر ایک کیف سا طاری ہو گیا، جو در حقیقت حضرت کی کیفیت باطنی کا عکس تھا، زبان حال گویا کہہ رہی تھی:۔

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

بعض اہل احساس نے بیان کیا کہ ایسا کیف مجلس میں اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا، حضرتؒ نے ایک بار فرمایا کہ "بڑی پیاری باتیں ہیں" پھر فرمایا "پیاروں کی باتیں پیاری ہی ہوتی ہیں"۔

اسی بنا پر حضرت مولانا ہی کے ایک معاصر اور صاحب محبت شیخ سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کا تذکرہ بھی بڑے ذوق و کیف کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، یہاں بھی کشش کی وہی وجہ تھی، حضرت کے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دونوں نے خصوصی توجہ فرمائی تھی، حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ اور دوسرے مشائخ چشتیہ سے مناسبت اور خصوصی تعلق کی وجہ بھی یہی تھی،

اہل درد و محبت کے یہاں ہمیشہ سے عشق و محبت کے اشعار سے تسکین و قوت حاصل کرنے کا دستور رہا ہے، اس کا مقصد صرف دل کی آنچ کا (جو بعض اوقات ناقابل برداشت ہو جاتی ہے) نکالنا یا اس پر آنسوؤں کے چھینٹے دینا ہوتا ہے، اپنے زمانہ کے مشہور نقشبندی شیخ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نے اسی ضرورت و حقیقت کا اظہار اس طرح کیا ہے:۔

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینھ نہ برساتی

اس کے لئے اہل دل رسوم وضوابط کے پابند کبھی نہیں رہے کبھی سادگی کے ساتھ کبھی ذرا ترنم سے کوئی عارفانہ عاشقانہ شعر سُن لیا اور تسکین حاصل کرلی، اس لئے کہ :۔

فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے
نالہ پابندِ نَے نہیں ہے

حضرت بھی بعض اوقات اضطراراً کسی صاحبِ دل اور صاحبِ نسبت کا کلام سُن لیتے، بعض اوقات اپنی اس باطنی کیفیت وضرورت کی بنا پر فرمائش کرتے اور سادگی و بے تکلفی کے ساتھ عربی، فارسی، اردو اور زیادہ تر فارسی یا پنجابی کا عاشقانہ کلام پڑھا جاتا ۱۹۵۶ء یا شاید ۱۹۵۵ء میں جب سہارنپور سے پاکستان تشریف لے جارہے تھے تو یہ خادم سہارنپور سے لدھیانہ تک اسی کار پر تھا جس پر حضرت تشریف رکھتے تھے، سہارنپور سے جب کار روانہ ہوئی اور سوادِ شہر سے نکلی تو حضرتؒ کی بے کلی و بے تابی کی عجیب کیفیت دیکھی، معلوم ہوتا تھا کہ کسی کل چین نہیں آتا پیچھے کی سیٹ پر خود بدولت اور مولانا عبد الجلیل صاحب اور مولانا عبد المنان صاحب تھے، آگے کی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ یہ خادم بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے ارشاد ہوا کہ کچھ سناؤ، یہ خادم اگرچہ مختلف وقتوں میں عارفانہ وعاشقانہ اشعار پڑھا کرتا تھا، لیکن اس وقت کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ سوائے دو چار شعر کے کچھ یاد نہ آیا حضرت کی طبیعت مبارک اسی وقت اس کی متقاضی تھی کہ ترنم سے پڑھا جائے وہ بھی اس وقت نہ ہوسکا، اس سے تسکین نہ ہوئی تو فرمایا کہ بزرگوں کے واقعات سناؤ اتفاق سے وہ بھی کچھ زیادہ یاد نہ آئے، اس اضطراب کو دیکھ کر بار بار اس کا خیال آیا کہ کاش اس موقع پر مولوی عبد المنان صاحب دہلوی ہوتے اور حضرت کو خوش کرتے۔

پاکستان کے قیام میں بعض زمانوں میں یہ ذوق زیادہ غالب آجاتا اور جب بانوے

نیم لوگ ہوتے تو پنجابی کے اشعار سنتے، ایک زمانہ میں سونے سے پہلے بہت دن تک یہی معمول رہا۔

"اسی محبت وشوق اور دائمی نسبت و تعلق کا نتیجہ تھا کہ بڑی سے بڑی جسمانی تکلیف اور بیماری کی شدید سے شدید اذیت کے موقع پر بھی حرف شکایت زبان پر کیا دل میں بھی نہیں آنے پاتا تھا جو اس محبت وشوق کے بغیر ناممکن ہے مالک کے احسانات کا شکر کا جذبہ اور انس مع اللہ ان جسمانی اذیتوں اور انکے احساس پر غالب رہتا تھا۔

مولانا عبدالوحید صاحب بیان کرتے ہیں۔

"آخری ایام میں معمول تھا کہ عشا کی نماز اول وقت پڑھ کر فوراً لیٹ جاتے تھے ایک دن فرمایا کہ بہت جلدی نماز پڑھاؤ مجھے پیشاب لگا ہے سلام پھیرتے ہی فرمایا، چارپائی جلد اندر لیجاؤ، خدام چارپائی اندر لے گئے اور چوکی پر بٹھا دیا بہت دیر بیٹھے رہے پیشاب نہیں ہوا (حضرت کی تکلیف کا اندازہ اسکو ہو سکتا ہے جس نے اس زمانہ میں انکو دیکھا ہو) سخت تکلیف تھی فرمایا پیشاب نہیں ہوا اب مجھے اٹھا لو خدام نے اٹھا کر لٹانے کا ارادہ کیا پھر فرمایا بہت جلدی کرو، پھر چوکی پر بٹھایا گیا پھر بہت دیر بیٹھے رہے، فرمایا میں گر رہا ہوں مجھے جلدی سے اٹھالو، پھر اٹھا کر لٹایا پھر فرمایا مجھے اٹھاؤ، پھر یہی صورت پیش آئی، کئی مرتبہ کے بعد پھر جب اٹھانے کے لئے فرمایا (اس وقت انتہائی تکلیف کا عالم تھا) تو اتنا لفظ زبان سے نکلا کہ میرے مالک..... ایک خادم کے جی میں آیا کہ حضرت والا کو ساری عمر کیسی کیسی تکلیفیں رہیں گر ساری عمر ایک کلمہ بھی شکایت کا زبان پر نہ آیا مگر آج یہ جملہ کیسے نکل رہا ہے حضرت نے جملہ پورا فرمایا، میرے مالک کا میرے ساتھ عجیب فضل کا معاملہ ہے، وہ خادم دل

میں اس عاجلانہ خیال پر نادم ہوئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ شدید بخار تھا بیہوشی کی یہ حالت تھی کہ رات بھر بے چین رہے اور صبح کو کچھ احساس نہ ہوا کہ کیا تکلیف تھی، بے چینی کی یہ کیفیت تھی کہ کسی پہلو چین نہ تھا کبھی بیٹھتے کبھی لیٹتے۔ آدھی رات کے بعد خادم نے عرض کیا کہ اب کچھ سکون ہے؟ ارشاد فرمایا، الحمدللہ سکون تو ہے ہی، اسکے علاوہ کوئی لفظ زبان سے ایسا نہ نکلا جس سے آزردگی کا اظہار ہوتا ہو۔"

قرآن مجید سے شغف اور اسکی تلاوت کا انداز

حضرت کو اپنے شیخ کی طرح قرآن مجید سے عشق اور

اسکے پڑھنے اور سننے سے بڑا شغف اور ذوق تھا خود حافظ تھے، تخلیہ اور صبح کے اوقات میں اکثر قرآن مجید ہی سے اشتغال رہتا، کلام الٰہی کی تلاوت میں آپ کا کیا انداز تھا اور آپ اس وقت کیا مراقبہ اور استحضار فرماتے تھے، اسکا کسی قدر اندازہ اس روایت سے ہوگا، جو ایک معتبر خادم نے بیان کی ہے۔

"جب حضرت رحمۃ اللہ کی صحت اچھی تھی، تو رمضان المبارک میں بعد نماز عصر مجلس سے الگ تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے ایک صاحب جو وہیں رہا کرتے تھے بتلاتے ہیں کہ میں ادھر سے گذرا، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن پڑھنے کی کیفیت کچھ کھلی، اور بہت ہی بھلی معلوم ہوئی، اور دل ہی دل میں بے ساختہ یہ دعا کی کہ اے اللہ اس طرح پر قرآن پاک پڑھنا ہم کو بھی عطا فرمادے، رمضان المبارک کے گذرنے کے بعد غالباً حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں صاحب کو بلایا، اور فرمایا کہ "آؤ تمہیں بتلائیں قرآن ایسے پڑھا کرو، وہ جو قرآن پاک میں آتا ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں

کرتے اور اس شجر سے سنتے تھے، اپنے کو وہی شجر تصور کرو اور پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھو کہ یہ خدائے پاک فرما رہے ہیں، اور کانوں سے اسی انداز پر سنو کہ میں اپنے اللہ کا کلام اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں، اور اسی طرح پر فرمایا کہ فرماتے ہوئے یہی کیفیت سراپا اپنے اوپر طاری کرلی، اور فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ وہی کیفیت دل میں جیسے اتر گئی، وہ ہی صاحب یوں بتلاتے ہیں، کہ مدت تک قرآن پاک ایسی ہی کیفیت کے ساتھ پڑھنا نصیب ہوا، اور بہت ہی لطف آیا، اور یہ انداز قرآن پاک کی تلاوت کے سلسلہ کی ترقیوں میں نئے نئے اضافوں کا سبب بنا،،

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ان بزرگوں کے اس تعلق و محبت کا اندازہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ان کو حاصل ہے بغیر ان کو قریب سے دیکھے اور کچھ دن صحبت میں رہے نہیں ہو سکتا، دور سے دیکھنے والے تو ان کو زاہد خشک اور معاذ اللہ بے ادب اور محبت سے ناآشنا سمجھتے ہیں، مگر ان کا حال وہ ہوتا ہے جو آسی نازی پوری نے پوری احتیاط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ہے بابِ جا کے کہو مرے سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

اس محبت اور جذبہ کی تسکین بھی نعتیہ اشعار سے ہوتی تھی، حضرت خاص طور پر صحابہ کرام کے نعتیہ اشعار زیادہ شوق اور فرمائش سے سنتے تھے خصوصیت کے ساتھ قصیدۂ بانت سعاد حضرت کا بڑا محبوب قصیدہ تھا اور اکثر مولوی عبدالمنان صاحب دہلوی سے اسکے سنانے کی فرمائش کرتے تھے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے اشعار۔

فینا رسول اللہ یتلو الکتابہ اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا بہ موقنات ان ما قال واقع

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

حضرت کو خوب یاد تھا اور خود پڑھ کر سناتے تھے،

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف منسوب قصیدہ جس کا مطلع ہے،

صبا بسوئے مدینہ روکن ازیں دعاگو سلام برخواں

بگرد شاہ مدینہ گردو بصد تضرع سلام برخواں

اکثر پڑھوا کر سنا، اسی طرح۔

دلم زندہ شد از وصالِ محمد

جہاں روشن است از جمالِ محمد

اسی طرح پنجابی اور ملتانی کے نعتیہ اشعار محمد شفیع صاحب اور کمتر صاحب سے اکثر سنتے تھے اور اس وقت اکثر آنکھیں پرنم ہوتیں۔

ایک مرتبہ حضرت مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے، اس خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس مسجد میں بعد کے لوگوں نے بڑی زیب و زینت پیدا کر دی اور قیمتی قالین بچھائے کاش یہ مسجد اپنی پہلی سادگی پر ہوتی، معلوم نہیں اس وقت حضرت کس حال میں تھے جوش آگیا، فرمایا "حضرت اور زیادہ زیب و زینت ہو، دنیا میں جہاں کہیں جمال اور زیب و زینت ہے انھیں کے صدقہ میں تو ہے" مجھے شرمندگی ہوئی اور احساس ہوا کہ یہ حضرات کس قدر محبت سے بھرے ہوئے ہیں،

مرض وفات میں مدینہ طیبہ کا ذکر سن کر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی اور بعض

اوقات بلند آواز سے رونے لگتے، مولانا محمد صاحب انوری عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے حضرت سے رخصت ہونے کے لئے آئے، مدینہ طیبہ کا ذکر ہوا تو حضرت دھاڑیں مار کر روئے مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ "میں نے کبھی حضرت اقدس کو اس سے پہلے بلند آواز سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا" یا ابو عبدالعزیز صاحب آئے تو ان سے فرمایا "دیکھو یہ مدینہ جا رہے ہیں"، یہ کہہ کر حضرت کی چیخیں نکل گئیں۔(۱)

صحابۂ کرامؓ سے تعلق و محبت

کتاب میں اس کا تذکرہ کئی بار آچکا ہے کہ حضرتؒ پر ابتدائے شعور سے صحابہ کرامؓ کی محبت و عظمت کا بڑا غلبہ تھا اور حضرت کو ان کے حالات اور تذکرہ سے بڑی مناسبت اور شغف تھا، اکثر انھیں کا تذکرہ کرنا اور سننا پسند فرماتے تھے ان کی فتوحات و مغازی کی کتابوں سے سیری نہیں ہوتی تھی، فتوح الشام واقدی سے خاص شغف تھا، خلفائے راشدینؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے مناقب بڑی دلچسپی اور لطف سے سنتے تھے اور اس داستان کو زیادہ سے زیادہ طول دینا پسند کرتے تھے،

بحرفے تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از شوق حضوری طول دادم داستانے را

پاکستان میں بالخصوص (وہاں کے حالات کی بنا پر) یہ ذکر و تذکرہ بہت بڑھ جاتا تھا، ایک روز ایک مجلس میں فرمایا:۔

اگر شیعہ کے اصول کو دیکھا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ نہیں رہ جاتا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی کمال ہی نہیں معلوم ہوتا، ہم دیکھتے ہیں کہ

---

(۱) مکتوب مولانا محمد صاحب انوری

ایک بزرگ کی صحبت سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی اصلاح ہو جاتی ہے اور صحبت کی برکت سے پکے دیندار بن جاتے ہیں، نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے کوئی بھی پکا مسلمان نہیں بنا؟[1]

ایک مرتبہ ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے جو سادات کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور تشیع کی طرف مائل ہیں فرمایا:۔

"بھائی میں تو سیدوں سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے تو آپ حضرات پر اعتبار نہیں رہا کہ ہم تو اچھے خاصے مندروں میں پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے آپ کے بڑوں نے ہمارے بڑوں کو اسلام کی دعوت دی، ہم لبیک کہتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لئے اب آپ ہمیں یہیں چھوڑ کر کوئی شیعہ ہو رہا ہے، کوئی مرزائی اور کوئی عیسائی اور کوئی منکر حدیث، بس بھائی ہمیں یہی اسلام کافی ہے، یہ ہمارے بس کا نہیں کہ تم جہاں جاؤ ہم تمہارے پیچھے پیچھے بھاگے پھریں، اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم مسلمان نہیں ہیں تو ہمیں تو اور کوئی مسلمان نظر نہیں آتا"[2]

مولانا محمد صاحب انوری لکھتے ہیں:۔

"حضرت نور اللہ مرقدہ کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سننے کا بڑا ذوق و شوق رہتا تھا، مولانا محمد یوسف صاحب کی کتاب حیاۃ الصحابہ[3]"

---

(۱) مجلس ۶ جمادی الثانیہ ۱۳۷۶ھ کو بمعیت صوفی عبد الحمید صاحب۔ (۲) تحریر صوفی غلام فرید ساکن بھلوال

(۳) حیاۃ الصحابہ مولانا محمد یوسف صاحب کی جلیل القدر تصنیف ہے کتاب عربی میں ہے، یہ صحابہ کرام کے حالات و واقعات اور تبلیغ و دعوت کی روئداد کا نہایت ضخیم مجموعہ ہے، دو ضخیم حصے مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد سے طبع ہو چکے ہیں، تیسرا حصہ زیر طبع ہے۔

(جو کبھی خلوت میں سنائی گئی) سن کر بہت روتے تھے اور پنجاب کے اسفار میں لاہور و لائل پور میں تو ہم نے دیکھا ہے کہ محمد شفیع کبیر والہ ضلع ملتان سے آجاتے تو ان سے مناقب صحابہ کے متعلق پنجابی نظمیں سنتے اور رقت طاری ہو جاتی، اکثر اوقات حضرت اقدس کی زبان مبارک پر پنجابی کا یہ شعر رہتا تھا۔

او دیوانے محمدؐ دے میں دیوانہ صحابہؓ دا

او پروانے محمدؐ دے میں پروانہ صحابہؓ دا

پھر محمد شفیع کے انتظار میں رہتے جب آتے تو یہ شعر ضرور سنتے۔[1]

اپنے شیخ اور اکابر سے تعلق

شریف الفطرت اور کریم النفس انسان جس سے کوئی نعمت پاتا ہے ساری عمر اس کا احسان مانتا ہے اور اس کے گن گاتا ہے، پھر جس شخص کو کسی شیخ کامل اور مقبول بارگاہ کی خدمت میں طویل صحبت اور خصوصی قرب حاصل رہا ہو اور اس نے شب و روز جلوت و خلوت میں بنظر غائر اسکی زندگی کا مطالعہ کیا ہو اور اسکے کمالات اس پر منکشف ہوئے ہوں، اس کا دل کس طرح اس کی محبت و عقیدت سے لبریز اور اسکی زبان کس طرح اس کے محامد و فضائل بیان کرنے میں مشغول نہ ہو،

حضرت اپنے شیخ و مربی حضرتِ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قدس اللہ سرہ کی محبت و عقیدت سے لبریز تھے، اور یہ آپ کا ایک دائمی حال اور ذوق بن گیا تھا، جس وقت آپ کا ذکر فرماتے تھے اس شعر میں ذرا مبالغہ اور شاعری نہیں معلوم ہوتی ہے،

---

(۱) مکتوب مولانا محمد صاحب انوری، مولانا عبدالجلیل صاحب فرماتے ہیں کہ باوجود ضبط کے نعت کے آخری مصرع کا اثر حضرتؒ پر ہوتا تھا اور بعض اوقات اس اثر سے بدن میں حرکت دیکھی گئی۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

حضرت کے اخلاص وللّٰہیت، حضرت کی بے نفسی وفنائیت، حضرت کے اجتہاد وبصیرت پر آپ کو پورا اعتقاد واعتماد تھا، ایک مرتبہ فرمایا:۔

"میں اپنے حضرت کی تعریف اس لئے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے، ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے اور تو کچھ نہیں عرض کرتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ میں چودہ۱۴ سال حضرتؒ کی خدمت میں رہا، اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے نہیں سنا، جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو، حُبِ جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں اولیاء اللہ کے قلوب سے نکلتی ہے جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے، یہ بات میں نے اپنے حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حُبِ جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا۔"(۱)

حضرت کو اپنے شیخ اور شیخ سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے اتنا انس اور محبت تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمیں تو رائے پور کا کتا بھی پیارا ہے"۔ حضرت کا کوئی دُور سے دور کا رشتہ دار بھی ہوتا تو اس سے اس طرح جھک کر ملتے کہ گویا اپنے کسی معزز قریبی عزیز سے مل رہے ہیں اور ان سے اس درجہ اظہار تعلق فرماتے کہ نہ جاننے والے یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ یہ لوگ حضرت کے کوئی قریبی عزیز اور خصوصی تعلق والے ہیں، اپنے قریبی عزیزوں کو ان کے مقابلہ میں ہمیشہ پیچھے رکھا۔(۲)

(۱ و ۲) تحریر مولانا عبدالوحید صاحب

اس غایت تعلق کا نتیجہ یہ تھا کہ کامل مناسبت اور اتحاد پیدا ہو گیا تھا، ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے اور شیخ کے تعلق کو کیا پوچھتے ہو، جو بات حضرت کے قلب میں آتی وہی بات میرے دل میں آجاتی تھی، اور جو میرے قلب میں آتی وہی حضرت کے قلب میں آتی۔[1]

حضرتؒ سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ خادمانہ برتاؤ فرماتے تھے اور ان کے حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کو اپنے حق میں نہایت مفید و موجب ترقی سمجھتے تھے، ایک بار فرمایا کہ:۔

"رائے پور میں شاہ زاہد حسن صاحب مرحوم کی بیماری کی خبر آئی[2] میں نے سوچا کہ یہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے، خالص لوجہ اللہ بغیر بلائے ان کی عیادت کو جانا چاہیے، اس لیے رائے پور سے پیدل چل دیا، اس جانے میں عجیب کیفیت رہی اور ایک ایسی خوشبو آتی رہی کہ پھر وہ نہیں آئی، یہ اس تصحیح نیت کی برکت تھی[3]"

یہ تعلق مرور ایام اور طول مدت سے مضمحل اور کمزور نہیں ہوا تھا بلکہ جوں جوں وقت گزرتا اور وقت آخر قریب آتا جاتا تھا، اس محبت و تعلق میں اضافہ و ترقی تھی دسمبر ۱۹۵۰ء میں حضرت لکھنؤ میں مولانا محمد منظور صاحب کے مکان پر تشریف رکھتے تھے عمائد شہر بھی حاضر تھے، حضرت اپنے مرشد مولانا شاہ عبد الرحیم صاحبؒ کے مرض و وفات اور انتقال کا حال

---

(۱) تحریر مولانا عبد الجلیل صاحب (۲) اس بیماری کے بعد حضرت شاہ صاحب عرصہ تک زندہ رہے حضرت شاہ صاحب کی پشت پر سرطان ہو گیا تھا اور وہ اچھا ہو گیا، اس مرض تک شاہ صاحب کو حضرت سے کچھ زیادہ موانست و عقیدت نہ تھی لیکن اسکے بعد انکو حضرت سے عاشقانہ و خادمانہ تعلق پیدا ہو گیا جو اخیر تک رہا۔ (۳) تحریر مولانا عبد الجلیل صاحب۔

بیان فرمارہے تھے، جب انتقال کا ذکر فرمایا تو آنکھوں میں آنسو تھے اور ایسا معلوم ہورہا تھا کہ زخم تازہ اور حادثہ بالکل قریب کا ہے، لاہور کے زمانۂ قیام میں مرض وفات میں حضرت کا ایک مکتوب بنام شاہ زاہد حسن پڑھا جارہا تھا، جب آخر میں حضرت کا اسم گرامی "احقر عبدالرحیم" آیا تو ضبط نہ ہوسکا اور رقت طاری ہوگئی،

نہ صرف اپنے شیخ جن سے براہ راست تعلق تھا اور جو ولی نعمت تھے بلکہ اپنے سلسلہ کے تمام شیوخ بالخصوص سلسلۂ ولی اللّٰہی اور سلسلۂ امدادیہ کے مشائخ اور اہل سلسلہ سے نہایت درجہ عقیدت مندی اور عشق و محبت کا تعلق تھا، ان حضرات کے بارے میں کسی طرح کی تنقیص یا تنقید کی طبیعت متحمل نہیں تھی، اور یہ ایک ایسی غیر اختیاری کیفیت تھی، جس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کو سچی محبت، کامل اعتماد اور شرافت اور شکر گزاری کا جذبہ فطرت میں ملا ہے، صوفی محمد حسین صاحب راوی ہیں:-

"ایک دفعہ ڈھڈیاں میں شام کا کھانا ہورہا تھا، حضرت والا خود دسترخوان پر تشریف فرما تھے، ایک صاحب لائل پور سے تشریف لائے جن کا جماعت اسلامی سے تعلق تھا، السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے، حضرت نے ان کو کھانے میں شریک ہونے کو کہا، چنانچہ کھانے میں شریک ہوگئے، ان کو حضرت کے ساتھ ہی جگہ ملی، ابھی ایک ہی لقمہ اٹھایا ہوگا کہ انھوں نے حضرت اقدس سے سوال کیا (بڑے اکھڑپن سے سوال بھی کیا) حضرت! شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کیوں ناکام ہوگئی تھی؟ ناکامی کی وجوہات کیا تھیں؟ حضرت اقدس نے بڑی ناگواری کے ساتھ بلکہ غصہ کے ساتھ فرمایا کہ ہم کوئی بزرگوں کے عیب نکالنے کے لئے تھوڑے بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی سعی بہرحال مشکور ہے، اس سے وہ

صاحب خاموش ہو گئے[1]

بے نفسی وفنائیت

حضرتؒ نے اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ و تأثر جو کچھ بیان فرمایا، حضرت کے یہاں رہنے والوں کا بعینہ یہی تأثر حضرت کی ذات سے متعلق ہے کہ کبھی ایک کلمہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بُو بھی آتی ہو، حُبِّ جاہ کا بیان سرکٹا ہوا تھا، اس خادم کو ۱۳۶۹ھ کے آخری سفرِ حج میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور تقریباً تین مہینے شب و روز ساتھ رہنا ہوا، بعض خدام نے اپنے ادراک و الطاف الٰہی کے واقعات بھی سنائے، پورے سفر میں حضرتؒ نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے حضرتؒ کے علوِ مرتبہ یا کسی کشف و ادراک کا احساس ہو، حج کے علاوہ بھی کبھی کوئی ایسی بات قصداً نہیں فرمائی جس سے لوگوں کی عقیدت میں اضافہ یا آپ کی بزرگی کا احساس ہو، خدام نے جب سنا، اپنی نفی، اپنا انکار، اپنی بےحسی اور عبادت کا اظہار سنا، مشیخت کی باتیں یا متصوفانہ نکات یا سلوک و معرفت کی تحقیقات بیان کرنے کا حضرت کے یہاں دستور ہی نہ تھا، مسئلہ علماء سے پوچھتے، تصوف کی کوئی بات پوچھتا تو اگر حضرت شیخ الحدیث صاحب یا کوئی دوسرا صاحبِ علم و صاحبِ نظر قریب ہوتا تو اس کی طرف محوّل فرما دیتے، اگر اصرار کیا جاتا اور بات ضروری ہوتی تو نہایت نپے تلے لفظوں میں مغز کی بات فرما دیتے، ایسی بات سے گریز کرتے جس سے آپ کی ژرف نگاہی بار یک بینی کا اندازہ ہو، لیکن اہلِ حقیقت سمجھ جاتے کہ

غواص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

---

(۱) مولانا عبدالجلیل صاحب کی روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں اسّی برس کا بوڑھا قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں اب بزرگوں کے عیب ڈھونڈھنے کے واسطے رہ گیا۔؟

کسی بھری مجلس میں خواہ اس میں کیسے ہی نئے نئے اور سربرآوردہ اشخاص کیوں نہ ہوں، اپنی لاعلمی اور اپنے عامی ہونے کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا خواہ اس کا اثر حاضرین مجلس اور خاص طور پر صاحب علم طبقہ پر کچھ پڑتا ہو، راولپنڈی میں ایک مرتبہ قریشی صاحب کی کوٹھی پر چمن میں عصر کے بعد بڑی وسیع مجلس تھی، بعض اعلیٰ عہدہ دار، ممتاز علماء اور عمائد شہر جمع تھے، پروفیسر عبدالغنی صاحب جے پوری نے (غالباً اس خیال سے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں اور لوگ مستفید ہوں) سوال کیا کہ حضرت صبر کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت نے بڑی بے تکلفی سے راقم کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں ان سے پوچھو، میں نے اپنے نزدیک بڑی کسرنفسی اور تواضع سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس لغوی معنی کے سوا کچھ معلوم نہیں، نہایت سادگی اور اطمینان سے فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں، مجلس پر سناٹا چھا گیا، حضرت کو اس کا احساس نہیں معلوم ہوتا تھا کہ مجلس کے خواص حضرت کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے، جن کو علماء و عمائد کے ایک بڑے گروہ نے اپنا شیخ و مربی تسلیم کر رکھا ہے،

ایک مرتبہ لائل پور کے دوران قیام میں اس بارے میں خدام واحباب کے درمیان بڑی کشاکش تھی کہ حضرت رمضان کہاں کریں، لائل پور کے اہل تعلق لائل پور کے لئے کوشاں تھے لاہور کے احباب لاہور کے لئے مُصر تھے اور قریشی صاحب وغیرہ راولپنڈی کے لئے عرض کرتے تھے، حضرت نے ایک روز سحور کے وقت تینوں گروہوں کے خاص خاص اشخاص کو بلایا اور فرمایا کہ بھائی دیکھو میں ایک غریب کاشتکار کا لڑکا ہوں، میرے گھر میں ایسی غربت تھی کہ میں جب طالب علمی میں آیا کرتا تھا تو میری والدہ کو فکر ہوتی تھی کہ گیہوں کی روٹی کا انتظام کس طرح کریں؟ عجمی بھی ہوں، اول تو کچھ زیادہ پڑھا نہیں، پھر جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی بھول

گیا، اب تم جو مجھے کھینچے کھینچے پھرتے ہو اور کوئی ادھر لے جانا چاہتا ہے کوئی ادھر تو یہ محض اس کی برکت ہے کہ کچھ روز اللہ کا نام لیا، تم خود اخلاص کے ساتھ چند روز اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے کہ خود مطلوب بن جاؤ، یہ تقریر کچھ ایسی سادگی اور اثر کے ساتھ فرمائی کہ بعض حضرات کی آنکھوں میں آنسو آگئے،

لکھنؤ سے بریلی جاتے ہوئے سفر میں مجھ سے فرمایا کہ آپ لوگ اہل علم ہیں، آخر آپ نے مجھے کیوں آگے کر دیا اور کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں، ایک مسترشد خادم کو جو اپنی حقیقت اور احتیاج سے کسی قدر واقف تھے، اس کا جو جواب دینا چاہیئے تھا وہ عرض کیا گیا۔

ایک مرتبہ آزاد صاحب نے حضرت کو مخاطب کر کے ایک غزل کہی جس کا مقطع تھا۔

یہ کیا ستم ہے کہ آزاد تیرے ہوتے ہوئے
ہے میکدہ میں بھی اور تشنہ کام ہے ساقی

یہ شعر سن کر فرمایا کہ بھائی میرے پاس تو پانی بھی نہیں، یہ شعر تو شیخ الحدیث کو سنانا یہ دراصل حضرت کا حال تھا جس میں کسی تصنع یا مصلحت بینی کا دخل نہیں تھا، بداہتہً اور وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے تھے اور اہل نظر کے نزدیک یہ مقام ہزار کرامتوں اور ہزار علوم و معارف سے ارفع ہے۔

بے نفسی اور فنائیت کا ایک واقعہ جو میرے نزدیک سیکڑوں مجاہدات اور صدہا کرامات سے بھی بلند اور بیش قیمت ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کی طبیعت وقتی تاثرات و جذبات سے کس قدر غیر متاثر واقع ہوئی تھی اور آپ کا مزکی نفس بے نفسی اور فنائیت کے کس درجہ پر پہونچ گیا تھا اور آپ کی طبیعت میں کس درجہ [illegible]

بناہ کی قوت اور حق شناسی تھی۔

وفات سے تین چار ماہ قبل کا واقعہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خادم جو ساری عمر خانقاہ کے کھانے وغیرہ کے ذمہ دار رہے۔ بوجہ اپنی علالت کے انکی بیوی نے اپنے لڑکے کے ذریعہ معذوری ظاہر کردی جس پر حضرت نے کچھ فرمائے بغیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے گھر میں کھانے کا انتظام کیا، حضرت نے بالکل سکوت فرمایا اس کے بعد منتظمین نے ان کے خلاف بہت شکایات کیں، کھانا اچھا نہیں ہوتا، روٹی کچی ہوتی ہے۔ کبھی نمک غائب، مہمانوں کو تکلیف ہوتی ہے غرض کہ اس طرح کی بہت سی باتیں انھوں نے کہیں۔ گویا وہ چاہتے تھے کہ بہت اچھا ہوا کہ انھوں نے استعفیٰ دیدیا۔ حضرت سے انھوں نے کہا کہ یہ منجانب اللہ ہوا ہے ہم چاہتے بھی یہی تھے۔ لیکن ان سب کے کان بھرنے کے باوجود حضرت نے سکوت اختیار فرمایا کچھ ایک لفظ بھی نہیں کہا، صرف ایک مرتبہ ان شکایات کے جواب میں ایک عام بات یہ فرمائی کہ "بھائی اصل میں ایک کام جب بہت دن تک کیا جاتا ہے تو اس میں اتنا اہتمام نہیں رہتا اور ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔"

بہر حال دوسرے دن حضرت نے انکو دوسری کوٹھی سے بلوایا، مگر وہ آئے نہیں، کئی گھنٹے کے بعد پھر بلوایا پھر بھی نہیں تشریف لائے ظہر کے بعد پھر وہ شکایات کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً آدمی بھیجا اب کی وہ تھوڑی دیر کے بعد آگئے کمرہ خالی کروایا گیا۔ چارپائی کی پشت پر حضرت کے بھائی مولانا عبدالوحید صاحب تشریف رکھتے تھے حضرت

استغراق میں تھے جب وہ آئے تو حضرت نے فرمایا کون ہے؟ انھوں نے کہا ظفرالدین فرمایا آ گئے؟ تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے اپنا حال بتایا اور ڈاکٹر کے دکھانے کا ذکر کیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا مجھے تمہاری بیماری کی بہت فکر ہے اللہ تعالےٰ تمھیں صحت عطا فرمائے میں بہت معذور ہوں، چل نہیں سکتا ورنہ دن میں کئی مرتبہ تمہاری خدمت میں آتا۔ اگر تکلیف کی وجہ سے نہیں آسکتے ہو تو اپنے لڑکے بشیر احمد کے ذریعہ اپنی خیریت کہلوادیا کرو دوا بھی تو تمنے خریدی ہو گی؟ جب ڈاکٹر کے پاس گئے تو کچھ پیسے تو لے جاتے، انھوں نے جواب دیا کہ حضرت دس روپے لے گیا تھا اور دوا اتنے ہی میں آئی اسکے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میری واسکوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالو (اس میں اس وقت ۳-۴ روپیہ تھے) اور فرمایا کہ یہ رکھ لو دوائی وغیرہ میں کام آئیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دوسری جیب بھی تو دیکھو اس میں بہت بڑی رقم تھی فرمایا کہ یہ بھی رکھ لو انھوں نے کچھ تکلف کیا حضرت نے فرمایا کہ اور بھی بہت سے خرچ ہیں اسکو رکھ لو۔ اللہ کا شکر کرو۔ یہ محض میرے مالک کا فضل ہے جب وہ رقم لیکر واپس جانے لگے تو حضرت نے پھر آواز دی اور ارشاد فرمایا۔ تم نے ہمارا کھانا پکانا کیوں چھوڑ دیا؟ تین چار مہینہ کی بات تھی میں تو چاہتا تھا کہ تمہارے ہی ہاتھ سے کھاتے انھوں نے اپنی اور اپنی اہلیہ کی بیماری کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا تمہارے تین بچیاں ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ وہ چھوٹی بچیاں ہیں، حضرت نے فرمایا ہم تو چاہتے ہیں کہ تمہارے ہی ہاں کھائیں چاہے جیسا بھی ہو کچا ہو پکا ہو

بے نمک ہو جس طرح کا بھی ہو۔ اگر تم اور تمہارے گھر والے نہ کر سکیں تو ایک .....

..... ملازمہ رکھ لو ان کا خرچ انشاءاللہ میں دونگا، اس کو مجھ سے لے لیا کرو کسی کو خبر نہ ہو لیکن پکے تمہاری ہی نگرانی میں۔ انھوں نے کہا کام کرنے والی کوئی عورت اچھی ملتی نہیں، حضرت نے فرمایا کہ تمہیں اچھی نہیں ملتی تو میں بھائی فضل الرحمن سے ہی کہتا ہوں وہ انتظام کر دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ سوچ کر بتاؤنگا اسی درمیان میں یہ بھی فرمایا کہ تمہارے پاس چاول کی بوریاں بھی تو آئی تھیں اس میں سے ایک بوری چاول علی میاں کے لئے ہمیں چاہیئے اسکے بعد چلے گئے اسکے بعد حضرت نے کچھ نہیں لیا

دوسرے تیسرے روز بہت بڑی تعداد میں ہدایا و تحائف اور رقمیں آئیں حضرت کی جیبیں نوٹ روپیہ سے بھر ہی چکی تھیں پوری چارپائی بھی نوٹوں سے پاٹ گئی، اپنے بڑے رومال میں ان سب روپیوں کو اکٹھا کر کے باندھ لیا اسکے بعد حاجی ظفرالدین صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ "اسکو خوب مضبوطی سے اور کس کر باندھو تاکہ زیادہ بڑی نہ معلوم ہو اور لیجاؤ"، کھانے کے سلسلہ کی کوئی بات نہیں فرمائی۔ (روایت مولانا عبدالوحید صاحب)

زہد و توکل اور بذل و سخا

حضرتؒ نے اس دور انحطاط و مادیت میں مشائخ متقدمین اور گزشتہ عہد کے اصحاب یقین کے زہد و توکل کی یاد تازہ کر دی، آپ کو دیکھ کر اور آپ کی صحبت میں کچھ رہ کر ان کے ان واقعات کی تصدیق ہو جاتی تھی، جو اس زمانہ کے ناآشنا اور ظاہر بیں اشخاص کو مبالغہ آمیز اور مشکوک معلوم ہوتے ہیں، یہاں آکر مال و دولت اور روپیہ پیسہ کی حقیقت کھل جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ وہ اس مرد خدا کی نظر میں کنکریوں اور

سنکیوں سے زیادہ نہیں، یہاں نہ کسی امیر کا اعزاز تھا، نہ اس کی دولت وثروت اور جاہ وحشمت کا تذکرہ، بعض مرتبہ وزرائے حکومت آتے اور چلے جاتے، کبھی مخصوص خدام سے بھی (جو بعد میں آتے) ان کی آمد کا تذکرہ تک نہ فرماتے، ہندوستان وپاکستان دونوں جگہ اس طرح استقبال ووداع ہوتا جو بڑے بڑے وزراء وامراء کو نصیب نہیں لیکن ایک جگہ کے استقبال یا وداع کا دوسری جگہ ذکر بھی زبان پر نہ آتا، معلوم ہوتا کہ یہ سب تماشہ ہے یا یہ سب اعزاز کسی دوسرے کا ہو رہا ہے، کار کے سفر میں کاروں کا ایک کارواں پیچھے ہوتا لیکن معلوم ہوتا کہ اس سب اعزاز و احترام سے بے تعلق اور علٰحدہ کسی اور حقیقت پر نگاہ جمی ہوئی ہے۔

سب سے مایوس اور سب سے مستغنی تھے مگر چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا ایسا تکفل ہوتا کہ عقل ظاہر بیں انگشت بدنداں رہتی، دوائیں انگلستان تک سے آتیں، موسم کے پھل اور میوے اور خاص طور پر جن کی حضرت کو غذا یا دوا میں ضرورت ہوتی، وہ سہارنپور دہلی اور پاکستان تک سے بڑے اہتمام سے آتے اور اتنے جمع ہو جاتے کہ ان کا ختم کرنا مشکل ہو جاتا، اکثر دیکھا گیا کہ ادھر حضرت کو معالج نے کوئی پھل بتایا، ادھر کوئی خادم بڑی مقدار میں نذر لے آیا، اور اس کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا، ایک خادم (۱) اپنا مشہور واقعہ لکھتے ہیں:۔

"آموں کی فصل تھی کثرت سے آم مہمانوں کو بھی تقسیم ہوا کرتے تھے، ایک بار فرمایا، اب تو انگور ہوتے، یہ بات کھانے کے بعد فرمائی تھی، ظہر میں جو مہمان آئے وہ انگور لے کر آئے اور پھر انگوروں کا اتنا سلسلہ شروع ہوا، کہ انگور بھی آموں کی طرح تقسیم ہوتے تھے۔

ایک بار فرمایا کہ اللہ نے مجھ پر اتنی رزق میں وسعت فرمائی ہے کہ اگر چاہوں تو مہمانوں کو مرغ پلاؤ روزانہ کھلاؤں"

---

(۱) صوفی انعام اللہ لکھنوی۔

ایک مرتبہ رائے پور سے پاکستان کے لئے روانگی ہوئی سہارنپور میں فرمایا کہ غلطی ہوئی، موم نہیں لے لیا، پاکستان میں دقت سے ملتا ہے، موم روغن کی ضرورت ہوگی، کچھ ہی دیر کے بعد دیکھا گیا کہ ایک شخص بہت سا موم لئے چلا آرہا ہے اور نذر کر رہا ہے"(۱)۔

اسی سلسلہ کا ایک اور واقعہ جو مولانا عبدالوحید صاحب بیان کرتے ہیں قابل ذکر ہے مولانا لکھتے ہیں۔

"ایک صاحب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں، ابتدا میں حاضری ہوئی۔ ان دنوں حضرت اپنے گھر جانے کی تیاری فرما دی تھی دیکھا تو جیب میں ایک پیسہ نہیں اور اتنے طویل سفر کی تیاری ہو رہی ہے اور جو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں وہ سب ارباب حوائج میں تقسیم فرما دیتے ہیں، سفر کے بیچ میں ایک دن رہ گیا ہے میں دیکھ دیکھ حیران ہوں کہ اسی طرح تقسیم فرماتے رہے تو آخر سفر کیسے ہوگا، دوپہر کے وقت بہت سے مہمانوں ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ گاؤں سے بھائی فضل الرحمٰن خانصاحب آئے اور حضرت کے کان میں عرض کیا میں پاس کھڑا سن رہا تھا" ایک منی آرڈر بمبئی سے ۵۴ روپیہ کچھ آنے کا آیا ہے بھیجنے کا پتہ میں جانتا نہیں حضرت نے فرمایا میں بھی نہیں جانتا حضرت کا معمول تھا کہ ایسے منی آرڈروں کو واپس فرما دیتے تھے مگر اس موقع پر فرمایا کہ اسکو رکھ لو، اللہ تعالیٰ نے ہمارے سفر کے لئے انتظام فرمایا ہے اسکے بعد فرمایا کہ حساب لگاؤ کہ انٹر کا کرایہ میرا اور میرے ساتھی کا ڈھڈیاں تک کیا ہوگا، انھوں نے جوڑ کر بتایا کہ ٹھیک ۵۴ روپیہ کچھ آنے ہی ہوتے ہیں حضرت نے یہ فرما تو دیا لیکن اس رقم کا رکھنا بھی طبیعت پر بار ہونے لگا چنانچہ سہارنپور پہونچ کر

---

(۱) روایت آزاد صاحب۔

وہ بھی کسی ضرورت مند کو عنایت فرما دیا۔

اسی سلسلہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ جو خدا کے مقبول بندوں کے حالات اور ان کے ساتھ خدا کی مسبب الاسبابی کا جو معاملہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اس کے پیش نظر تو عجیب وغریب نہیں لیکن ظاہری نگاہ اور روزمرہ کے واقعات کے لحاظ سے ضرور عجیب ہے مولانا عبدالوحید صاحب کی زبانی سننے میں آیا۔

مستری احمد حسن صاحب(۱) اور حافظ محمد ابراہیم صاحب(۲) وغیرہ احباب دہرہ دون کا معمول تھا کہ اکثر ہفتہ میں کسی شام کو موٹر پر رائے پور آجاتے اور رات وہاں رہ کر اگلے دن دہرہ دون واپس ہو جاتے ایک مرتبہ وہ ایسے ہی دہرہ دون سے رائے پور آرہے تھے کہ انکو راستہ میں بیچ سڑک پر ایک سیاہ سا جانور کھڑا نظر آیا قریب ہی جنگل اور جنگلی جانوروں کی شکارگاہ ہے اسلئے پہلے انکو یہ خیال آیا کہ کوئی شیر یا تیندوا وغیرہ ہوگا باوجود ہارن بجانے کے وہ راستہ سے نہ ہٹا، آخر کار انھوں نے موٹر روکی اور قریب جا کر دیکھا تو ایک نیل تھا اسکو انھوں نے بھی ہٹانے کی کوشش کی تاکہ راستہ صاف ہو اور موٹر چلے لیکن وہ اڑا کھڑا رہا اور وہاں سے نہ ہٹا، انکے پاس شکار کا کوئی سامان نہ تھا، یہاں تک کہ کوئی چھرا چاقو بھی نہ تھا انھوں نے کچھ دیر انتظار کیا کچھ ہی دیر کے بعد ایک دوسری موٹر یا ٹرک آیا، اسکی سواری میں سے کسی کے پاس چاقو تھا انھوں نے وہ چاقو لیا اور اسی نیل کو حلال کیا۔ وہ گویا اسی کے لئے کھڑا تھا انھوں

---

(۱) مستری احمد حسن صاحب حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے بیعت ہیں، حضرت سے بھی بڑا تعلق رکھتے تھے اور اس برادرانہ رشتہ کی وجہ سے حضرت کو بھی ان سے بہت انس و تعلق تھا دہرہ دون میں موٹروں وغیرہ کی مرمت کا کام کرتا تھے حضرتؒ اکثر مسوری سے آتے جاتے انکے ہاں ٹھہرتے تھے۔ ذاکر شاغل اور خوش اوقات بزرگ ہیں۔ (۲) حافظ محمد ابراہیم کا مرحوم دہرہ دون میں بھٹے کا کاروبار تھا انکو بھی حضرتؒ سے بہت تعلق تھا۔

نے اسکو موٹر پر لادیا۔ اور رائے پور لے آئے حضرت کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ

اللہ کا بڑا فضل ہے میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ کل فلاں فلاں بزرگ تشریف

لائے ہیں (۱) ہمارے پاس گوشت نہیں ہے۔ کاش کہیں سے گوشت آجاتا اللہ تعالیٰ نے یہ سامان کیا

ادھر غیب سے ضرورت کی اشیاء کی آمد تھی ادھر ان کو فوری صرف اور روپیہ کا رات کو

رکھنا اور اس پر رات کا گزرنا طبیعت پر بڑا بار تھا، خدام جو کچھ پیش فرماتے تھے فوراً دوسرے

خدام مقیمین خانقاہ اہل حاجت اور آنے والوں کو پیش کر دیتے، حاجی فضل الرحمٰن خاں کہتے

ہیں کہ صرف میرے ہاتھوں سے کئی لاکھ روپئے حضرت نے دوسروں کو دلائے ہیں، بعض اہل تعلق

کو کرایہ کے نام سے سوسو دو دوسو کی رقم عطا فرمانے کا عام دستور تھا، کبھی ان کی آمد پر بڑی شفقت

سے فرماتے کہ میں تو بہت دن سے تمہارا انتظار کر رہا تھا اور تمہارے لئے رقم رکھے ہوئے تھا

پھر فوراً کچھ عنایت فرماتے، ایک خادم جو سفر حج میں ساتھ تھے حجاز سے مصر و شام چلے گئے

تھے، ان کے ایک رفیق کو ایک ہزار کی رقم عنایت فرمائی اور فرمایا کہ ان کو بھیج دو اور لکھ دو کہ تمہاری

صحت بحری سفر کی متحمل نہیں، تم ہوائی جہاز سے سفر کرنا میں (۲) نے خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات

منی آرڈر سے کوئی معتد بہ رقم آئی، وصول کرتے ہی کسی کے حوالہ فرما دی، جو لوگ اس عادت

سے واقف تھے وہ ایسے موقع پر موجود رہنے سے احتیاط کرتے تھے۔

صوفی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں:۔

"مولانا عبد اللہ صاحب دھرم کوٹی نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ لاہور میں صوفی

عبد المجید صاحب کی کوٹھی پر حضرت والا قیام پذیر تھے، دوپہر کا وقت تھا اور سب لوگ

---

(۱) اس موقع پر جہاں تک راقم کو یاد ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت شیخ الحدیث کا نام لیا ممکن ہے مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی ساتھ ہوں۔ (۲) روایت مولانا منظور صاحب نعمانی۔

سو رہے تھے، میں ساتھ کے کمرہ میں تھا حضرت چارپائی پر آرام فرما رہے تھے لیکن بیدار تھے اور سب خدام سو رہے تھے، ایک نو وارد آئے حضرت سے ملے اور کچھ نذرانہ پیش کر کے رخصت ہو گئے، حضرت نے ان کے جانے کے بعد فرمایا "ارے بھائی کوئی ہے"، چونکہ خدام سب سوئے ہوئے تھے صرف ایک صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے (جن کا نام مولانا نے مصلحتاً نہیں بتایا) انھوں نے حضرت کی بات کا جواب دیا، فرمایا یہاں آؤ دیکھو یہ کیا ہے؟ انھوں نے دیکھ کر بتلایا کہ حضرت مبلغ سات سو پینتیس روپے ہیں، فرمایا اچھا ان کو جیب میں ڈال لو، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے ضرورت نہیں ہے، مجھ پر اللہ کی مہربانی ہے، اور میں اس کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر بھی نہیں ہوا، فرمایا "اجی بس ڈال بھی لو، کہیں کام آجائیں گے"۔(۱)

محمد اختر صاحب (نومسلم) بیان کرتے ہیں کہ :۔

"ایک دفعہ مجمع لگا ہوا تھا، بہت سے حضرات بیٹھے تھے کسی شخص نے مصافحہ کرتے وقت بے تکلف عرض کیا: "حضرت دس روپیہ کی ضرورت تھی"، حضرت نے فرمایا اللہ سے دعا کرو، پھر خاموش ہو گئے، تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا، سو روپیہ کا نوٹ حضرت کے ہاتھ پر رکھا، حضرت نے آواز دے کر فرمایا "ارے بھائی وہ شخص کہاں گیا جو دس روپیہ مانگ رہا تھا"، وہ بولا، جی حضرت بیٹھا ہوں، فرمایا "لے یہ دس روپیہ"، اس نے عرض کیا حضرت یہ تو سو روپیہ ہیں، فرمایا "لے جا تیری موج ہو گئی"۔

رقم کی مقدار اور تعداد میں ان حضرات کے نزدیک کوئی فرق اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بعض مرتبہ حقیر سی رقم قبول اور بعض مرتبہ بڑی رقم واپس فرما دیتے، مولانا منظور صاحب بیان

---

(۱) روایت آزاد صاحب۔

کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے سامنے دو منی آرڈر آئے، ایک پانچ کا تھا، ایک نوے کا، پانچ کا قبول فرما لیا، نوے والے کو یہ کہہ کر واپس فرما لیا کہ میں انھیں پہچانتا نہیں ہوں۔

رائے پور کا دسترخوان بہت وسیع تھا، بالعموم ۵۰۔۶۰ اور بعض دنوں میں کئی کئی سو آدمی مہمان ہوتے، دسترخوان اگرچہ بالعموم سادہ ہوتا اور حضرت اس سادگی اور اہل خانقاہ اور اہل ذکر کے لئے جفاکشی اور سادہ غذا کو پسند فرماتے اور تکلفات و تنعم کو ان لوگوں کے لئے مضر سمجھتے جو اپنی اصلاح و تربیت کے لئے آئے ہوئے ہیں، پھر بھی اس میں تنوع اور تکلف ہوتا رہتا، خصوصاً خصوصی مہمانوں کی آمد کے موقع پر تو ہر وقت ایسا تنوع ہوجاتا کہ بڑے بڑے امراء کے یہاں دیکھنے میں نہ آتا۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں:۔

"اب سے چار پانچ سال پہلے کی ایک دن کی بات ہے ہم دونوں (یعنی عاجز اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) بھی حاضر تھے، لگ بھگ سو مہمان ہوں گے، دسترخوان پر خود میں نے گنا چار قسم کی تو کھیر تھی، تین قسم کی پھلیاں تھیں، گوشت بھی کئی قسم کا تھا، یہ سب قرب و جوار کے دیہات کے حضرتؒ کے محبین مخلصین حضرتؒ کے مہمانوں ہی کی نیت سے خود اپنے گھروں سے پکوا کر لے آتے تھے اور رائے پور کے خوش نصیب بھائی تو روزانہ ہی اپنے گھروں سے ناشتہ دانوں میں بھر بھر کے کئی کئی قسم کے کھانے لاتے تھے ــــــ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کا یہ ظہور ادھر چند برسوں سے مسلسل ہو رہا تھا ــــــ حق یہ ہے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ــــــ لیکن یہ سب کچھ اس دور میں ہوا جب حضرت اپنی مسلسل علالت کی وجہ سے خود اس میں سے کچھ بھی نہیں کھا سکتے تھے۔"

حضرت شیخ الحدیث کی آمد پر جتنا تکلف و اہتمام ہو حضرت کو بجا اور برمحل معلوم ہوتا تھا۔ اس کا سامان بھی اللہ تعالیٰ بروقت اور غیب سے فرماتا اور اس کے لئے کبھی کسی تردد کی ضرورت نہ ہوتی، غرض انھیں اہل توکل ویقین کو دیکھ کر آیت قرآنی وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اور مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ کی تصدیق وتفسیر ہوتی۔

مقبولیت ومحبوبیت

دین سے استغنا معاشی بحران ودنیا پرستی کے اس دور میں آپ کی ذات کی طرف ایسا رجوع ہوا اور محبین ومعتقدین کا ایسا ہجوم ہوا جس سے مسلمانوں کے عہدِ عروج اور دینداری وخدا طلبی کے دور ترقی کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آگئی، آپ کہیں ہوں گاؤں میں یا شہر میں، ہندستان میں یا پاکستان میں، اہل طلب و اہل ارادت آپ کی ذات کو گھیرے رہتے تھے اور بغیر کسی اعلان واشتہار کے پروانہ وار جمع ہوجایا کرتے تھے، غالباً ۱۹۵۰ء میں آپ پاکستان جانے کے لئے رائے پور سے روانہ ہوکر گانگروں والی کوٹھی پر بہٹ میں مقیم تھے، یہ جگہ آبادی سے باہر نہر کے کنارے الگ تھلگ ہے راقم لکھنؤ سے رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوا تو دیکھا ایک میلہ سا لگا ہوا ہے، ناواقف آدمی دیکھتا تو سمجھتا کہ واقعی کوئی میلہ ہے روانگی کے وقت مصافحہ وسلام کرنے والوں کا ایسا ہجوم ہوا کہ بڑی مشکل سے آپ کی راحت اور باطمینان روانگی کا انتظام کیا جاسکا ہولانا اکرام الحسن صاحب کاندھلوی نے اس منظر کو دیکھ کر کہا۔

حسن کی جنس خریدار لئے پھرتی ہے
ایک بازار کا بازار لئے پھرتی ہے

یہی پاکستان میں حال ہوتا، کہیں تشریف رکھتے کئی کئی سو کا مجمع حاضر رہتا، وسیع کوٹھیوں کا

چپہ چپہ ذکر کرنے والوں اور دُور دُور سے آنے والوں سے آباد و معمور ہوتا۔ آپ کی ذات نے ثابت کر دیا کہ زمانہ کے انقلاب کا بہانہ ہے، اخلاص و کمال کہیں مخفی و مستور نہیں رہ سکتے، جہاں گل ہوگا وہاں بلبل اور جہاں شمع ہوگی وہاں پروانے ضروری ہیں۔

محبت و شفقت

حضرت کی زندگی اور اپنے خدام واہل تعلق کے ساتھ تعلق میں جو ادا سب سے زیادہ نمایاں اور روشن تھی وہ حضرت کی غیر معمولی محبت شفقت تھی، جسکو بعض خدام (جنکو اس محبت کا تجربہ ہوا تھا) شفقت مادری سے تعبیر کرتے تھے اور اس کیلئے اس سے بہتر الفاظ اور تشبیہ نہیں ملتی، اس شفقت کو دیکھ کر زمانہ سابق کے شیوخ کاملین (بالخصوص حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ وغیرہ) کی شفقت کے واقعات یاد آتے تھے اور اسکی تصدیق ہوتی تھی کہ ان کے خدام اگر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو فرماتے تھے کہ سایہ میں آجاؤ، دھوپ میں تم کھڑے ہو اور جلا میں جا رہا ہوں، ان کے دسترخوان پر لوگ کھانا کھاتے تو فرماتے کہ تم کھاتے ہو اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کھانا میرے حلق میں جاتا ہے اور اندازہ ہوتا تھا کہ جب ان حضرات کی شفقت کا یہ حال ہے تو انبیاء علیہم السلام اور سید الانبیاء علیہ السلام (عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ) کی رافت و شفقت کا کیا عالم ہوگا ؟!

حضرت کی یہ ادا اور مزاج اتنا نمایاں اور ان کی زندگی اور اخلاق و معاملات پر اتنا غالب اور حاوی تھا کہ کوئی خادم بھی جس سے حضرت کو کچھ تعلق ہوا اسکی لذت و حلاوت سے ناآشنا نہیں رہ سکتا تھا اور وہ بلا تصنع کہتا تھا کہ حضرت کی شفقت نے ماں باپ کی شفقت کو یاد دلا دیا اور بہت سے لوگ تو اس پر بھی ترجیح دیتے تھے، حضرت کے ایک مسترشد اس شفقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت ایسے شفیق تھے کہ ماؤں کی شفقتیں ان پر قربان، میں نے اپنی باون سالہ عمر، ۲۷ سالہ تعلق میں نہ کسی کی ماں اور نہ کوئی استاد، نہ کوئی دوست، نہ کوئی بزرگ ایسا مہربان دیکھا، مہمانوں میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو حضرت کو تمام رات نیند نہیں آتی تھی(۱)۔ اس ڈر کی وجہ سے خدام کسی مہمان کے بہت زیادہ بیمار ہونے کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت کے ملنے والے تمام حضرات فرداً فرداً یہ سمجھتے تھے کہ حضرت کو جتنی مجھ سے محبت ہے اوروں سے نہیں، سب سے زیادہ محبت مجھی سے ہے آپ کے اندر کوئی ایسی بجلی کی سی محبت تھی کہ جتنا بھی کوئی مصیبت زدہ اور فکرمند ہوتا حضرت کو دیکھ کر تمام کلفتیں دور ہو جاتیں، بہت سے جو لوگ پیدل چل کر جاتے یا جھاڑیوں سے جو ڈھڈیاں یا پیادہ جاتے ان میں بوڑھے اور امیر لوگ ہوتے جو بیچارے بالکل تھک جاتے، بس حضرت کو دیکھتے ہی تمام تکان دور ہو جاتا، یہ خود میرا بارہا کا تجربہ اور مشاہدہ ہے(۲)

ایک دوسرے صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں نے اپنی تمام عمر میں ایسا شفیق شخص نہیں دیکھا، کوئی شخص اپنے بیٹوں سے اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی حضرت ہم لوگوں کے ساتھ کیا کرتے

---

(۱) مولوی عبدالمنان صاحب دہلوی لکھنؤ کے زمانۂ قیام مرکز میں درد گردہ میں مبتلا ہوئے، حضرت کو ان کی وجہ سے سخت بے آرامی و بے چینی تھی، بعض مرتبہ آپ خاموشی سے اٹھ کر ان کی جائے قیام پر تشریف لے جاتے اور ان کا حال دیکھتے، ہر طرح کے علاج و تدابیر کا اہتمام فرماتے۔

(۲) مکتوب مولانا سعید احمد صاحب (ڈونگہ بونگہ) ضلع بھاول نگر،

تھے، ایک دفعہ کھانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ نے کچھ بھی نہ کھایا،
حضرت نے کمال شفقت سے فرمایا کہ تم کھاتے ہو تو میں ہی کھاتا ہوں۔"[1]

مولانا محمد صاحب انوری تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب میں حضرت اقدس کے حکم سے (تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں) جیل گیا
تو حضرت سرگودھا سے میرے گھر (لائل پور) تشریف لائے اور بچوں کو تسلی تشفی
دیتے رہے، فرمایا میں فقط تم سے ملنے کے واسطے آیا ہوں، ملک واحد بخش صاحب
نے کہا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، وہ تو حضرتؒ کے حکم کی دیر تھی، حکم ہوا فوراً جیل
چلے گئے: اس پر حضرت اقدس پر بہت رقت طاری ہوگئی، فرمایا وہ پہلے بھی میرے
ہی کہنے پر ڈھاکہ تبلیغ پر چلے گئے تھے، وہاں بھی ہم نے ہی بھیجا تھا۔"[2]

مولوی محمد یحییٰ صاحب بھاول نگری اپنی پہلی حاضری اور حضرت کی شفقت کا ذکر کرتے ہوئے
لکھتے ہیں:۔

"حضرت نور ارتہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ احقر بھی والد ماجد کے
ساتھ چلا گیا، والد صاحب نے پہلے مصافحہ کیا، حضرت نے فوراً احقر کا نام
لے کر دریافت فرمایا کہ برخوردار نہیں آئے؟ والد صاحب نے عرض کیا آیا تو
ہے وضو کر رہا ہے، اتنے میں احقر بھی حاضر ہوگیا، مجلس بھری ہوئی تھی، حضرت
نے بڑی شفقت سے مصافحہ فرمایا، اور بڑی ہی محبت فرمائی، حتیٰ کہ فرمایا برخوردار
تم تو میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ، میں تعمیل ارشاد میں بیٹھ گیا، حضرت والد صاحب
اور نانا صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ برخوردار کا میرے

---

(۱) مکتوب ماسٹر منظور محمد صاحب ایم۔ اے۔ (۲) تحریر مولانا محمد صاحب انوری

پاس خط آیا تھا کہ میرے فلاں فلاں متعلق ہیں میرے لئے دعا کریں اور میری اصلاح کرنی آپ پر واجب ہے ورنہ قیامت کے دن دامن گیر ہوں گا۔ تو میں نے بڑا غور کیا کہ یحییٰ نام کا کون لڑکا ہے؟ آخر خیال آیا اور ہو یہ تو حضرت بھاول نگری رحمۃ اللہ علیہ کا پوتا ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ الحمد للہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد دین کی طرف تو چل نکلی ....

پھر تقریر ہوتی رہی جو تقریر فرماتے اس کا خطاب مجھ کو فرماتے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی مجلس سے الگ ہوتا تو فوراً بلایا جاتا، نماز کے وقت پر حاضری میں دیر ہو جاتی تو فوراً یاد فرماتے اور اپنے برابر ایک ہی چارپائی پر بٹھلاتے احقر کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جیسے کہ اپنے بڑے محسن سے کیا جا سکتا ہے ....

پھر فرمایا کہ جس پر کوئی اتنا خوش ہوتا ہے تو وہ انعام بھی دیا کرتا ہے، اب مجھے اتنی خوشی ہے کہ برخوردار کو انعام دیا جائے، اس کے بعد آپ نے اپنی جیب سے پچاس روپیہ نکال کر عنایت فرمائے، والد صاحب سے فرمایا دیکھو یہ رقم برخوردار کی ہے اسی پر خرچ کرنی ہو گی، کھانے پینے کی جو چیز آتی اسی وقت مجھے اپنے ساتھ بلا کر کھلاتے اور فرماتے بھائی یہ تو برخوردار کے لئے ہے اور مجھ سے فرماتے برخوردار خوب کھاؤ۔"(۱)

حضرت کے ایک خادم صوفی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں:-

"۱۹۵۳ء میں جبکہ احقر دفتر ڈپٹی کمشنر جہلم میں ملازم تھا حضرت اقدس لاہور سے راولپنڈی تشریف لے جا رہے تھے، جب جہلم سے گزرے تو کار کے

---

(۱) تحریر مولوی محمد یحییٰ صاحب بھاولنگری؛

ڈرائیور سے فرمایا کہ کار کو شہر کی طرف لے چلو، جب شہر پہنچے تو فرمایا کچہری کا راستہ پوچھ کر کچہری کو چلو، چنانچہ کچہری پہنچے اور گراؤنڈ میں کار کھڑی کر کے کار سے باہر اترے، اس وقت صبح کے سات بجے تھے، نو بجے دفتر کھلتے تھے، کوئی آدمی کچہری میں موجود نہ تھا، آخر ایک چپراسی ملا، اس سے راقم کے مکان کا پتہ دریافت کیا، اس نے لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ نو بجے دفتر کھلے گا، چنانچہ کچھ دیر کچہری کے میدان میں حضرت والا ٹہلتے رہے اور تقریباً آدھ گھنٹے تک انتظار کر کے راولپنڈی تشریف لے گئے۔

نو بجے جب احقر شہر سے دفتر کو آرہا تھا وہی چپراسی ملا اور کہنے لگا کچہری میں ایک کار میں چند سفید ریش بوڑھے آئے تھے اور تجھے پوچھ رہے تھے، احقر کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ بوڑھے کون لوگ ہوں گے؟ آخر بار بار حلیہ پوچھنے پر یقین ہو گیا کہ حضرت اقدس نے کرم فرمایا ہو گا، اپنی بے نصیبی پر اگرچہ افسوس ہوا لیکن فوری طور پر دفتر سے رخصت لے کر اسی دم احقر راولپنڈی حضرت والا کی خدمت میں پہونچ گیا، جب حضرت کی خدمت میں پہنچا تو حضرت بار بار ہنس کر فرماتے "آج تو ہم نے تمہاری برکت سے کچہری بھی دیکھ لی، احقر شرمندہ ہو کر عرض کرتا کہ سب حضرت کی عنایت ہے، یہ ذرۂ بے مقدار ان نوازشات کے قابل کہاں ہے؟[1]

ایک اور خادم[2] اپنی پہلی حاضری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"میری سب سے پہلی حاضری رائے پور جون ۱۹۴۲ء میں ہوئی پہونچتے ہی اور

---

(۱) مسودہ صوفی محمد حسین صاحب ایم۔ اے (۲) صوفی انعام اللہ لکھنوی۔

پہلی ہی حاضری میں طبیعت پوری طرح سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کھنچ گئی ہ اور فوراً اندر سے تیز تقاضا بیعت کا پیدا ہوا، میں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، حضرت کی طرف سے شفقت اور پیار بڑھا، جو ہمارے محبت و خدمت کے جذبہ میں اضافہ کرتا رہا، دس بارہ روز رہنے کے بعد ہم نے عرض کیا کہ حضرت ہم گھر ہو آئیں؟ حضرت نے عجیب پیار کے انداز میں فرمایا کہ "ہم کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟" ہم نے عرض کیا کہ نہیں، ہم تو آنے کے لئے جا رہے ہیں غرض لکھنؤ آئے، راستہ بہت مشکل سے کٹا یہاں بھی جی نہیں لگا، صرف ایک ہفتہ میں واپس رائے پور پہونچ گئے، حضرت سے مصافحہ کے لئے حاضر ہوا چند حضرات تشریف فرما تھے، دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جان ہا خراب کردہ

فرمایا کہ یہ شعر بابا صاحب (حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ) حضرت سلطان جی (حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) کے لئے پڑھا تھا، اور بعد میں وہ کامیاب ہوئے، حضرت اقدس کی طرف سے اس قدر شفقت و پیار بڑھا کہ حضرت اقدس کی محبت اندر سما گئی۔

اگر اس طرح کے ذاتی واقعات جن سے حضرت کی پدری و مادری شفقت اور عنایت خصوصی کا اظہار ہوتا ہے اور مختلف خدام و اہل تعلق ان کو بیان کرتے ہیں نقل کئے جائیں تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو جائے، واقعہ یہ ہے کہ اخلاق و شفقت نبوی کی یہ وراثت مشائخ کبار کو ملتی ہے کہ ہر شخص یہ سمجھتا اور یقین کرتا ہے کہ انہ أکرم علیہ من صاحبہ

(میں دوسروں سے زیادہ معزز و محبوب ہوں)

یہ شفقت اتنی خورد نوازاور دقیقہ رس تھی کہ جن لوگوں سے خصوصی شفقت تھی، ان کی مرغوبات کا بھی اہتمام اور اس کی تاکید بلیغ فرمائی جاتی، پورب کے ایک خادم جو چاول خشکہ کے عادی اور شائق ہیں بیان کرتے ہیں کہ میرے لئے ہمیشہ خواہ ہندستان ہو خواہ پاکستان خشکہ کے اہتمام کی تاکید فرمائی جاتی اور میزبان سے دریافت فرماتے کہ ان کے لئے خشکہ بھی تیار کیا ہے؟ ایک روز رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں عصر کے بعد کی مجلس تھی، کتاب ختم ہو چکی تھی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو (جو اس زمانہ میں لنگر کے مہتمم تھے) یاد فرمایا، عرض کیا گیا کہ مولانا گھر پر ہیں، فرمایا بلاؤ، ان کے آنے میں کچھ دیر لگی، دریافت فرمایا کہ آئے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آدمی بلانے گیا ہوا ہے، یہ اہتمام دیکھ کر ایک صاحب پھر گئے لوگ منتظر تھے کہ حضرت اس اہم وقت میں کون سی اہم بات مولانا سے فرمانے والے ہیں اور کس لئے اس اہتمام کے ساتھ ان کی طلبی اور یاد گاری ہے، مولانا تشریف لائے تو ان صاحب کا نام لے کر فرمایا کہ آپ نے ان کیلئے خشکہ بھی تیار کیا ہے؟ پھر بڑی شفقت سے ہدایات دیتے رہے اور فرماتے رہے کہ خشکہ ضرور تیار کیا جائے اور روٹی بھی ہونی چاہئے اسلئے کہ یہ دونوں چیزوں کے عادی ہیں،

۱۹۵۰ئہ میں سفر حج میں راقم سطور مکہ معظمہ میں دوستوں اور وہاں کے علماء سے ملنے چلا جاتا یا کسی اجتماع میں شرکت ہوتی، ظہر کے بعد جب حرم شریف سے خلوت میں حاضر خدمت ہوتا تو دیکھتا حضرت کے پاس کھانا رکھا ہوا ہے اور حضرت منتظر ہیں، بڑی شفقت کے ساتھ فرماتے کہ تمھیں تو کھانے کا بھی ہوش نہیں، دیکھو تمہارے لئے یہ روٹیاں رکھی ہیں، یہ کھانا تمہاری صحت کے مطابق ہے۔

ان جزئیات اور واقعات لکھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس شفقت بے پایاں کا کچھ اندازہ ہوسکے جو خدام واہل تعلق کے ساتھ تھی۔

ان خصوصی اہل تعلق کے آنے سے بڑے مسرور ہوتے، کبھی فرماتے کہ تم نے حد کردی، بڑا انتظار کرایا، کبھی کسی سے رخصت ہونے پر فرماتے دیکھیے اب کب نصیب ہوتے ہیں"۔ ایک خادم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مرادآباد سے رخصت ہونے لگا، مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ اسٹیشن جاکر گاڑی پر سوار کرانا اور سیکنڈ کلاس[1] کا ٹکٹ خرید دینا، خود بھی سیر کو تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد تشریف لے آئے چلتے وقت دیکھا تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں، تحمل و ضبط کہتا ہے کہ ٹپکنے نہ پائیں اور محبت کہتی ہے کہ کیا حرج ہے؟!

والدمع بینہما عصیٌّ طیّعٌ[2]

نومسلموں سے خصوصی تعلق اور شفقت

ان سعید روحوں سے جو اپنی طلب صادق اور ذاتی جذبہ سے دین حق کو قبول کرتے بڑا خصوصی تعلق رکھتے تھے اور ان پر اولاد کی سی شفقت فرماتے تھے، ان قابل قدر حضرات کی اتنی قدر اور ان سے اتنی محبت کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری[3] اور اختر صاحب کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت شفیق باپ اور مربی

(۱) جو آجکل فرسٹ کلاس کہلاتا ہے (۲) آنسو ان دونوں احکام اور تقاضوں کے درمیان کشمکش میں مبتلا ہے

(۳) مولانا ایک معزز سکھ زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، پرانا نام بلونید رنگھ تھا، جناں (جواب ضلع سنگرور ریاست پٹیالہ میں ہے) کے رہنے والے تھے، فرید کوٹ میں تعلیم پائی، وہیں ۱۹۱۹-۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی صاحب (نرہر شریف ریاست جے پور) کی تلقین سے مسلمان ہوئے، ۱۹۲۴ء میں حضرت سے بیعت ہوئے اور آنا جانا رہا، ۱۹۳۰ء میں ماہ رمضان میں رائپور مستقل قیام اختیار کیا، ۱۹۳۶ء میں حزب الانصار قائم کی جس کی سرپرستی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۱)

چاہنے والے مربی کا تھا، ان کی دل جوئی ان کے آرام وصحت کا خیال، ان کی ضروریات کا تکفل، ان کی اولاد پر شفقت اور ان کی تعلیم وتربیت ومعاش کی فکر، ان کی شادیوں کا اہتمام، غرض محبت کرنے والا باپ، اور سرپرست خاندان جو برتاؤ اپنی محبوب اولاد اور افراد خاندان کے ساتھ کرتا ہے اور ان کے بارے میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہے وہی برتاؤ حضرت کا ان عزیزوں کے ساتھ تھا جنھوں نے آغوش اسلام میں پناہ لی تھی، اگر کوئی ناواقف شخص حضرت کا مولانا حبیب الرحمن صاحب کے ساتھ برتاؤ اور ایسے پورے میں حضرتؒ کے یہاں ان کو جو خصوصیت، اعتماد اور تقرب حاصل تھا دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ یہ یا تو حضرت کے فرزند ہیں یا حقیقی بھتیجے، بھانجے۔ حضرتؒ کے ایما اور تعلق خصوصی کی بنا پر وہ مولانا اشفاق احمد صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ کے متولی مقرر ہوئے، نہ صرف مولانا بلکہ ان کے صاحبزادہ حکیم محب الرحمن پر بھی خصوصی شفقت تھی، مولانا کے اگر غیر مسلم بھتیجے کبھی ملاقات وزیارت کو حاضر ہوتے تو حضرت بڑی شفقت فرماتے۔

محمد اختر(۱) صاحب اور ان کے پورے خاندان پر بڑی شفقت تھی، ہمیشہ ان کی پرسش وجو فرماتے اور فکر رکھتے، ایک مرتبہ غایت شفقت سے فرمایا کہ مجھے اب دوسری شادی نہ کرنے کا افسوس ہوتا ہے، اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں اختر کو دیتا، بھائی اسمٰعیل لائلپوری اور ان کے بھائی محمد ابراہیم صاحب کو ہمیشہ ان کا خیال رکھنے کی ہدایت فرماتے

(بقیہ حاشیہ ۲۴۰ کا) حضرتؒ نے قبول فرمائی اور سرپرست کی حیثیت سے نام کے اعلان کی اجازت دی

(۱) ضلع دہرہ دون کے رہنے والے ایک شریف ہندو خاندان کے فرد ہیں، اپنے شوق سے اسلام لائے اور بڑی تکلیفیں اٹھائیں، تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہوئے، اب لاہور میں قیام ہے، حضرت کے زمانۂ قیام میں خصوصی مہمانوں کی بڑی خدمت کرتے۔

اگر کوئی ان کے ساتھ سلوک کرتا تو بیحد خوش ہوتے، حاجی متین احمد صاحب راوی ہیں کہ آخری وصیت مجھے حضرت نے انھیں کی خبر گیری اور خیال رکھنے کی فرمائی، نومسلموں کے ساتھ جو امتیازی سلوک بعض مسلمان کرتے ہیں، حضرت اس کو بہت ناپسند اور اسلام کی روح اور تعلیمات کے خلاف سمجھتے اور اس کو جاہلیت کے اثرات اور خاندانی نخوت کا نتیجہ سمجھتے۔

اسلام کے نئے مہمانوں اور عزیز فرزندوں کے ساتھ حضرت کا جو شفیقانہ برتاؤ اور پدرانہ شفقت تھی اس کا کسی قدر اندازہ محمد اختر صاحب کی اس تحریر سے ہو سکتا ہے جس میں انھوں نے اپنے قبول اسلام اور حضرت کی شفقت و سرپرستی کا تذکرہ کیا ہے یہاں اس کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:۔

"میری پیدائش قصبہ بنت ضلع مظفر نگر (یو۔پی) میں گوڑ برہمن خاندان میں ہوئی، والد صاحب سرکاری ڈاکٹر تھے، کئی جگہ تبدیل ہونے کے بعد ڈوئی والہ ضلع دیرہ دون تبادلہ ہوا، والد صاحب کے ماتحت ایک کمپاونڈر محمد اسمٰعیل صاحب تھے جو اردو، فارسی اور ہندی میں بہت قابل تھے، کچھ اردو، فارسی انھوں نے مجھے پڑھائی، ۱۹۲۶ء میں درجہ چہارم کا امتحان پاس کیا اس کے بعد کچھ اسلامی کتابیں دیکھیں، قرآن پاک کی چند سورتیں بھی زبانی یاد کرلیں، ۱۹۲۶ء میں والد صاحب کا تبادلہ چوہڑپور ضلع دیرہ دون ہوگیا، ان دنوں والد صاحب کو میرے خیالات پر کچھ شبہ ہوا، انھوں نے دیرہ دون سے مجھے روہتک جاٹ ہائی اسکول میں بھیج دیا، جہاں سات سو لڑکوں میں ایک بھی مسلمان نہ تھا، چنانچہ میں تین سال وہاں رہا، بڑے دن کی

تعطیلات میں چوہڑپور گھر آیا، محمد اسمٰعیل صاحب کمپاونڈر کا مکان بھی چوہڑپور تھا، ان کے بہنوئی راؤ حسین علی خاں حضرتؒ سے بہت تعلق رکھتے تھے محمد اسمٰعیل صاحب نے راؤ صاحب سے کہا کہ اس کو حضرتؒ سے ملاتے ہوئے سہارنپور چھوڑ آنا، ہم رات کو رائپور پہنچے، سردیوں کے دن تھے، حضرت نے بڑی شفقت ومحبت سے اپنے پاس بٹھلایا، کھانا ساتھ کھلایا، اور اپنے حجرہ کے دروازہ پر لیٹنے کو فرمایا، اپنے بستر میں سے ایک رضائی بھی عنایت فرمائی۔ رات بھر عجیب کیفیت رہی، دو تین بجے سے ذکر کی صدا کانوں میں آنے لگی، صبح نماز کے وقت اٹھا اور چائے پی، اجازت چاہی تو حضرت رخصت کرنے نہر کی پٹری پر بہت دور تک آئے، رخصت کرتے وقت فرمانے لگے "رہتک تو دہلی سے قریب ہے، انشاء اللہ وہاں تو ملو گے:۔

میں بہٹ سے سوار ہو کر سہارنپور آیا اور دہلی ہوتا ہوا رہتک پہنچ گیا مگر طبیعت نہ لگی مغرب اور فجر کی دو نمازیں میں صرف اشارہ سے پڑھتا تھا کیونکہ ہندوؤں میں دو وقت ہی پوجا کرتے ہیں، دوسرے اوقات میں شبہ کا اندیشہ تھا، رمضان کے کچھ روزے بھی رکھ لیتا، برت کا بہانہ کرکے مسلسل نہیں چھوڑ چھوڑ کر، حضرت دہلی نظام الدین تشریف لے آتے تو میں اتوار کی چھٹیوں میں دہلی پہونچ جاتا، وہاں حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ رشید احمد مرحوم میرے متعلق مشورے کرتے، وہ اس لئے کہ میری ایک چھوٹی ہمشیرہ تھی، وہ بھی میرے ہمخیال تھی، مگر والد صاحب اس کی شادی جلد کر دینا چاہتے تھے، میں دہلی میں سب انتظام کرکے اپنے گھر پہونچا، پولیس کے ذریعہ شادی کو رکوانے

کی کوشش کی، پولیس اور ڈپٹی صاحب آئے، ان کے سامنے میں نے اپنا اسلام ظاہر کیا، مجھے پھر گھر میں نہیں جانے دیا گیا، جو کپڑے میں نے پہن رکھے تھے، وہی میرے بدن پر تھے، جون کا مہینہ تھا، پولیس اور ڈپٹی صاحب کو سلام کر کے گھر سے سڑک کی طرف چل پڑا، بالکل خالی ہاتھ، پیسہ ایک جیب میں نہیں، سڑک پر آکر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر میں کار آتی ہے، ایک شخص اترتے ہیں فرماتے ہیں، یہاں ایسا واقعہ ہوگیا ہے کیا تجھے علم ہے؟ میں نے کہا میں وہ شخص ہوں، انھوں نے اپنے ساتھ بٹھلا کر مظفر نگر مولوی رؤف الحسن صاحب کے ہاں پہنچا دیا،

مظفر نگر سے میں دہلی پہنچا اور نظام الدین آیا، حضرت مولانا الیاسؒ نے فرمایا نماز پڑھو گے وضو آتا ہے؟ میں نے کہا جی حضرت وضو بھی اور نماز بھی بلکہ دو چار سورتیں بھی یاد ہیں، فرمایا ماشاء اللہ تجھے تو اللہ نے مسلمان ہی بنا کر بھیجا، صرف اس کے گھر میں پیدا ہوئے، اور واقعی میں نے کسی بت کو سجدہ نہیں کیا، مجھے اپنے ہوش سنبھالنے تک یاد ہے کہ کوئی کفریہ بات نہیں کی، ہردوار بھی گیا، گنگا بھی نہایا، شوالہ میں گیا، مگر ان کی طرح کچھ کام نہ کیا، صرف دیکھتا رہتا، یہاں تک کہ برہمن ہونے کے باوجود جوان ہونے پر زنار بھی گلے میں نہیں ڈالا، بلکہ ان سب باتوں سے کچھ قدرتی نفرت رہی، یہاں تک کہ خطوط میں اوپر ۷۸۶، شروع میں لکھا کرتا، تعلیم کے زمانہ میں ہیڈ ماسٹر نے بتلایا جو پنڈت تھا کہ ۷۸۶، مسلمان لکھا کرتے ہیں اور اس سے بسم اللہ بنتی ہے، اس نے خط دیکھ لیا تھا،

شروع میں "تاریخ اسلام" پڑھی جو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے لکھی تھی انھوں نے مجھے اسلام لانے کے بعد کئی کتابیں اپنے پاس سے دیں جب میں ان کے پاس میرٹھ پہنچا، دل میں پختگی حضرت سے ملنے کے بعد پیدا ہوئی،

میں نے ۱۶ رجون ۱۹۳۲ء کو اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مظفر نگر دہلی ہوتا ہوا رائے پور پہنچا۔

میں نے ابھی اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا کہ راؤ حسین علی خاں صاحب چوہڑپور سے رائے پور آئے۔ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ رائے پور ہی کر رہے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مشورۃً دریافت کر بیٹھے، حضرت نے فرمایا" راؤ جی کبھی وہ بھی تو آئے گا جس کو آپ اور محمد اسمٰعیل صاحب اپنا بیٹا کہتے ہو، اس کے لئے پھر کیا کرو گے ؟ (یعنی وہ میری طرف اشارہ تھا) اس لئے اس شادی کو ٹھہرا رکھو، چنانچہ میرے اسلام لانے کے بعد بھی راؤ جی نے دو ڈھائی سال انتظار کیا اور پھر نکاح ہوا،

شادی سے پہلے حضرت ہر جگہ مجھے اپنے ہمراہ سفر میں لے جاتے تھے اور کئی جگہ یہ بھی فرمایا کہ اگر جی چاہے تو یہاں ٹھہر جاؤ تمھارا سب انتظام ہو جائیگا، مگر جب حضرت وہاں سے چلتے تو میں بھی پیچھے چل پڑتا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے پاس لے گئے، حضرت شاہ صاحب نے، مجھے ایک کتاب "اسلام کیوں کر پھیلا؟" عنایت فرمائی، حضرت بھاول نگری (مولانا اللہ بخش صاحب) کے پاس لے گئے، حضرت منشی جی صاحب (منشی رحمت علی صاحب)

جالندھری کے پاس رہے گئے، مگر میری طبیعت کہیں نہ لگی، سہارن پور آکر حضرت شیخ سے فرمانے لگے "اختر تو ایسا میرے پیچھے پھرتا ہے جیسے بچے ماں کے پیچھے پھرتے ہیں" شیخ نے فرمایا یہ کہیں نہیں رہے گا، یہ تو رائے پور ہی آئے گا حضرتؒ نے فرمایا میں اس خیال سے کہتا ہوں کہ رائے پور جنگل ہے کوئی آرام کی جگہ نہیں، کھانا بھی ایسا ہی ہے وہاں یہ گھبرا جائے گا، مگر حضرتؒ نے مجھے اپنے والدین بھلا دیے،

ایک دفعہ میں باورچی خانہ میں خاموش بیٹھا تھا، والدہ یاد آگئیں، کیونکہ وہ سب ابھی تک زندہ ہیں، دو بھائی اور دو بہنیں اور ہیں، حضرت اسی وقت باورچی خانہ میں تشریف لائے، میری کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے "فکر کیوں کرتا ہے، میں تیری ماں اور باپ ہوں، تو میرا بیٹا ہے اور جب تک زندہ ہوں انشاء اللہ اپنی زندگی کے ساتھ نبھا جاؤں گا" چنانچہ ایسا ہی نبھایا کہ کوئی دنیا کا امیر سے امیر نبھا کے کیا جائے گا؟

رائے پور گرمیوں میں جب حضرت لیٹنے لگتے تو فرماتے "اختر کی چارپائی کہاں ہے، یہاں میرے پلنگ کے پاس لے آؤ، برابر میں چارپائی لگا لیتے، رات کو دو ڈھائی بجے بڑی خاموشی سے اٹھتے مگر قدرت اس وقت آنکھ کھول دیتی، کئی روز تو خاموش پڑا رہا، بعد میں نیند نہ آوے ایک روز حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت میں بھی کچھ پڑھ لیا کروں؟ فرمانے لگے "ابھی نہیں تم سوتے رہا کرو، مگر نیند کیسے آوے، آخر چارپائی سے اٹھ کر بیٹھ جاتا، حضرت نے مجبوراً فرمایا اچھا کچھ ذکر کر لیا کر،

میں اس وقت تک بیعت بھی نہیں ہوا تھا، حضرتؒ سے ذکر کیا کہ دوسروں کو تو بہت بیعت کرایا مگر خود ابھی تک نہیں ہوا، حضرتؒ نے فرمایا میں خود جب مناسب سمجھوں گا بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ آگیا، ایک روز نماز فجر سے پہلے خود ہی مجھے اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو جو حضرت کے بھتیجے ہیں بلاکر فرمایا "لاؤ آج تمہیں دونوں کو بیعت کرلیتا ہوں، کبھی کہو کہ ہماری کوئی سفارش نہیں ہے اس لئے نہیں کرتے" پھر فرمایا کہ "دراصل بیعت سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ تمہیں بغیر بیعت کے بھی پہونچ جائے گا، اس لئے کہ جب تجھے میرے سے تعلق اور محبت ہے تو فائدہ لازمی پہونچے گا اور لوگ ہاتھ میں ہاتھ تو دے دیتے ہیں مگر تعلق اور محبت ہوتی نہیں، دوسرے کچھ کرتے کراتے بھی نہیں اس لئے کچھ زیادہ فائدہ بھی نہیں پہونچتا، اصل مقصود ہے محبت اور تعلق پیدا کرنا، پھر سب کچھ کرگزرتا ہے۔"

ایک دفعہ حضرت سکروڈہ ضلع سہارنپور راجپوتوں کا گاؤں میں ٹھہرے ہوئے تھے، میں بھی ہمراہ تھا، کچھ دوستوں نے کلیر شریف جانے کا ارادہ کیا، عرس کا زمانہ نہیں تھا اور سکروڈہ سے قریب تھا، میں نے بھی حضرت سے مزار شریف پر جانے کی اجازت چاہی، حضرتؒ نے فرمایا "خیر چلے جاؤ مگر صحن میں کھڑے ہوکر مزار سے باہر ہی پڑھ لینا، اندر زیادہ نہ جانا" سب دوست ہم گرستے چلے گئے، جب کلیر شریف پہونچے اور سب فاتحہ پڑھ چکے تو کہنے لگے ذرا اندر بھی مزار کی زیارت کرلیں، مجھ سے بھی اصرار کیا، اندر گئے پہلے حصہ میں داخل ہوئے تو کچھ مستورات نکلتی نظر پڑیں، پھر دوسرے حصہ میں

مزار کے قریب گئے، مزار کے چاروں طرف چھوٹی چھ اِنچ جالی ہے، پاؤں کی طرف ایک شخص کو دیکھا جو سجدہ کر رہا تھا اور بڑی دیر تک کرتا رہا، فوراً دل میں خیال آیا وہاں شوالہ میں جاکر بتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، یہاں قبر پر سجدہ کرلیا بات کیا رہی، دونوں کا پتھر اور مٹی کو سجدہ، اللہ کو ہندو بھی مانتے ہیں اور سجدہ کرتے وقت وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم صرف تصور ان بڑوں کا رکھتے ہیں جن کی یہ پتھر کی تصویر ہے، ورنہ دراصل پرماتما ہی کو سجدہ کرتے ہیں، دل میں وسوسہ پیدا ہوا، حضرت کے پاس جب واپس آئے تو فرمایا "ہو آئے"؟ میں نے کہا جی ہاں! فرمایا "کچھ وسوسہ تو نہیں گزرا" میں نے عرض کیا جی ضرور گزرا ہے اور یہ بات ہے جو میں نے وہاں دیکھی فرمایا "اس لئے میں نے کہا تھا اندر نہ جانا تاکہ تمہارے خیالات میں کمزوری نہ آجائے"، پھر فرمایا "تم یہ نہ دیکھو کہ مسلمان کیا کرتا ہے، اس کے کسی فعل کو شریعت نہ سمجھو، تم یہ دیکھو کہ اسلام کیا کہتا ہے، انسان کا ہر فعل حجت نہیں بن جاتا" اس کے بعد اسلام پر روشنی ڈالی، حضرت" نے فرمایا "ایک موٹی سی بات ہمیشہ یاد رکھنا، تمہارے سامنے کوئی شخص اگر آسمان پر اڑ کر بھی دکھلاوے اگر اس کا فعل سنت کے خلاف ہو، خواہ کتنا ہی بزرگ ہو اس کے پیچھے نہ لگنا، اور دوسرا شخص اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پوری پابندی کرتا ہے اس سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہو تم اس کے پیچھے لگ جانا، کسی خاص چیز کی مشق ہندو بھی کرلیتے ہیں، جو جس چیز کی مشق کریگا اس میں کمال حاصل ہو جائے گا، کئی کئی روز تک سادھو دم سادھے بیٹھے رہتے ہیں ایسے ہی

مسمریزم ہے۔ اشارہ ہاتھ کا کر دو چیز اپنی طرف کھنچی ہوئی نظر پڑیگی یہ سب شعبدہ بازیاں ہیں"

اس کے بعد آج تک میں جلدی سے کسی کا معتقد نہیں ہوا اور نہ کسی رسم و رواج کا پابند بنا، بس حضرت کو پانے کے بعد پھر کہیں نظر نہ ٹھہری۔

کسی شخص نے میرے والد صاحب کو کافر اور کچھ ایسے ہی الفاظ کہے حضرت نے سنا تو فرمایا "ایسا مت کہو، اگر وہ نہ ہوتے تو اختر ہمارے قبضہ میں کہاں سے آتا، اب وہ اگر ہمارے سامنے آویں ہم توان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں، والد صاحب کا درجہ اپنی جگہ موجود ہے، وہ قابل احترام ہیں"

حضرت نے مجھے پہلے ڈیرہ دون کمپونڈری سیکھنے بھیجا وہاں میں نے ایک ڈاکٹر صاحب کے پاس کام سیکھا، کمپونڈری میں نے سہارنپور ہی میں پاس کی تھی،

شادی کے بعد حضرت مجھے ڈیرہ دون چھوڑ کر جانے لگے، اسٹرک پر کار کھڑی تھی، مکان سے نکل کر حضرت سڑک تک آئے، کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے "کل پرسوں ڈیرہ دون آجانا وہیں ولیمہ کریں گے"۔ حضرت کی جدائی سے میرے آنسو نکل آئے، مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب فرمانے لگے اختر کو تو خوش ہونا چاہیئے، یہ تو رو رہا ہے، حضرت نے فرمایا "یہ تو پاگل ہے مجھے بھی کچھ اس کی جدائی گوارہ نہیں ہے، اچھا کل چلیں گے"۔

پہلی بیوی کے انتقال کے بعد شادی کا ارادہ نہیں تھا مگر حضرت کا اصرار

ہمیشہ رہتا کہ نہیں تم جوان آدمی ہو ایسے نہیں رہنا چاہیئے۔ چند ماہ بعد مرزا پور کے (جو رائے پور سے دو تین میل ہے) حافظ عبد الحمید صاحب خود بخود حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت میری ہمشیرہ ہے، اگر اختر کے ساتھ نکاح ہو جائے تو بہتر ہے، حضرت نے فرمایا جو چیز خود بخود آئے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، حضرت کے منشاء کے مطابق نکاح ہو گیا،

۱۹۴۷ء میں میں نے پاکستان کی تیاری شروع کر دی، تیار ہو کر حضرت سے اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا "بس جلدی نکل جانا کبھی راستہ بند نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ تمہیں خیریت سے پہنچا دیں" میں ٹنڈو آدم جو حیدر آباد کے قریب ہے چلا آیا، جب حضرت پاکستان آتے تو میں اکثر حضرت کی زیارت کے لئے لاہور آتا، ایک مرتبہ میں لاہور حضرت کی زیارت کے لئے صوفی صاحب کی کوٹھی پر آیا، یہ ٹنڈو آدم آنے کے بعد پہلی دفعہ حضرت سے ملنا تھا، شام کو برآمدے میں کھانے کے لئے دسترخوان بچھا، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کبھی تو ہم حضرت کے ساتھ برابر بیٹھ کر کھاتے تھے، اب یہاں ہم جیسوں کو کون پوچھتا ہے، بڑے لوگ ہیں، کوئی وزیر صاحب بھی آئے ہوئے تھے، چودھری عبد الحمید صاحب کمشنر اور صوفی صاحب اندر بیٹھے تھے بس ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ برآمدے میں جو کمرے کا دروازہ ہے وہ کھلا، اور مولوی عبد المنان صاحب نے فرمایا کہ بھائی اختر حضرت اندر یاد فرما رہے ہیں، میں اٹھا دروازہ پر گیا، حضرتؒ نے دیکھتے ہی فرمایا "آجا! وہ لے میرے

برابر ہیں، جو حضرات دسترخوان پر بیٹھے تھے ان سے فرمانے لگے "یہ میرے پاس ہی رائپور رہتا تھا، میں نے اسکی دو شادیاں کیں، آج کل ٹنڈو آدم میں ہے وہاں سے مجھ سے ملنے آیا ہے، اسے یہ کھاوہ کھاؤ"

میری تمنا رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ لاہور میں کوئی انتظام ٹھہرنے کا کردے تاکہ حضرت کی صحبت پورے طور پر حاصل ہوسکے اور اتنی دور سے آنا نہ پڑے اللہ نے وہ بات بھی حضرت کی دعا سے پوری کردی"[1]

حقیقت پسندی اور حالات زمانہ سے باخبری

حضرت کی طبیعت میں حقیقت پسندی، عملیت اور زمانہ کے تغیرات کی رعایت بہت تھی، آپ کی طبیعت میں وہ افراط تفریط اور تخیل پسندی نہیں تھی جو اکثر فرط ذہانت، یا شدت مجاہدہ یا رجائیت (ضرورت سے زیادہ پرامید اور نیک گمان ہونا) پیدا کردیتی ہے، آپ کا ذہن بڑا متوازن اور عملی تھا، حقائق و واقعات پر (خواہ وہ کیسے ہی تلخ اور تشویش انگیز ہوں) آپ کی نظر رہتی تھی، معاملہ کا کمزور اور تاریک پہلو بھی دیکھتے تھے، زمانہ کی نئی تبدیلیوں اور تقاضوں پر آپ کی نظر تھی اور آپ ان کو پوری اہمیت دیتے تھے اور ان کی طرف متوجہ اور متنبہ فرماتے رہتے تھے، باوجود ایک مخصوص و محدود ماحول میں نشو ونما پانے اور زندگی گزارنے اور ایک خاص (دینی) طبقہ سے تعلق و وابستگی رکھنے کے آپ کا ذہن فطری طور پر اتنا وسیع، نمو پذیر اور نقاد تھا کہ قدیم دینی حلقہ میں بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔

حضرت اسلامی ممالک کیلئے مادی ترقی، نئے علوم کا اکتساب، جدید صنعتیں، سائنس

---

(۱) تحریر قلمی ارسال کردہ محمد اختر صاحب۔

میں ترقی، مالی استحکام اور خودکفالتی بہت ضروری سمجھتے تھے اور عام طور پر (خصوصاً پاکستان کے زمانۂ قیام میں) اپنی مجلسوں میں اور خاص طور پر جب جدید تعلیم یافتہ حضرات اور فضلاء تشریف رکھتے ہوں، ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے رہتے تھے، ایک مرتبہ عالم اسلام کے اس سلسلہ میں تساہل و غفلت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"مسلمان اپنے اغراض میں مبتلا ہو کر کچھ ایسے سوئے ہیں کہ جاگنے کا نام نہیں لیتے، جس وقت یورپ جاگ رہا تھا مسلمان ترک گہری نیند سو رہے تھے اس نے ہر قسم کا سامان جنگ بنایا، لیکن مسلمان غفلت میں پڑے رہے، جبتک سامان پاس نہ ہو لڑائی کس طرح لڑی جاسکتی ہے مسلمانوں کی ساری سلطنتیں اسلامی بھی بن جائیں تو جنگ کے لئے ایک دن کا خرچ دینے کی بھی طاقت نہیں انگریز جن کے پاس اتنی بڑی سلطنت ہے کہ اس کے ملک میں سورج غروب نہیں ہوتا یہ بھی جنگ کا خرچ برداشت نہیں کر سکا، چنانچہ اپنے ملک کے بیشتر حصے قرض میں دیدیے، لڑائیاں لڑنا آسان نہیں ہے"۔(۱)

ایک مرتبہ ایک مسلمان ملک کے ایک بڑی سلطنت سے امداد لینے کا تذکرہ تھا اور بعض لوگوں کو اس پر اعتراض تھا، فرمایا:۔

"کیا کریں؟ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں، ان میں اتنی طاقت کہاں ہے کہ اپنی جملہ ضروریات کی اشیاء خود مہیا کر سکیں، بہر حال اپنی ضروریات کے لئے ان کو ان سے تعلقات رکھنے ضروری ہیں، عرب سلطنتوں میں سب سے زیادہ طاقتور

---

(۱) مجلس ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ (۲۷ مئی ۱۹۵۴ء، گھوڑا گلی (کوہ مری) بیاض مولوی علی احمد صاحب مرحوم۔

مصر شمار ہوتا ہے، وہ بھی ان کا محتاج ہے، عرب شریف ہے تو وہ محتاج ہے امریکہ سب کو اپنے قبضہ میں لے رہا ہے، اگر پاکستان والے سو سال تک سامان تیار کرنے میں لگے رہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے سے نہ لڑیں تو ممکن ہے کہ اتنی طاقت حاصل کر سکیں کہ ان سے مستغنی ہو سکیں اور ان کا مقابلہ کر سکیں۔"[1]

ایک مرتبہ فرمایا:۔

"نیک نیتی سے ملک کی طاقت پیدا کرنے کی جو کوشش کی جائے سب دین ہی ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔ اگر ریا، یا نیت فاسد سے نماز بھی پڑھی جائے تو وہ بھی قبول نہیں ہوتی اور رد ہے، اور اگر نیت صالح سے پڑھی جائے تو وہ عبادت ہے، اسی طرح نیت صالح سے حکومت کی ترقی کا جو بھی کام کیا جائے سارے کا سارا دین ہی دین ہے، ایسا نہ ہو کہ "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود"، افراد کے اخلاق کی اصلاح بھی ضروری ہے لیکن ملک کی حفاظت بھی ضروری ہے۔"[2]

ایک مرتبہ فرمایا:۔

"اسلامی نظام خالی باتوں سے نہیں قائم ہو سکتا، اگر دنیا کے بڑے ملکوں کے دوش بدوش کھڑا ہوتا ہے تو ان لوگوں کے علوم و فنون سیکھنے ہوں گے مگر مشکل یہ ہے کہ ہم ان کے علوم کو سیکھتے سیکھتے اپنے دین و مذہب کو خیر باد کہہ دیتے ہیں جب تک کوئی ملک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو، اس زمانہ میں دین و دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔"[3]

(۱ و ۲) مجلس ۲۲ و ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ (۲۷ مئی ۱۹۵۴ء) گھوڑا گلی (کوہ مری) بیاض مولوی علی احمد صاحب مرحوم

(۳) مسودہ صوفی محمد حسین صاحب مجلس بر مکان مولوی عبد المنان صاحب گوجرانوالا۔

حضرت اکثر اسلامی ممالک بالخصوص حجاز کے متعلق بڑے افسوس اور قلق کے ساتھ اظہار خیال فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے ابھی تک صنعت وحرفت اور اپنی ضرورت کو اپنے ملک ہی میں پیدا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور ان کی دولت زیادہ تر باہر سے ضروریات زندگی کے درآمد کرلے پر صرف ہوتی ہے، شعبان ۱۳۸۱ھ (جنوری ۱۹۶۲ء) میں راقم نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ کویت وقطر وغیرہ کا سفر کیا، جب اجازت اور رخصت کیلئے رائپور حاضر ہوا تو بڑی عنایت ومحبت سے رخصت فرمایا، چلتے وقت خصوصیت کے ساتھ فرمایا، ان بھلے مانسوں سے کہنا کہ اپنی دولت کا صحیح استعمال کریں، کارخانے بنائیں اور صنعتوں کو رواج دیں کویت میں مغربی تہذیب کا تسلط اور مادیت کا طوفان دیکھ کر دل کو بڑا صدمہ ہوا، ان عرب یاستوں کے حالات کے گہرے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ یہاں کی زندگی کی ڈوری ان ملکوں کے قائدین کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ یورپ کے سربراہوں کے ہاتھ میں ہے اور یہاں کی ساری روشنی اور جگمگاہٹ کا بٹن (سوئچ) یورپ میں ہے، یہاں کی زندگی اور رجحان مغربی زندگی اور رجحان کا عکس ہے میں نے حضرت کی خدمت میں وہاں سے مفصل عریضے لکھے، جن میں وہاں کے حالات کا تذکرہ اور اپنے تاثرات بھی تھے، ایک عریضہ میں یہ جملہ بھی آیا کہ یہاں کے حالات دیکھ کر بڑی مایوسی ہوتی ہے، اندازہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک خود یورپ میں کوئی انقلاب نہ ہو یہاں انقلاب نہیں ہوگا حضرت کے حقیقت پسند اور نقاد ذہن کو غالباً یہ جملہ پسند آیا اور اس میں حقیقت حال کی صحیح ترجمانی محسوس ہوئی میں واپسی پر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں حاضر ہوا، میری آمد کی اطلاع ہوتے ہی یاد فرمایا گیا اور مصافحہ کے ساتھ ہی فرمایا کہ آپ نے اپنے خط میں وہ کیا جملہ لکھا تھا کہ جب تک یورپ میں انقلاب نہ ہو؟ میں نے اسکی تشریح کی، باوجود اسکے کہ رمضان مبارک میں حضرت کے ہاں دن میں گفتگو کرنے کا معمول نہیں تھا لیکن بہت دیر تک بہت تفصیل کے ساتھ کویت کے حالات

دریافت فرماتے رہے اور بڑے غور و توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سنتے رہے، اس ایک مجلس سے سیری نہیں ہوئی، متعدد بار مختلف وقتوں میں بلا بلا کر پوچھتے رہے، اسی سال جب ذیقعدہ میں حجاز جانا ہوا اور رخصت کیلئے رائے پور حاضر ہوا تو پھر اسی قسم کی ہدایات دیں اور ملک کے ذمہ داروں اور سربراہوں کو اپنے ملک کی اصلاح و ترقی کی طرف متوجہ کرنے کی تلقین فرمائی، اور واپسی پر باوجود انتہائی نقاہت اور ضعف کے وہاں کے حالات دریافت فرمائے اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ یہ پیغام کہاں تک پہنچانے کا موقع ملا؟

پاکستان کے اہل ثروت کو بھی کارخانے قائم کرنے اور صنعتوں پر اپنا سرمایہ لگانے کی تلقین فرماتے رہے، ہندوستانی مسلمانوں کو بالخصوص تنسیخ زمینداری کے بعد صنعتوں کو اختیار اور اپنی اولاد کو کوئی ہنر یا صنعت سکھانے کی بڑی تاکید کرتے تھے، فرماتے تھے کہ اب ہندوستان میں اس کے بغیر شریفانہ زندگی گزارنا مشکل ہے، جن مسلمانوں کو ایسے پیشے اور صنعتیں اختیار کرنے سے (جو پسماندہ اقوام اور اہل حرفہ کا شعار سمجھی جاتی تھیں) عار اور ننگ محسوس ہوتا تھا اسکی ہمیشہ اصلاح اور تردید فرماتے تھے اور اس احساس کو دور کرنے کی کوشش کرتے تھے، رائے پور کے حضرات اور دوسرے زمیندار طبقہ کے افراد کو ہمیشہ مشورہ دیتے تھے کہ اپنے سرمایہ کو کسی تجارت یا صنعت پر لگا کر کمپنیاں بنالیں، بعض لوگوں کے لئے جو حضرت کو صرف ایک شیخ طریقت اور روحانی مربی سمجھتے تھے اور آپ سے صرف اسی سلسلہ کی ہدایات اور رہنمائی کے متوقع رہتے تھے اس طرح کا مضمون سننا (جو ان کے نزدیک مشیخت وارشاد کے خلاف تھا) ایک نیا تجربہ اور غیر متوقع سی بات تھی، لیکن حضرتؒ اسکی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے اور نہایت زور اور جوش کے ساتھ کبھی کبھی اس پر تقریر فرماتے تھے،

حضرت ان لوگوں کیلئے جو فریضۂ حج سے فارغ ہو گئے ہیں بار بار حج نفل کرنے کی

(سوائے خاص حالات کے) ہمت افزائی نہیں فرماتے تھے، اس کے بجائے ایسے کاموں میں روپیہ صرف کرنا بہتر سمجھتے تھے جن میں دین کی ترقی اور اسلام و مسلمانوں کا استحکام ہے، حضرت کو (ایک طبیب حاذق اور مبصر کی حیثیت سے) اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ اس میں نفس کا حصہ نہیں ہے۔

"ایک صاحب حج نفل کے لئے تیار تھے، حضرت نے بلایا اور ہنس کر فرمایا کہ اگر لوگوں سے کہا جائے کہ نماز خشوع و خضوع سے پڑھو تو بار ہوگا اور نہیں ہوسکیگا لیکن حج کے لئے کہا جائے تو فوراً تیار ہو جائیں گے۔"(۱)

حالات زمانہ اور بیرونی دنیا میں اور ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے واقف رہنے کا بڑا اہتمام تھا، اخبارات کی اہم خبروں اور اہم مضامین اور جدید معلومات کے سننے کا ساری عمر اہتمام رہا، رائپور میں یہ خدمت راؤ فضل الرحمٰن خاں صاحب کے اور پاکستان میں رفیق احمد خان کے سپرد تھی، بہت سے نو وارد اس معمول اور اہتمام کو دیکھ کر متعجب ہوتے، لیکن حضرتؒ ان تأثرات سے بالاتر اور مستغنی تھے، حضرت کی وفات پر "نوائے وقت" میں رفیق احمد خاں صاحب نے حضرت کے اس شعبۂ زندگی سے متعلق اپنے کچھ تأثرات شائع کرائے تھے جن میں انھوں نے بڑی خوبی کے ساتھ حضرتؒ کے اس ذوق و اہتمام پر روشنی ڈالی تھی، یہاں اس کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:۔

"بعض لوگوں کے لئے یہ بات حیران کن ہوگی کہ حضرت اقدسؒ جیسے بلند مرتبہ بزرگ اور بظاہر دنیاوی علائق سے لاتعلق انسان کو زمانہ کی خبروں اور سیاسی امور اور ملکی و غیر ملکی حالات و واقعات اور سائنسی تحقیق اور ایٹمی ایجادات

---

(۱) مجلس ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

وانکشافات سے کیا غرض و دلچسپی ہوسکتی ہے؟ مگر شریک محفل رہنے والے احباب پر یہ بخوبی واضح ہے کہ حضرت اقدسؒ یہ حالات کس درجہ توجہ و انہماک سے سنا کرتے اور ملنے والوں سے اکثر تازہ خبریں سنانے کی فرمائش کیا کرتے۔

کبھی کبھی کسی خبر پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت پر لطف انداز میں تبصرہ فرماتے جس سے ان کی دور بینی، نکتہ شناسی اور گہری فہم و فراست کا ثبوت ملتا۔ اس وقت حضرت کے ارشادات گرامی کو سننے کے لئے محفل ہمہ تن گوش ہو جاتی مگر حضرت کی آواز بوجہ حد درجہ نقاہت دور تک نہ پہنچتی، اس لئے قریب بیٹھنے والے احباب بھی بمشکل ہی سمجھ پاتے۔ تاہم حضرت کے چہرے سے فکر و استعجاب یا خوشی و مسرت کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ حضرتؒ کو پاک اور بھارت کے باہمی تعلقات کی خبروں سے گہری دلچسپی تھی، دونوں ملکوں کے تعلقات کی بہتری و اصلاح کی کوئی خبر سنتے تو بہت خوش ہوتے اور فرقہ وارانہ فسادات کی خبروں سے پریشان و فکر مند ہوتے، دونوں ملکوں کے چوٹی کے لیڈروں کی فرقہ وارانہ مذمت کی کوئی خبر سنتے تو بڑی تسلی کا اظہار فرماتے۔ حضرت اقدسؒ بھارت اور پاکستان کے باہم بہتر تعلقات کو دونوں ملکوں کی تعمیر و ترقی کے لئے ضروری خیال فرماتے۔

سائنس کی کھوج اور تحقیق اور معلوماتی خبروں سے خاص شغف تھا۔ مصنوعی سیاروں کی زمین کے مدار پر گردش اور چاند تک پہونچنے کی کوششوں کے متعلق ہر خبر کو وہ غور سے سنتے، ایٹمی آلات، میزائل، راکٹ اور نئی نئی سائنسی ایجادات وغیرہ کے بارے میں معلوماتی خبروں کی طرف پورا دھیان فرماتے۔ مختلف ایجادات اور ایٹمی سرگرمیوں کو عالمی بھلائی کے کام میں لانے کی کسی خبر سے وہ

مسرور و مطمئن ہوتے، چاند کے متعلق سائنسدانوں نے جو انکشافات کئے ہیں اور کھوج اور تحقیق کی جو سعی جاری ہے اس کے تازہ کوائف کے بارے میں اکثر دریافت فرماتے رہتے، چاند کے علاوہ اجرام فلکی سے متعلقہ سائنس دانوں کی تحقیق اور کاوش کی دوسری خبروں سے بھی دلچسپی کا اظہار فرماتے اور اس قسم کی معلوماتی چیزوں کو بڑے غور سے سنتے، چاند تک انسان کی رسائی کے بارے میں سائنس دانوں کی تگ و دو اور حیرت انگیز حالات کی کارکردگی نئے نئے راکٹوں کی تیاری اور اس ضمن میں آئندہ کی کوششوں کے بارے میں کسی شک شبہ کا اظہار نہ فرماتے تھے، بلکہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: یہ مغربی لوگ ولولہ عزم اور ہمت کے لحاظ سے جن ہیں جو دن رات نت نئے تجربات سے کھوج اور تحقیق میں لگے رہتے ہیں اور عجیب و غریب کارہائے نمایاں سرانجام دینے کے لئے مشکل اور جان جوکھوں کی مہمات سے ذرا نہیں گھبراتے، سائنس کی موجودہ تحقیق و ترقی کی رفتار کو دیکھتے ہوئے وہ انسان کو چاند تک رسائی کو بعید از قیاس تصور نہیں فرماتے تھے بلکہ ایک روز اپنے ایک خادم سے ہنس کر فرمانے لگے۔

"جب لوگ بالائے زمین چاند پر پہنچیں گے تب ہم کہیں زیر زمیں پہنچ چکے ہوں گے" اجرام فلکی کی گردشیں، فاصلے، ان کے نظامات اور اس بارے میں سائنسدانوں کے حیرت انگیز انکشافات کی خبروں سے اکتاتے نہیں تھے بلکہ حضرت کی دلچسپی کے مدنظر راقم نے اس سلسلہ میں کئی بار مفصل بات کچھ عرض کیا، اس ضمن میں کبھی کبھی وہ خود بھی کوئی بہت پتہ کی بات پوچھ لیا

کرتے تھے۔

ایک روز حضرت کو بتایا گیا کہ مسجد اقصیٰ کے گنبد کی تعمیر کے لئے عرب ممالک میں چندہ کی تحریک ہو رہی ہے اور سعودی حکومت نے اپنی جانب سے اتنے ریال دینے کا اعلان کیا ہے:

حضرت کو اس خبر سے کوئی خوشی نہ ہوئی بلکہ افسوس کا اظہار فرمایا اور کہا یہ سب بے کار ہے۔ گنبد کی مرمت سے کہیں ضروری یہ ہے کہ اس رقم سے سعودی حکومت ملک میں کوئی مدرسہ تعلیمی مرکز یا صنعتی ادارہ قائم کرتی حضرت کو مسلم ممالک کی تعلیمی پسماندگی اور صنعتی کم مائگی اور سائنسی اور دیگر فنی شعبوں میں ترقی نہ کر سکنے کا بہت قلق رہتا۔ اگر ان ممالک سے صنعتی یا تعلیمی ترقی کی کوئی خبر موصول ہوتی تو حضرت سن کر بہت مسرور ہوتے۔ پچھلے دنوں مصر سے راکٹ اور جٹ ہوائی جہازوں کے تیار ہونے کی خبریں آئیں تو حضرتؒ نے خاص شوق سے انھیں سنا۔ اگر کبھی عالم اسلامی کے باہمی انتشار و آویزش کی کوئی خبر سنتے تو کچھ مغموم سے ہو جاتے۔ الجزائر کی تحریک آزادی کی خبروں کو پوری توجہ سے سنا کرتے اور حصول آزادی کے بعد ان کی آپس کی چپقلش کی خبروں سے افسردہ خاطر ہوتے۔

حضرت مختلف اور فنی امور میں مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کو زمانہ کی ضرورت و تقاضا کے مطابق لازمی خیال فرماتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس میدان میں مسلمان کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ اگر کوئی حضرت کی خدمت میں آکر یہ عرض کرتا کہ بچے کو سائنس کی تعلیم کیلئے کسی فنی ادارہ میں داخل کرنا ہے یا مزید تعلیم کیلئے کہیں باہر

بھیجنے کا خیال ہے تو بہت مسرور ہوتے اور اسکی حوصلہ افزائی فرماتے۔ حضرت کچھ شعبوں میں عورتوں کی فنی تعلیم کو بھی ایک ضابطہ کے اندر ضروری خیال فرماتے تھے، خاص کر نرسری کے پیشہ کے لئے عورتوں کے علاج کی خاطر اس تعلیم کو عورتوں کے لئے مفید خیال فرماتے تھے۔

حضرت خبریں سننے کو کبھی کبھی "اپنا وظیفہ" کہا کرتے تھے، ایک روز جب میں حاضر ہوا تو دیکھا مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم حضرت کی چارپائی کے ساتھ لگے حضرتؒ سے باتیں کر رہے ہیں، مجھے کسی نے دور سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، مطلب تھا کہ شاہ صاحب کی حضرتؒ سے مخاطبت میں کوئی خلل نہ ڈالا جائے، میں نے سکوت کیا اور حضرت کے سرہانے کی جانب چارپائی کے قریب ٹیک کر بیٹھ گیا، ابھی کچھ دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرتؒ نے دوسری جانب منہ پھیر کر فرمایا: "یہاں کون کون بیٹھا ہے؟" دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی میرا نام بھی لیا گیا، حضرت نے فوراً کہا "ارے تم کہاں چھپ کر بیٹھ گئے، ادھر آؤ" پھر شاہ صاحب کی طرف مسکرا کر دیکھا اور فرمایا "حضرت اب ہم اپنا وظیفہ کرنے لگے ہیں"(۱) اور پھر ارشاد ہوا "اچھا کوئی خبر سناؤ"۔

اسلام کی فکرمندی اور مسلمانوں کیلئے دل سوزی

اسلام کی فکرمندی اور مسلمانوں کے حالات سے دردمندی طبیعت ثانیہ اور پورے نظام زندگی کی روح رواں بن گئی تھی، اس کے لئے نہ زندگی کا کوئی شعبہ مخصوص تھا، نہ عمر کا کوئی وقت، یہ درد جسم اور قوائے فکریہ میں اس طرح جاذب ہو گیا تھا

(۱) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ ۲۶ راگست ۱۹۶۲ء

شاخ گل میں جس طرح باد سحرگاہی کا نم

جس گروہ[1] سے آپ کا تعلق تھا اس کا ذکر وشغل، اس کا انقطاع الی اللہ، اسکی یکسوئی وبے نیازی اس کو مسلمانوں سے جدا اور بے فکر نہیں بناتی، بلکہ اور زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے درد میں مضطرب وبے قرار بناتی ہے اور اس گروہ کا ہر فرد زبان حال سے کہتا ہے:۔

مرا دردیست اندر دل چو گویم زبان سوزد
اگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یہی درد کبھی زبان پر آکر آہ وفغاں میں تبدیل ہوجاتا، کبھی مسلمانوں کی کوتاہیوں، اور نا[illegible] پر درد وقلق کے اظہار اور ملامت وتنبیہ پر آمادہ کرتا، کبھی تنہائی میں آنسوؤں میں تبدیل [illegible] ہوجاتا، لیکن وہ دم کے ساتھ تھا اور اس سے کسی وقت قرار نہ تھا، ۱۹۴۷ء کے ہنگام[illegible] تقسیم اور زمانہ فسادات میں جب بہت سے مسلمان بے ہمتی کے ساتھ اسلاف کے خون اور پسینہ سے سینچے ہوئے اس باغ کو چھوڑ کر اپنے لئے پناہ کی جگہ تلاش کر رہے تھے اور اس ملک میں بظاہر اسلام کا زوال نظر آرہا تھا، اس درد نے طوفان کی شکل اختیار کرلی، اس زمانہ کی بے قراری کی تفصیل ایک گزشتہ باب میں گزر چکی ہے۔

ایک مرتبہ ایک ایسے اہم اور نازک موقع پر جس میں دعا کی سخت ضرورت تھی یہ خادم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی ہمرکابی میں رائے پور حاضر ہوا اور اس موقع کی نزاکت واہمیت کی طرف متوجہ کرکے خصوصی دعا کی درخواست کی، حضرت نے اپنے تعلق

---

(۱) محقق وتبع سنت صوفیہ کا وہ گروہ جس کی نسبت حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف ہے اور جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہند جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔

خاطر اور فکرمندی کا اظہار فرمایا اور تنہائی میں مجھ سے فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تخلیہ میں معلوم نہیں کن عبادات میں مصروف ہوتا ہوں بعض مرتبہ پورا وقت مسلمانوں کی فکر اور رنج و قلق میں گزر جاتا ہے۔



خاموش دینی خدمات، تحریکوں کی سرپرستی و رہنمائی اور کارکنوں کی ہمت افزائی

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

(اقبال)

پس پردہ رہنمائی و سلسلۂ جنبانی

ہندستان کے متعدد شیوخ کبار جن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نام بطور مثال کے لیا جا سکتا ہے، اپنے گوشۂ عزلت یا مرکز ارشاد و تربیت میں بیٹھ کر بڑی بڑی انقلاب انگیز اور صد آفریں تحریکوں کی رہنمائی و سرپرستی فرمائی ہے وقت کے فتنوں کا مقابلہ کیا ہے اور اپنے خلفاء و منتسبین کے ذریعہ اشاعت یا حفاظت اسلام کا نہایت وسیع اور مؤثر کام انجام دیا، ان کی تحریک و ترغیب، تحریض و تشویق اور حکم و ہدایت سے اور ان کی نگرانی اور سرپرستی میں ان کے خدام و منتسبین نے وقت کے اہم تقاضے پورے کئے اور ان خطرات کا سد باب کیا جو اس وقت مسلمانوں کو درپیش تھے دور سے دیکھنے والوں کی نظر میدان کے انھیں سپاہیوں پر تھی جو سرگرم اور مستعد تھے لیکن جو لوگ

حقیقت حال سے واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ اس کام کی اور ان کام کرنے والوں کی ڈوری کسی اور کے ہاتھ میں ہے جس کا اخلاص، سوزدروں اور حکمت و فراست ان سے کام لے رہی ہے اور ان کے اندر قوت عمل، جذبہ وایثار اور نظم واتحاد قائم کئے ہوئے ہے اور وہی اس کام کی قوت واثر کا اصل سرچشمہ، ان کے قلوب کے لئے حرارت وتوانائی کا اصل مرکز ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اپنے شیخ کی نیابت و وراثت میں اور ان شیوخ متقدمین کی (جن کا اوپر تذکرہ ہوا) تقلید واتباع میں اپنے لئے ایک گوشۂ عزلت کا انتخاب کیا تھا اور بظاہر صرف سلوک و تربیت سے تعلق رکھا تھا لیکن انھوں نے اس گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر اپنے اسلاف کرام کی طرح متعدد دینی تحریکوں اور خدمت دین اور حفاظت اسلام کے مختلف اہم کاموں کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی تھی جن کی تاریخ و روداد کا بڑا حصہ آپ کے جذبۂ اخفا اور کارکنوں کی بے توجہی سے اس وقت تک پردۂ خفا میں ہے اور بہت جستجو اور تلاش و تحقیق سے اسکی کچھ کڑیاں دستیاب ہو سکتی ہیں، یہاں صرف دو تحریکوں کا ذکر بہت اختصار اور اجمال کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

تحریک احرار

احرار کی تحریک اگرچہ مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی اور چودھری افضل حق مرحوم کی سیاسی ذہانت اور مولانا شاہ عطاء اللہ شاہ بخاری کے اخلاص و جوش اور سحر بیانی کا نتیجہ تھی، لیکن اس کے قالب میں جو دینی روح تھی وہ حضرت ہی کے تعلق اور اخلاص و دروں کا پرتو تھی، مولانا حبیب الرحمٰن و مولانا سید شاہ عطاء اللہ مرحوم نہ صرف حضرت سے بیعت وانتساب کا تعلق رکھتے تھے بلکہ ان کو حضرتؒ سے اور حضرتؒ کو ان دونوں سے بہت گہرا تعلق تھا، ان دونوں کے علاوہ احرار کے بیشتر علماء و رہنما حضرتؒ سے بیعت و

تربیت کا تعلق رکھتے تھے۔ حضرتؒ کو احرار کی تحریک و جماعت سے بڑی توقعات تھیں، اس تحریک میں دین و سیاست کا امتزاج، عوام سے تعلق اور اس کے رہنماؤں کا جذبۂ حریت و جہاد اور انگریز دشمنی اور ان کی جرأت و ہمت، حضرتؒ کے مزاج سے بہت مناسبت رکھتی تھی اور حضرت کو یہ امید تھی کہ اس جماعت کی کامیابی سے دین کا دائرۂ اثر وسیع ہوگا اور عوام لادینی سیاسی تحریکات کے خراب اثرات سے محفوظ رہیں گے، جاننے والوں میں سے کوئی بھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ حضرتؒ کو تحریک احرار سے گہری دلچسپی اور اس کے رہنماؤں اور کارکنوں سے عزیزانہ اور سرپرستانہ محبت و شفقت تھی اور وہ بھی حضرتؒ کو اپنا روحانی سرپرست اور پشت پناہ سمجھتے تھے۔

حضرت اپنی خداداد سیاسی بصیرت سے احرار کے لئے یہی مناسب سمجھتے تھے کہ وہ وقتی اور مقامی تحریکوں اور اندھے جوش سے اپنے کو بچا کر اپنی جد و جہد جاری رکھیں اور نافہم عوام کے جذبات و مطالبوں سے بے پروا ہو کر خلوص اور ہوشیاری کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں اور صرف ملک کی آزادی، مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کی بہتری اور دشمن اسلام تحریکوں اور سازشوں (جن میں قادیانیت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے) کا مقابلہ کرنا پیش نظر رکھیں، اسی مقصد کے پیش نظر حضرتؒ جماعت احرار کی مسجد شہید گنج ایجی ٹیشن میں شرکت (جو حضرتؒ کے نزدیک احرار کو الجھانے کے لئے شروع کیا گیا تھا) مناسب اور قرین عقل نہیں سمجھتے تھے، حضرتؒ کے اس رجحان اور جماعت احرار سے تعلق کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا جو مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے بیان کیا ہے، مولانا لکھتے ہیں:۔

"پنجاب میں مجلس احرار مقبول ترین جماعت تھی، جنگ کے بادل امنڈ رہے

تھے ۱۹۳۶ء کے انتخاب سر پر آ رہے تھے، اولاً حکومت پنجاب نے احرار لیڈروں سے سودا کرنا چاہا کہ انتخاب میں تم آگے آؤ، ہم تعاون کریں گے، آنے والی جنگ میں مجلس احرار نے برطانیہ کی امداد کرنے سے اس وقت تک انکار کر دیا جب تک مکمل آزادی کا اعلان نہ کیا جائے گورنر پنجاب نے شہید گنج کی مسجد گرواکر حالات تبدیل کر دیئے، مجلس احرار پر انتہائی امتحان کا وقت آیا، مسلمان انتہائی مشتعل تھے اور ایجی ٹیشن کرنا چاہتے تھے، مگر یہ راستہ غلط تھا، حکومت کے خریدکردہ لیڈروں نے مسلمانوں کو پاگل بنا دیا تھا، احرار بزرگوں نے مسلمان قوم کو راستہ سے روک کر اپنی بے پناہ مقبولیت قربان کرنی گوارا کی لیکن غلط رہنمائی کر کے اپنا وقار باقی رکھنا منظور نہ کیا، پوری مسلمان قوم ناراض ہو گئی، گورنر کا نشا دپورا ہوا، یہ سب کچھ ہونے کے بعد احرار کے بزرگ اتفاقاً حضرت والا سے کسی جگہ شرف بزیارت ہوئے، بار بار ہنس کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ کو دے میرے شیر، کو دے میرے شیر (یعنی ایجی ٹیشن کریں گے) مگر اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرما دی۔ (۱)

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سے جو قلبی تعلق تھا وہ کسی سے مخفی نہیں، ان حضرات کے جیل جانے کے بعد ان کے خاندان اور پسماندہ افراد کی فکر رکھتے اور ان سب کی ذمہ داری محسوس فرماتے۔

مولانا محمد علی صاحب جالندھری لکھتے ہیں:۔

"مولانا حبیب الرحمٰن منٹگمری جیل میں جب نظر بند تھے ملاقات کی کسی کو اجازت

---

(۱) مکتوب مولانا محمد علی صاحب جالندھری بنام مؤلف۔

نہ تھی، میں رائے پور حاضر ہوا، فرمایا کہ "مولانا حبیب الرحمٰن سے ملاقات اگر کسی طرح ہو جائے تو بہت اچھا ہے، دل ملاقات کو چاہتا ہے"۔ میں نے عرض کیا، حضرت میں انتظام کروں گا، اس پر بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، فرمایا "ضرور کوئی انتظام کریں"، سخت سردی کا زمانہ تھا، میں نے ایک ایم۔ ایل۔ اے کے ذریعہ جو میرا ملاقاتی تھا وزیر جیل منوہر لال سے اجازت لی، بذریعہ تار ملتان اجازت کی اطلاع ملی، میں نے رائے پور اطلاع دی، حضرت والا سخت سردی میں منٹگمری تشریف لائے، میں اسٹیشن پر پہلے سے موجود تھا، رات منٹگمری میں ایک دوست کے ہاں قیام کرایا، صبح مولانا حبیب الرحمٰن سے ملاقات ہوئی۔[1]

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے متعلق بڑے بلند کلمات فرماتے تھے اور ان سے اور ان کی وجہ سے ان کے خاندان سے بڑی محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ "تم بخاری صاحب کو یوں ہی نہ سمجھو کہ صرف لیڈر ہی ہیں انھوں نے ابتداء میں بہت ذکر کیا ہے" اور فرمایا کہ "یقین تو اللہ تعالٰی نے ان کو ایسا نصیب فرمایا ہے کہ باید و شاید، میاں حالات و کیفیات کیا چیز ہے اصل تو یقین ہی ہے، اللہ تعالٰی جس کو عطا فرمادے"[2] مولانا محمد علی صاحب جالندھری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ کے سامنے بخاری صاحب کے لڑکوں کا تذکرہ آیا فرمایا کہ شاہ صاحب کے لڑکے ہیں میں تو ان کا نوکر ہوں، یہ محبت اور خصوصیت انکے اخلاص، خود فراموشی، دینی خدمت میں انہماک اور اس نفع کی بنا پر تھا، جو ان کی ذات اور انکی ایمان افروز تقریروں سے عظیم مجموعہ میں پہنچتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ پنجاب اور بالاخص ملتان اور اسکے نواح میں جو عقائد کی اصلاح ہوئی تھی خود شاہ صاحب اپنی تقریروں اور کوششوں کی روح اور اپنی زبان کے اثر

---

(۱) مکتوب مولانا محمد علی جالندھری بنام مؤلف (۲) روایت مولانا عبدالجلیل صاحب

اور اس محنت وجفاکشی کے تحمل کا راز ایک مخلص اور مقبول بندہ کے ساتھ تعلق اور اسکی دعاؤں اور محبت کو سمجھتے تھے اور اس پر ان کو بڑا ناز اور بہت اعتماد تھا، احرار سے محبت کی وجہ ان کی شان قلندرانہ اور جرأت رندانہ تھی، ہر نئے فتنہ اور جدید فرقہ کے مقابلہ میں یہ سینہ سپر اور سر بکف ہوتے، قادیانیت، رفض وتفضیل اور متعدد ایسی گمراہ کن تحریکیں تھیں جن کے مقابلہ میں یہی سر پھرے میدان میں آتے، ع

کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

اس لئے حضرتؒ اس جماعت کے کارکنوں کی بہت سی کوتاہیوں اور غلطیوں سے بھی چشم پوشی فرماتے اور ان کے جذبہ اور ہمت کی قدر کرتے۔

تحریک قادیانیت کی تردید اور اس کا مقابلہ

حضرتؒ نے قادیانیت کا آغاز اور اسکے سب دور اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، خود مرزا صاحب اور حکیم نورالدین صاحب اور اس تحریک کے بڑے بڑے ذمہ داروں سے قریبی واقفیت تھی، آپ اس تحریک کے حقیقی مقاصد اور اسکے اندرونی حالات سے بخوبی آگاہ تھے اور اسکو اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کا ذریعہ سمجھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عشق ومحبت کا جو تعلق اور آپکے ختم رسل اور امام سُبل ہونے پر جو اعتماد ویقین تھا، اسکی بنا پر آپ نبوت کے ہر مدعی کو نبوت محمدی کا رقیب وحریف سمجھتے تھے اور اس سے آپ کو ویسی ہی نفرت اور غیرت آتی تھی جیسے ایک غیرت مند عاشق اور ایک وفادار غلام کو آنی چاہئے تھی یہی جذبہ تھا جس نے آپ سے پہلے مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ناظم ندوۃ العلماء، اور مولانا سید انور شاہ کشمیری کو مضطرب وبیقرار بنا رکھا تھا اور انھوں نے قادیانیت کی مخالفت کو اپنے لئے افضل عبادات اور افضل جہاد سمجھا تھا، حضرتؒ بھی اس بارے میں طبعی اور وجدانی طریقہ پر صاحب یقین اور صاحب حال تھے

تحریک احرار ختم نبوت اور احراری رہنماؤں اور علماء میں درحقیقت آپ ہی کا جذبہ اور آپ ہی کی روح کام کر رہی تھی، آپ اس سلسلہ کی ہر کوشش کو وقت کا اہم فریضہ اور دین کی اہم خدمت سمجھتے تھے اور ہر طرح اسکی ہمت افزائی اور سرپرستی فرماتے تھے اور دل وجان سے اسکی خدمت و تقویت کو ضروری سمجھتے تھے، ان کوششوں کے تذکرہ سے آپکے اندر شگفتگی اور تازگی پیدا ہوتی تھی اور وہ آپ کی روح کی غذا بن گئی تھی، مولانا محمد علی صاحب فرماتے ہیں،

"مرزائیت کی نسبت جس قدر متفکر رہتے آپ کو معلوم ہی ہے، جب میں حاضر ہوتا فرماتے "مرزائیوں کا کیا حال ہے"؟ اگر کوئی خوشی کی بات بتائی جاتی اکثر فرماتے الحمد للہ، اگر ہنسی والی بات ہوتی تو ایسا ہنستے کہ تمام بدن مبارک متحرک ہو جاتا۔"

"ایک دفعہ حاضر ہوا تو ایک نوٹ نکال کر عطا فرمایا کہ ختم نبوت کے کام کی امداد میری طرف سے، پھر مجلس میں حاضرین کو توجہ دلائی، سب نے امداد کی حضرت مولانا فضل احمد صاحب نے دس روپیہ کا نوٹ نکال کر دیا، فرمایا پانچ روپیہ رکھ لو میں پانچ کا نوٹ واپس کرنے لگا حضرت نے فرمایا "واپس کیوں لیتے ہو یہ بھی دے دو" انھوں نے وہ بھی دے دیا۔"

اس سلسلہ میں جو لوگ نمایاں حصہ لیتے تھے اور جنھوں نے رات دن ایک کر رکھا تھا، ان سے حضرتؒ کو نہایت محبت تھی اور ان کی نہایت قدر فرماتے تھے اور اپنی محبت و پیار کا اظہار فرماتے، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بعد مولانا محمد علی جالندھری اس میں پیش پیش تھے حضرتؒ ان سے بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے اور ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔ مولانا

لکھتے ہیں "ایک دفعہ صبح آٹھ بجے کے قریب لائل پور حاضر ہوا، زمین کے فرش پر دھوپ میں تشریف فرما تھے، آگے ہو کر فرش پر بیٹھنے کا حکم دیا، میں تھوڑا آگے ہوا، بالکل برابر بٹھا کر کمر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا "میرا چاند آیا"۔

"میری موجودگی میں جب حضرت والا کی خدمت میں دودھ پیش کیا جاتا تب فرماتے مولوی صاحب کو پلاؤ، میں پی کر کیا کروں گا، یہ تو کام کرتے ہیں، خدام اصرار کرکے پلاتے اور کہتے اور دودھ مولوی صاحب کو پلا دیں گے، پھر بھی ایک دو پیتے بلکہ چھوڑ کر فرماتے "مولوی صاحب کو پلا دو"۔ اس طرح بارہا حضرت کا تبرک ملا۔(۱)

مولانا محمد صاحب انوری لکھتے ہیں :-

"آخر عمر میں حضرت اقدس کو ردّ مرزائیت کی طرف بڑی توجہ ہو گئی تھی، مولوی محمد حیات صاحب کو جنہیں قادیانیوں اور لاہوریوں کی کتابیں ازبر ہیں، بلا کر مباحث سنتے تھے اور مولوی لال حسین اختر کو بلا بھیجتے تھے مولانا محمد ابراہیم میر صاحب سیالکوٹیؒ کی شہادت القرآنؒ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، دوبارہ اس کو طبع کرانے کے بڑے متمنی تھے، آخر کار حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی توجہ مبارک سے اسکی دوبارہ اشاعت ہو گئی اور ایک علمی خزانہ ہاتھ آ گیا، علماء جو ادھر اُدھر کے مسائل میں الجھے رہتے ہیں، حضرتؒ کو بڑا صدمہ ہوتا تھا ان ابحاث میں حضرتؒ نہیں پڑتے تھے بلکہ اہم کام ردّ مرزائیت کو قرار دیتے تھے"۔(۲)

---

(۱) مکتوب مولانا محمد علی جالندھری بنام مؤلف (۲) تحریر مولانا محمد صاحب انوری

حضرتؒ ہی کے حکم اور ایما پر تحریک ختم نبوت میں مولانا محمد صاحب جیل گئے، مولانا لال حسین صاحب اختر کے لئے اسی سلسلہ کی سعی وجہد کو وظیفہ اور سلوک قرار دیتے تھے اور اس کو انکی ترقی کا ذریعہ بتاتے تھے، جنوری ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک شروع ہوئی، حضرتؒ ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہے اور اسکی فکر اور اس کا اثر پورے طور پر آپ کی طبیعت قوی فکریہ اور اعضاء وجوارح پر مستولی ہوگیا، محمد افضل صاحب (سلطان فاونڈری والے) کہتے ہیں کہ تحریک کے زمانہ میں آپ ایک مرتبہ اپنے وطن ڈھڈیاں تشریف لائے ہوئے تھے پنجاب کے ایک مشہور عالم کہیں قرب وجوار میں تشریف لائے تھے، حضرت کی موجودگی کی اطلاع پاکر زیارت کے لئے ڈھڈیاں آئے، آپ کی نگاہ جب ان پر پڑی تو آپ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ انکے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے، اس وقت لاہور اس تحریک کا مرکز تھا، اور یہاں گاؤں ہونے کی وجہ سے دیر میں خبریں پہنچتی تھیں، آپ کو خیال تھا کہ یہ دورہ کرتے ہوئے آرہے ہیں، ان کو تازہ حالات کا علم ہوگا، آپ نے بڑے اشتیاق کے ساتھ ان سے تحریک کی رفتار اور لاہور کے حالات کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا (جس سے بے توجہی اور عدم دلچسپی کا اظہار ہوتا تھا) حضرتؒ بہت مایوس اور پژمردہ ہوئے کہ یہ شہر سے آرہے ہیں کچھ تازہ حال سنائیں گے مگر یہ تو بالکل ناواقف اور بے تعلق نکلے محمد افضل صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں پر مقدمہ چل رہا تھا اور مولوی مظہر علی اظہر احرار کے پیروکار اور وکیل تھے، حضرتؒ نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ کل ذرا سویرے موٹر لے آنا کہیں چلیں گے، میں موٹر لیکر حاضر ہوا، حضرتؒ، مولوی مظہر علی کی کوٹھی پر تشریف لائے اور تنہا ان کے پاس تشریف لے گئے، بہت دیر تک تنہائی میں ان سے باتیں کیں، خاصی دیر کے بعد باہر تشریف لائے۔

اس موضوع اور مقصد سے حضرت کی شیفتگی اور شغف کا اندازہ اس سے ہو گا کہ حکومت پنجاب کے ماتحت جنوری ۱۹۵۸ء میں لاہور میں اسلامک کلوکیم (مذاکرہ اسلامی) منعقد ہوا، اس میں مشرق وسطیٰ کے بڑے ممتاز اور نامور عالم شریک ہوئے، انھوں نے بعض شرکاء جلسہ اور پاکستانی علماء سے قادیانیت کے متعلق سوالات کئے اور اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اگر عربی زبان میں اس مذہب اور تحریک کے متعلق کوئی کتاب یا مضمون ہو تو ان کو پڑھنے کیلئے دیا جائے ان کا خیال تھا کہ اسی سرزمین میں مذہب و تحریک پیدا ہوئی، اس کو سمجھنے کا یہاں سے بہتر موقع نہیں مل سکتا، لیکن عربی میں کسی موزوں کتاب کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے جس میں اس تحریک اور اس کے بانی کے تعارف اور اس مذہب کی حقیقت اور اسکی تاریخ بیان کی گئی ہو، ان کو کوئی چیز پیش نہ کی جا سکی، جو لوگ کلوکیم میں شریک ہوئے تھے اور وہاں کی کارروائی سے واقفیت رکھتے تھے، وہ اکثر شام کی مجلس میں حضرتؒ سے وہاں کی روداد بیان کرتے تھے، حضرت کو یہ سن کر بڑا صدمہ ہوا کہ ان اہم علماء کی فرمائش پوری نہیں کی جا سکی اور قادیانیت کے بارے میں عربی زبان میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے اسکی حقیقت معلوم ہو سکے، راقم سطور بعض مجبوریوں کی بنا پر کلوکیم میں نہیں پہونچ سکا تھا، اور چند دن کی تاخیر سے حضرتؒ کی خدمت میں لاہور حاضر ہونے والا تھا، حضرت نے اس موقع پر فرمایا کہ وہ آئیں گے تو ہم ان سے چمٹ جائیں گے کہ یہ کام کر کے جاؤ۔

میں جب لاہور پہنچا تو حضرت نے یہ سب واقعہ سنایا اور فرمایا کہ تم عربی میں ایک کتاب لکھ دو، مولانا محمد حیات صاحب کو اور دوسرے احباب اور خدام کو حکم ہوا کہ وہ اس کے لئے ضروری مواد اور سامان مہیا کر دیں، حضرت کا یہ قلبی تقاضا دیکھ کر اور حکم سن کر اپنی بے بضاعتی اور نااہلی کے باوجود میں نے حکم کی تعمیل کا وعدہ کر لیا، صوفی عبدالحمید صاحب کی

کوٹھی پر قیام تھا، انھوں نے اپنا کمرہ عنایت فرمادیا، دو ایک دن کے اندر قادیانیت کا کتب خانہ اور مرزا صاحب کی تقریباً تمام تصنیفات جمع ہوگئیں اور کام شروع ہوگیا۔

میرے لئے بڑی دقت اور آزمائش یہ تھی کہ مجھے اس موضوع سے کبھی ذوق اور واسطہ نہیں رہا تھا، اپنے پیدائشی ادبی ذوق اور اپنے مخصوص علمی و تعلیمی ماحول کے اثر سے مجھے مناظرانہ مباحث سے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی، بالخصوص مرزا صاحب کی کسی کتاب کے چند صفحے پڑھنا بھی میرے لئے مجاہدۂ عظیم تھا، اور میں کبھی اس پر قادر نہ ہوسکا، صرف تحریک ختم نبوت کے زمانہ میں چونکہ ممالک عربیہ کے اخبارات میں یک طرفہ اطلاعات شائع ہورہی تھیں اور تصویر کا صرف ایک ہی رُخ پیش کیا جارہا تھا، قادیانی جماعت کو محض ایک ایسے ستم رسیدہ فرقہ کی حیثیت سے دیکھا جارہا تھا جو اکثریت اور جاہل و متعصب مسلمانوں کی ہر طرح کی دست درازیوں کا نشانہ بنا ہوا تھا، میں نے اپنے عرب دوستوں کو حقیقت حال سے مطلع کرنے کے لئے ابتداءً ایک خط کی شکل میں (جو بعد میں ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوگیا[1]) قادیانیت اور پاکستان کی تحریک ختم نبوت کے متعلق کچھ لکھا تھا، جس کا سرمایۂ علم صرف پروفیسر الیاس برنی صاحب مرحوم کا ایک رسالہ "قادیانیت کا محاسبہ" اور مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کا "قادیانی مسئلہ" تھا، یہی میرے علم و مطالعہ کی کل کائنات تھی، اب مجھے ایک ناقدانہ مستقل علمی تصنیف مرتب کرکے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرنی تھی، اس کے لئے مرزا صاحب کی ساری تصنیفات اور ممکن الحصول قادیانی لٹریچر کا مطالعہ کرنا ضروری تھا، پھر اسکی تنقید اور تردید، افتاد طبع، قدیم تعلیم و تربیت

---

(۱) یہ رسالہ "القادیانیۃ ثورۃ علی النبوۃ المحمدیۃ والاسلام" کے نام سے پہلے ہندستان میں شائع ہوا اسکے بعد مفتی امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین اور بعض شامی دوستوں نے اسکو اپنے طور پر بھی شائع کیا۔

طبعی ذوق و رجحان، ہر ایک کا ناطق فیصلہ یہ تھا کہ یہ کام میری دسترس سے باہر اور میرے مزاج کے بالکل خلاف ہے لیکن انکار اور معذرت کی نہ گنجائش تھی نہ جرأت، اللہ تعالیٰ کے اعتماد و توکل پر اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ایک علمی و تصنیفی اعتکاف کی نیت کرلی اور اپنے کام میں لگ گیا۔

حضرت اس کام کی تکمیل کی طرف پوری طرح متوجہ تھے ان کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ میں اس عرصہ میں اپنا وقت کسی اور کام میں صرف کروں، کسی ضروری سے ضروری تقریب میں شرکت کیلئے کوٹھی سے باہر جانا بھی حضرت کو گراں گزرتا تھا، کبھی اس کا علم ہو جاتا کہ کوئی دوست اصرار کرکے لے گئے تو فرماتے کہ پھر یہ کام کیسے ہو سکے گا، یہ کام اس وقت سب سے زیادہ ضروری ہے، دن بھر لکھنے میں مصروفیت رہتی، شام کو عصر کی مجلس میں اور کبھی اس سے پیشتر دن بھر کے کام کا جائزہ لیتے، جو کچھ کیا ہوتا اس کو سنتے، اس وقت کسی اور موضوع کا چھیڑنا گوارا نہ تھا، کوئی بڑے سے بڑے شخص اس طرح بیٹھ جاتے کہ میں آڑ میں ہو جاتا تو ان کو متوجہ فرما دیتے، اس موضوع سے خاص تعلق رکھنے والے جو علماء تشریف لاتے اور جن کی اس موضوع پر گہری اور وسیع نظر ہوتی ان سے ارشاد ہوتا کہ وہ میرے کام کو ملاحظہ فرمائیں اور اپنی معلومات سے مستفیض کریں، غرض اس عرصہ میں یہی موضوع اور یہی ذوق در و دیوار پر چھایا ہوا تھا،

کتاب بحمد اللہ ایک مہینہ کے اندر اندر مرتب ہوگئی اور ۲۷ فروری ۱۹۵۸ء کو میں اس سے فارغ ہو گیا، مجھے اس کتاب کی تصنیف کے سلسلہ میں خوب اندازہ ہوا کہ حضرت کی فراست اور وجدان اس فرقہ کے بارے میں بالکل صحیح اور حق بجانب ہے، تخریب اسلام اور اسلام کو اپنے مرکز سے ہٹانے میں کوئی سازش اتنی خطرناک اور کامیاب نہیں ثابت ہوئی

جتنی یہ سازش اور کوشش ۔

میرے لئے اور ان سب دوستوں کے لئے جو میری افتاد طبع اور ثقافت سے واقف ہیں اور انھوں نے یہ کتاب بھی پڑھی ہے یہ بات سخت تعجب خیز ہے کہ یہ کتاب اس قلیل عرصہ میں ایک ایسے شخص کے قلم سے کیسے تیار ہوگئی جو اس موضوع کے ابجد سے بھی ناواقف اور اس کوچہ سے یکسر نابلد تھا، تقریباً ایک مہینہ کی قلیل مدت میں اس پورے کتابی ذخیرہ کا جائزہ بھی لیا گیا، نوٹس بھی تیار کئے گئے اور عربی میں منتقل بھی کر لیا گیا، اگر اس کو حضرتؒ کی کرامت سمجھا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا میں اب بھی جب کبھی اس کو دیکھتا ہوں مجھے خود حیرت ہوتی ہے اور اس کو محض تائید غیبی اور ایک مخلص کی دعا اور فکر کا نتیجہ سمجھتا ہوں،

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں

مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

یہ کتاب کچھ عرصہ کے بعد القادیانی والقادیانیۃ کے نام سے خوبصورت عربی ٹائپ میں طبع ہوگئی اور مصر و شام نیز افریقہ کے ان حصوں میں جہاں قادیانیت نے فروغ حاصل کرنا شروع کیا تھا اس نے بڑی مفید خدمت انجام دی اور کہیں کہیں اس نے ایک لشتہ کا کام دیا[1] والحمد للہ وحدہٗ،

اس کے ٹھیک ایک سال بعد جب ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۹ء میں دوبارہ لاہور حاضر ہوا تو ارشاد ہوا کہ اب اس کو اردو میں منتقل کردو، کتابی ذخیرہ پھر جمع کیا گیا تاکہ اصل عبارتیں نقل کی جائیں، اس نقش ثانی میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا اور مہینہ کے اندر اندر یہ ترجمہ بھی تیار ہوگیا[2] جو قادیانیت

---

(۱) ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ء) میں اس کا دوسرا ایڈیشن ندوۃ العلماء پریس سے شائع ہوا۔

(۲) اسوقت حضرت کا قیام حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی واقع ایمپرس روڈ پر تھا، وہیں اس ترجمہ کی تکمیل ہوئی

کے نام سے لاہور سے شائع ہوا، اور اس نے سنجیدہ حلقہ میں بہت جلد اپنی جگہ پیدا کرلی، اخبارات ورسائل نے بالعموم اس پر بڑے اچھے تبصرے کئے اور خاص طور پر اس کی متانت اور زبان کی ثقاہت، مستند معلومات اور محکم استدلال کی داد دی، حضرت نے اپنے علو مرتبت کے باوجود اس کے خریدنے کی ترغیب دی، کئی بار مجلس میں پڑھی گئی، قادیانی حلقے نے اس کتاب کا خاصہ وزن محسوس کیا، "الفضل" اور "پیغام صلح" نے مسلسل اس پر تنقید شائع کی، لیکن بقول مولانا نصر اللہ خاں عزیز مدیر "ایشیا" "یہ مضامین اس کے اثر کو کم نہیں کرسکے"۔

اس طویل داستان سے مقصود حضرتؒ کے اس شغف اور فکر و اہتمام کا اظہار ہے جو آپ کو اس مسئلہ کے ساتھ تھا، اور جو بقدر تعلق آپ کے اہل تعلق میں کارفرما ہے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حضرت کا سیاسی مسلک و ذوق

حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ اپنے شیخ و مربی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہ کے نقش قدم پر تھے حضرت عالیؒ اپنے سیاسی خیالات، جذبۂ جہاد اور انگریز دشمنی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے آپکو بھی وصیت فرمائی تھی کہ مولانا محمود حسن صاحب کا ساتھ دیتے رہنا سیاسیات میں انھیں سے رجوع اور مشورہ کی ہدایت بھی فرمائی تھی[1]،

جب تک حضرت شیخ الہندؒ حیات رہے، حضرت اگرچہ عملی سیاسیات سے کنارہ کش اور رائے پور میں اپنے کام میں ہمہ تن مشغول و یکسو رہے لیکن حضرت شیخ الہندؒ ہی کو اپنا سیاسی مقتدیٰ مانتے رہے اور مخصوص ذہنی و روحانی تربیت اور اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے آپ کا ذہن و رجحان اس گروہ کے ساتھ رہا جو ملک کی آزادی کے لئے کوشش

---

(۱) تحریر مولانا محمد علی جالندھری (۲) افادہ حضرت شیخ الحدیث۔

کر رہا تھا، اور جس کے نزدیک اسلام کی وسعت اور اشاعت اور اس کے اخلاقی غلبہ و تسخیر[1] کے وسیع امکانات، آبادی کے مختلف عناصر میں باہمی اعتماد و اتحاد میں مضمر تھے، آپ کے نزدیک ہندستان میں مسلمانوں کے بقا، اور ارتقاء، اور اسلام کی عزت و غلبہ کا ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ مسلمان اس ملک میں اپنی صلاحیت وافادیت اور اپنے اخلاقی وروحانی تفوق کا نقش قائم کردیں اور اپنی بے لوث و بے غرض محبت و خدمت روحانی عظمت اور ذکر اللہ کی کثرت سے اپنے برادران اور ہندستان کی قدیم آبادی کا (جو زمانہ قدیم سے محبت وروحانیت کے تیر سے گھائل ہونے والی ہے) دل جیت لیں اور محبوبیت و اعتماد کا مقام حاصل کرلیں اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ یہ ملک متحد ہو، ہندو مسلمان کو آزادانہ طریقہ پر ایک دوسرے سے ملنے اور دیکھنے کے مواقع حاصل ہوں، آپس میں سیاسی رقابت، تلخی و نفرت اور تقابل کی صورت نہ ہو،

تقسیم سے اختلاف

آپ کو اس حقیقت پر پورا الیقین تھا کہ ہندستان میں اشاعت اسلام اور مسلمانوں کیلئے مقبولیت و محبوبیت کے مقام کا اب بھی وہی رستہ ہے جو ساتویں صدی میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور صوفیائے کرام نے اختیار کیا اور وہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے اور سیاسی طور پر ایک دوسرے سے متغز ہونا اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتا،

---

(۱) ۳۶-۱۹۳۵ء میں جب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری (نو مسلم) نے حزب الانصار کے نام سے ایک سیاسی تبلیغی جماعت قائم کی جس کے سیاسی مقاصد اور دستور العمل میں ملک کے لئے آزادی کامل کے حصول کی جدوجہد شامل تھی تو آپ نے اسکی سرپرستی فرمائی اور اس کے مطبوعہ دستور العمل میں آپ کا نام عرصہ تک بحیثیت سرپرست کے موجود رہا۔

اپنے اس ذہنی رجحان اور قلبی اذعان کی بنا پر نیز دینی جذبات، عملی اسلامی زندگی اور اخلاص و سرفروشی کی روح کی بنا پر آپ کا کھلا ہوا رجحان جمعیۃ العلما اور مجلس احرار کی طرف تھا خاص طور پر جانشین شیخ الہندؒ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تو آپ کو عشق و شیفتگی کی حد تک محبت و عقیدت تھی، آپ کو ان کے اخلاص و للّٰہیت و مقبولیت عند اللہ پر اعتقاد کامل تھا، اپنے خاص علم واحساس کی بنا پر اس میں ایک لمحہ کے لئے تردد نہیں پیدا ہوتا تھا دوسری طرف سیاسی بصیرت اور بالغ نظری میں مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے قائل تھے، مجلس احرار کا بھی یہی بنیادی فکر تھا، اور اس کے بانی و روح رواں مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ آپ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے اور آپ کو بھی ان دونوں سے گہرا اور عزیزانہ و سرپرستانہ تعلق تھا، اس سب کا نتیجہ تھا کہ آپ فکری و ذوقی طریقہ پر تقسیم کو مسلمانوں کیلئے مضر، اسلام کی اشاعت و ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور نئی نئی مشکلات پیدا ہونے کا ذریعہ سمجھتے تھے،

مولانا مدنیؒ کی تائید

مولانا مدنیؒ چونکہ تقسیم کی مخالف جماعت (جمعیۃ العلماء) اور قوم پرور مسلمانوں کے رہنما تھے اور پورے خلوص و جانفروشی کے ساتھ اپنے نظریہ کی اشاعت و تبلیغ کے لئے میدان میں سینہ سپر تھے اور اسکے لئے طوفانی دورے فرما رہے تھے، مسلمانوں کی اکثریت پاکستان کے نعرہ سے مسحور، اور ملک کی اکثریت کی تنگ دلی، کم حوصلگی اور تعصب کے مسلسل تجربہ کی بنا پر ایسی بیخود اور از خود رفتہ ہو رہی تھی کہ وہ مولانا کے مقام و احترام کا بھی لحاظ نہ رکھ سکی اور سید پور اور جالندھر میں نہایت نامناسب و ناخوشگوار واقعات پیش آئے، حضرت کی نظر مولانا کے اخلاص

مسلمانوں کے ساتھ ان کے جذبۂ خیر خواہی، اور عند اللہ ان کی مقبولیت پر تھی آپ کو ان واقعات سے سخت ملال اور قلق ہوا، اور آپ نے بڑے جوش کے ساتھ علانیہ مولانا کی حمایت و تائید فرمانی شروع کی۔ اس وقت مسلمانوں کے جذبات اس رجحان کا ساتھ دینے سے قاصر تھے اور آپ کے بڑے مخلص و خدام کیلئے بھی یہ بڑے مجاہدہ اور امتحان کا وقت تھا آپ کو ان کے اس رجحان کا خوب علم تھا، لیکن آپ نے اس کی بالکل پرواہ نہیں کی اور کھل کر مولانا کی تعریف و توصیف اور ان کی ذات سے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار فرمایا۔

اسی زمانہ میں ۱۹۴۶ء کا الکشن آیا، آپ نے مولانا کے ساتھ اپنے تعلق قلبی کا برملا اظہار فرمایا اور اپنے مخصوص مخلصین کو ان کی حمایت کی ہدایت کی ۱۹۴۵ء میں الکشن کی تیاریاں اور رہنماؤں کے دورے شروع ہو گئے تھے: ۱۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو مولانا رائے پور تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے ایک بڑے مجمع کے ساتھ قصبہ سے باہر نصف میل پر آکر مولانا کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ جائے قیام پر لے گئے اور چونکہ آپ تکلیف و ضعف کے باعث جلسہ میں دیر تک بیٹھ نہیں سکتے تھے، اس لئے جلسہ کی صدارت کیلئے اپنی جانب سے مولانا اشفاق احمد صاحب متولی مدرسہ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کو مقرر فرما کر بھیجا، اور ایک پیغام اپنے خادم و معتمد خاص مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نو مسلم مقیم خانقاہ کے ذریعہ حاضرین جلسہ کو بھیجا کہ "اگرچہ میں ۱۹۲۰ء کے خلافت اور کانگرس کے دور کے بعد اپنے دیگر مشاغل کی وجہ سے کسی سیاسی جماعت میں شامل نہ تھا مگر اب پورے شرح صدر کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں حضرت مولانا مدنی کے ساتھ ہوں میں اپنے دوستوں کو مجبور تو نہیں

کرتا مگر میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ اگر میرا ووٹ ہو تو میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مدظلہ کو دوں اور ہر اس شخص کو ووٹ دوں جس کی مولانا مدنی سفارش کریں![1]

تقسیم کا نفاذ اور اسکے نتائج

لیکن آپ مولانا مدنی اور اس گروہ کے نظریے کے خلاف تو تقسیم کا مخالف تھا بالآخر ۱۴ اگست ۴۷ء کو پاکستان میں اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان میں تقسیم کا اعلان ہوگیا اور اسکا عملی نفاذ کردیا گیا، اس موقع پر ایک طرف دہلی اور اطراف دہلی اور مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں، دوسری طرف مشرقی بنگال اور مغربی پنجاب میں جو قیامت برپا ہوئی، دونوں طرف کے باشندوں کو جن لرزہ خیز مصائب سے گزرنا پڑا، جسطرح بستیاں نذر آتش اور لاکھوں انسانی جانیں لقمۂ اجل بنیں ٹرینوں میں اور اسٹیشنوں پر قتل عام ہوا، قافلے لٹے: اور انسان بھیڑ بکریوں کیطرح ذبح اور گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے جس طرح ننگ و ناموس بے قیمت و پامال اور انسان کا خون ارزاں ہوا وہ ایک تلخ ترین داستان ہے جو انسانیت کی پیشانی کا داغ اور ہر حساس و دردمند انسان کے سینہ کا زخم ہے۔

دل کا زخم

اس حادثۂ عالم آشوب سے ہر صاحب دل و صاحب بصیرت انسان کو اپنے اپنے احساس و علم اور اپنے اپنے درد و تعلق کے مطابق تکلیف پہنچی لیکن حضرت کو دوہری تکلیف تھی، ایک طرف مشرقی پنجاب مسلمانوں کے وجود سے (جس کو قدرت الٰہی نے صدیوں سے اس حصہ کی قسمت میں رکھا تھا) خالی ہوگیا اور وہاں کی سرزمین

---

(۱) مضمون اشتہار مطبوعہ بعنوان "ارشاد گرامی" شائع کردہ راؤ عبد الحمید خاں ولد راؤ عبد الرشید خاں ساکن قصبہ رائے پور ضلع سہارنپور۔

مسلمانوں سے اور فضائیں اذانوں سے محروم ہو گئیں۔

مدارس آیات خلت من تلاوۃ
ومنزل "علم" مقفر العرصات (۱)

آپ کی آنکھوں کے سامنے پنجاب میں آپ کے شیخ اور آپ کا لگایا ہوا باغ اجڑ گیا، اور جہاں ہر وقت اللہ کے نام کی صدا اور ذکر کے نغمے گونجتے تھے وہاں کی فضا پانچ وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا کو ترسنے لگی، یہ آپ کے دل کا ایسا داغ تھا جو کبھی مندمل نہیں ہوا۔

دوسری طرف مغربی پاکستان میں نہتی ہندو آبادی کے ساتھ جو ظلم اور سفاکی ہوئی اس نے آپکے دردمند اور انسان دوست دل کو تڑپا دیا، آپکے نزدیک ان ناکردہ گناہ انسانوں کو دوسری جگہ کے مجرموں اور قاتلوں کے جرم اور مسلمانوں کے انتقام میں قتل کرنے کا کوئی شرعی و اخلاقی جواز نہ تھا۔

عرصہ تک رائے پور کی مبارک مجلسوں میں ذکر کے اوقات کے علاوہ دونوں طرف انسانوں کی مظلومیت اور انکے بھائیوں کی سفاکی کے واقعات کا تذکرہ ہوتا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے قلب حزیں کو اتنے تذکرہ سے کبھی تسلی نہیں ہوتی اور سینہ کے داغ اندر اندر جل رہے ہیں آپ بار بار فرماتے تھے کہ ان نادانوں نے اشاعت اسلام کا ایک وسیع میدان اور اتنی انسانی روحوں کے مشرف باسلام ہونے کا نادر وزریں موقع کھو دیا، اگر غیر مسلم آبادی وہاں رہ جاتی

---

(۱) جہاں آیات قرآنی کا دن رات درس ہوتا تھا وہ مقامات تلاوت تک سے محروم ہیں اور جہاں علم کا شب وروز تذکرہ تھا وہاں خاک اڑ رہی ہے۔

تو وہ خود یا ان کی اولاد اسلامی تہذیب و اخلاق سے متأثر ہوتی اور اللہ تعالیٰ انکا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا اور اسلام کی آغوش نئے نئے فرزندوں سے معمور ہوتی۔

مشرقی پنجاب سے جو مسلمان پاکستان ریلوں کے ذریعہ گئے تھے اور جن میں بہت سے آپ سے تعلق رکھتے تھے بڑے ہولناک مصائب سے گزر کر پہنچے، انکے بہت سے ساتھی ان کی آنکھوں کے سامنے تہہ تیغ ہوئے جو کسی نہ کسی طرح بچ کر پہونچے انکے بڑے دلدوز اور جگر خراش خط آئے ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۸ء) میں سفر حج کے بعد جب راقم سطور رائے پور حاضر ہوا تو ان کے خطوط کا سلسلہ جاری تھا اور وہ مجلس میں پڑھے جاتے تھے اور ایک سناٹا چھا جاتا تھا۔

خود رائے پور میں مشرقی پنجاب کے بہت سے خدام و اہل تعلق جو رائے پور رمضان کرنے آئے ہوئے تھے مقیم تھے، پناہ گزینوں کی ٹرینیں برابر سہارنپور سے گزر رہی تھیں قدرتی طور پر ان غریب الوطن مسلمانوں کو اپنے وطن پہونچنے اور اپنے اہل و عیال اور خویش و اقارب سے ملنے کا اشتیاق و اضطراب تھا لیکن اس کا کوئی اطمینان نہ تھا کہ یہ لوگ صحیح سلامت پہنچ جائیں گے، اس لئے آپ متردد تھے اور اجازت نہیں دیتے تھے، بالآخر عرصہ کے انتظار کے بعد آپ نے ایک روز اجازت دی، مولانا محمد علی صاحب جالندھری اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"جب ملک تقسیم ہوا پنجاب کے اکثر خدام رمضان گزارنے آئے ہوئے تھے مشرقی پنجاب کے مسلمان گھروں سے اجاڑ دیے گئے، یہ سب خدام بہت پریشان تھے، جب پتہ چلتا کہ کوئی ٹرین لاہور جائے گی، خدام اجازت طلب کرتے مگر حضرت

اجازت نہ دیتے، خدام بے حد پریشان تھے، خبریں پڑھتے تھے، آخر ایک ٹرین کی اطلاع ملی کہ لاہور جائے گی، حضرت نے فرمایا جو جانا چاہتے ہیں تیار ہو جائیں، یہ پہلی ٹرین تھی جو صحیح سالم لاہور پہونچی، پہلی ٹرینیں جانی ومالی نقصان کرا کے آئیں"۔(۱)

یہ سب نتائج (خواہ اتنی مہیب اور واضح شکل میں نہ ہوں) حضرت کی دوربین نگاہ اور اہل بصیرت کی نگاہوں کے سامنے تھے، جو ہوا وہ اندیشہ اور توقع سے بہت زیادہ اور قیاس سے بہت افزوں تھا، مگر ایسا نہیں کہ بالکل خلاف توقع ہوا اور نہ صرف فراست مومن بلکہ سیاسی بصیرت بھی اسکی پہلے ہی پیش گوئی کر چکی تھی،

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت | سخن نازک تراز برگ سمن گفت
مگر با من بگو آں دیدہ ور کیست | کہ خارے دید و احوال چمن گفت

نقصان کی تلافی اور اصلاح حال کی صورت

حضرت کے نزدیک اب اس نقصان کی تلافی اور اصلاح حال کی صورت یہی تھی کہ تعلقات میں خوشگواری پیدا کی جائے اور کچھ اللہ کے بندے جو خدا کے نام کی حلاوت سے آشنا ہوں، جان کی ہلاکت سے بے خطر اور فقر و فاقہ کے خوف سے بے فکر و نڈر ہوں، مشرقی پنجاب کی خالی مسجدوں اور گوشوں میں توکلا علی اللہ بیٹھ جائیں اور اخلاص اور درد کے ساتھ اللہ کا ذکر کریں، اگر کوئی ان سے بیمار پر دم کرانا چاہے یا کسی جائز ضرورت کیلئے تعویذ کی درخواست کرے اللہ تعالےٰ کے اعتماد و یقین پر اپنے کو محض بے اثر و بے بضاعت سمجھتے ہوئے تبلیغ و ہدایت کی

(۱) مکتوب مولانا محمد علی جالندھری بنام مؤلف کتاب،

غرض سے کردیا کریں، اگر اللہ تعالٰی کو اس علاقہ میں پھر اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی سکونت منظور ہے تو ان کے "انفاس ونقوش" میں اثر ومسیحائی پیدا کرے گا اور لوگ ان کے معتقد ہو کر ان کا دین قبول کریں گے اور کم سے کم اسلام سے نفرت اور مسلمان سے وحشت دور ہو گی، لیکن افسوس ہے کہ کسی نے اس کی ہمت نہ کی اور حضرت کی آرزو پوری نہ ہوئی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے البتہ مشرقی پنجاب اور خاص طور پر اپنے وطن قدیم پٹیالہ کے دورہ میں اس پر کہیں کہیں عمل کیا اور بعض حاجتمندوں کو تعویذ لکھ کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس کے آداب وشرائط میں سے یہ بھی ہے کہ ایک نمازی مسلمان کو اتنے روز تک کھانا کھلایا جائے۔ "صاحب الغرض مجنون" کے مطابق بعض اہل ضرورت غیر مسلموں نے ایسے مسلمان کو دور سے "درآمد" کیا اور اس کو اپنے گھر رکھ کر روٹی کھلائی[1] اللہ تعالٰی نے عمل میں اثر دیا اور اس کا کام بھی ہو گیا، لیکن یہ سلسلہ مستقل طریقہ پر چلانے والا کوئی نہ ملا۔

مسلمانوں کو جمانے اور تھامنے کا عظیم الشان کام

ایک بڑا مسئلہ جو تقسیم نے کھڑا کر دیا تھا یہ تھا کہ پاکستان کے بن جانے اور ہندستان کے حالات کے غیر یقینی ہونے کی بنا پر مسلمانوں کے

---

(۱) اس سلسلہ میں یہ لطیفہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے خود سنایا کہ ایک سکھ یا ہندو اس شرط کو پورا کرنے کے لئے کہیں سے ایک مسلمان لے آیا، لیکن بدقسمتی سے وہ بے نمازی تھا چونکہ عمل میں نمازی ہونے کی شرط تھی، اس لئے اسی غیر مسلم نے اس مسلمان سے مار مار کر نماز پڑھائی تاکہ عمل اور تعویذ میں اثر پیدا ہو۔

قدم ہندستان میں ڈگمگا گئے اور بڑے بڑے پہاڑ تزلزل میں آگئے اور پاکستان ہجرت کر جانے کا ایک ایسا وسیع اور طاقتور رجحان بلکہ نشہ سب پر چھا گیا جس کو تھامنا اور مسلمانوں کو اس ملک میں مقیم رہنے پر آمادہ کرنا مجددانہ عزیمت وبصیرت کا طالب تھا، اس کیلئے غیر متزلزل یقین اعتماد علی اللہ اور زبردست روحانیت اور قوت ایمانی کی ضرورت تھی، یہ مسئلہ اگرچہ سارے ہندستان کا تھا اور ضلع سہارنپور میں جمنا کے مشرقی کنارے سے لیکر دریائے ہگلی تک اسکی لہر پھیلی ہوئی تھی، مگر سب سے بڑھ کر یہ سہارنپور کے سرحدی ضلع کا مسئلہ تھا اور در حقیقت یہی ضلع ہندستان میں مسلمانوں کے مستقبل کیلئے فیصلہ کن بنا ہوا تھا، اگر ضلع سہارنپور اکھڑتا اور وہاں سے مسلمانوں کا عمومی انخلا شروع ہو جاتا تو پھر ضلع مظفر نگر، میرٹھ اور ضلع بجنور کی باری تھی جو اس سے ملحق تھے، اس کے بعد مرادآباد کا بھی اعتبار نہ تھا اور اس کے معنی یہ تھے کہ یو-پی جو مسلمانوں کا تہذیبی اور دماغی مرکز ہے مشرقی پنجاب بن جاتا اور ہندستان خدانخواستہ دوسرا اسپین بن کر رہتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص اور اسکی کارسازی تھی کہ اس سرحدی ضلع میں مسلمانوں کے اندر استقلال وثبات پیدا کرنے حالات کا مقابلہ کرنے کا عزم اور سارے ہندستان کے مسلمانوں کیلئے سینہ سپر ہو جانے کا حوصلہ پیدا کرنے کیلئے اور اکھڑے ہوئے قدموں اور ڈگمگاتے ہوئے دلوں کو جمانے کیلئے اس نے تین شخصیتیں عطا فرمائیں جنھوں نے ہندستان کے مسلمانوں کی اس گرتی ہوئی عمارت کو تھامنے کیلئے تین ستونوں کا کام کیا۔

ایک حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری جو بالکل جمنا کے مشرقی کنارے اور یو-پی کی آخری سرحدی لکیر پر بیٹھے ہوئے تھے، اور دوسرے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جو سہارنپور میں تشریف رکھتے تھے، تیسرے حضرت مولانا حسین احمد مدنی جو دیوبند کے رکن

رکین اور پورے صوبہ بلکہ ملک کے مسلمانوں کے اس وقت پشتیبان بنے ہوئے تھے۔

تقسیم کا نفاذ ہوا تو حضرت رائے پور ہی میں تھے، رائے پور والوں کے تعلقات مشرقی پنجاب، نیز مغربی پنجاب سے پہلے سے تھے ان میں سے بعض کی زمینیں اور بعض کے اعزا وہاں موجود تھے، سیاسی ذوق ورجحان کے اعتبار سے مسلمانوں کی اکثریت کی طرح وہ بھی تقسیم کے حامی تھے، ان کے اور مشرقی پنجاب کے درمیان صرف جمنا حائل تھی، پنجاب کی سرحد رائے پور کی بستی اور خانقاہ سے صرف چار میل پر واقع ہے، دریا کے اس پار جو بم یا گولے گرائے جاتے ان کی آوازیں اور دھما کے صاف رائے پور میں محسوس ہوتے افواہوں نے اور اطراف کے لٹے پھنکے قافلوں نے خوف وہراس اور افسردگی ویاس کی فضا پیدا کر دی تھی اور اس ملک کے مسلمانوں کا مستقبل نہایت تاریک نظر آرہا تھا، جائدادوں اور زمینداریوں کا کچھ بھروسہ نہ تھا، ان کا انجام مشرقی پنجاب میں اچھی طرح دیکھ لیا گیا تھا، مسلمانوں کی عزت وناموس بظاہر ایک قصۂ ماضی تھا، رائے پور اور یو۔پی نے زمیندار حکومت کے عادی رہے ہیں، اب ان کو صاف نظر آرہا تھا کہ ان کی رعایا اور ان کے زیردست ان سے باغی ہو جائیں گے اور ان سے برسوں کا انتقام لیں گے غرض سارے حالات اور آثار اور علامات وقرائن ہجرت کے حق میں تھے اور ہندستان میں رہنا خلاف عقل، خلاف مصلحت اور بہت سے حضرات کے نزدیک خلاف حمیت اور مخالف اسلام نظر آرہا تھا، نقشہ یہ تھا کہ جوالاپور، دہرہ دون اور جمنا پار کے مواضعات کی آبادی اپنے ہم قوم وہم مذہب بھائیوں کے پاس رائے پور ٹھہری ہوئی تھی، دوسری طرف سے حملہ کی افواہیں پھیلتی رہتی تھیں، تین مرتبہ تو باقاعدہ حملہ کی اطلاع ملی جس کی نوبت خدا کے فضل سے نہیں آنے پائی، اہل رائے پور رات بھر پہرہ دیتے

تھے اور چوکنا رہتے تھے، باغ (خانقاہ رائے پور) میں مشرقی پنجاب سے ماہ رمضان گزارنے کے ارادہ سے آنے والوں کا مجمع تھا، یہ سب بھی ایک اضطراب اور اشتباہ کی حالت میں تھے، اس سراسیمہ و مضطرب فضا میں آپ کا وجود، آپ کا اطمینان قلب و یقین اور آپ کی طرف سے تسکین و تلقین اہل رائے پور اور نواح و اطراف کے مسلمانوں کیلئے اطمینان قلب اور سکون خاطر کا واحد ذریعہ اور سرچشمہ تھا۔

مسئلہ نہ صرف رائے پور کے جمانے کا تھا بلکہ سہارنپور کے مسلمانوں کی تقویت اور ان کو مطمئن کرنے کا بھی تھا جو ہندستان میں دینداری اور علم دین کا مرکز ہے اور جس کے اکھڑ جانے کے بعد قریبی اضلاع کا جمانا ناممکن ہو جاتا۔

"سہارنپور میں ہر وقت فساد کا خطرہ تھا، آتش زنی، غارت گری، دہشت انگیزی کی فضا چھائی ہوئی تھی، مسلمان ایک دائمی خوف اور بے چینی کی حالت میں تھے، راتوں کو محلوں میں پہرہ دیتے، جابجا آگ لگائی جا رہی تھی، شہر کے مختلف گوشوں سے شور و غل کی آوازیں آتی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حملہ ہو گیا، مسلمان اہل ثروت اور ذی حیثیت لوگوں کے گھر باہر سے آنے والے مسلمانوں کے کیمپ بنے ہوئے تھے، مسلمانوں نے اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے شہر کے ناکوں پر پہرے مقرر کر رکھے تھے۔"[1]

مسلمانوں کے سیاسی لیڈر پاکستان جا چکے تھے، یا رخت سفر باندھ رہے تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اس وقت نظام الدین دہلی میں محصور تھے، حضرت مولانا مدنی دیوبند میں تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت مشکل ہو رہی تھی

---

(۱) روایت حاجی یعقوب علیخاں و میر آل علی اور شاہ مسعود صاحب وغیرہ رؤسائے سہارنپور۔

دہلی اور سہارنپور کا راستہ بالکل غیر محفوظ اور خطرناک تھا، اس حالت میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ رائے پور سے بار بار سہارنپور تشریف لاتے، مسلمانوں کی ڈھارس بندھاتے اور ان کو قیام کرنے پر پختہ کرتے۔

"اس زمانہ میں معمول تھا کہ تقریباً ہر ہفتہ عشرہ سہارنپور ضرور تشریف لاتے اور مسلمانوں کو تسلی و تشفی دیتے، آپ کی تشریف آوری سے مسلمانوں کو اطمینان ہو جاتا، ستمبر ۴۷ء (۱۳۶۶ھ) میں ایک بار آپ خاص اسی مقصد کے لئے تشریف لائے اور سہارنپور کے مسلمانوں کو سمجھایا کہ وہ تشدد سے بالکل پرہیز کریں، فسادات کے موقع پر مار کھالیں مگر مقابلہ نہ کریں، ورنہ وہی حشر ہوگا جو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا ہوا۔"(۱)

"ایک مرتبہ بڑے اہتمام سے تشریف لائے۔ خبر تھی کہ سہارنپور کے مسلمان حملہ کا ارادہ کر رہے ہیں اور کچھ کیمپ میں جا رہے ہیں، آپ نے سمجھایا اور فرمایا کہ تم حملہ تو کر دو گے اور کچھ لوگوں کو مار بھی دو گے مگر اس کے بعد اس کا جو نتیجہ نکلے گا اور مسلمانوں کا جو حشر ہوگا وہ بہت سخت ہوگا فرمایا کہ ہم نے دہلی کے حالات سے یہ سبق لیا ہے۔"(۲)

غرض حضرت کی اس تلقین و ہدایت اور بار بار کی مساعی سے ضلع سہارنپور کی مسلمان بستیاں و مواضعات جن کے قدم اکھڑ چکے تھے یا ڈگمگا رہے تھے دوبارہ جم گئے اور انھوں نے اپنی جگہ رہنے اور حالات و مشکلات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا، آپ نے اسی زمانہ میں ایک

---

(۱) روایت حاجی یعقوب علیخاں اور میر آل علی (۲) روایت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائپوری

مرتبہ فرمایا "کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَأْنٍ" اب یہ بے اطمینانی اور بے بسی کے دن نہیں رہیں گے۔(۱)

۵۔ محرم ۱۳۶۷ھ (۱۹ ر نومبر ۱۹۴۷ء) کو حضرت شیخ الحدیث مولانا مدنیؒ کی معیت میں (جو اتفاقاً) دہلی گئے ہوئے تھے اور ایک نو بجے لاری پر جسبریر مسلح گارد تھی، دیوبند تشریف لے جا رہے تھے، سہارنپور تشریف لائے۔ ۱۱ محرم ۱۳۶۷ھ (۲۵ ر نومبر ۱۹۴۷ء) سہ شنبہ کو سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث کے دولت خانہ پر تینوں حضرات نے تخلیہ میں مشورہ کیا اور اس مشورہ میں اجتماعی طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ ہمیں ہندوستان ہی میں رہنا ہے، حضرت رائے پوری کا وطن (جیسا کہ سوانح کے ابتدائی صفحات سے معلوم ہو چکا ہے) اور سارا خاندان نیز اہل ارادت و تعلق کی بڑی تعداد (جو مشرقی پنجاب سے اب پاکستان پہونچ چکی تھی) اور سارے عزیزانہ تعلقات اسی حصہ میں تھے جو اب پاکستان کا قلب اور مرکز تھا) ان سب باتوں کا تقاضا یہی تھا کہ آپ پاکستان منتقل ہو جائیں لیکن ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو سامنے رکھ کر آپ نے بھی اپنے بارہ میں ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ فرمایا۔ یقیناً بڑی سعید ساعت تھی جب ان حضرات نے جن سے لاکھوں مسلمانوں کا قلبی اطمینان وابستہ تھا یہاں رہنے کا یہ اجتماعی فیصلہ کیا، اگر خدانخواستہ اس وقت کے غیر یقینی حالات میں یہ حضرات اپنے بارہ میں دوسرا فیصلہ کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں میں سخت انتشار پیدا ہوتا اور پھر کوئی طاقت ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے اور اپنے تعلیمی و تہذیبی مرکزوں کی حفاظت اور اس سرزمین سے وابستگی پر آمادہ نہ کر سکتی جس کے ہر چپہ چپہ پر ان کی صلاحیت اور ان کی قوت عملی کے نشان اور تاریخی یادگاریں ہیں۔

---

(۱) روایت حاجی فضل الرحمٰن خاں رائے پوری و دیگر حضرات۔

راقم سطور کو خوب یاد ہے کہ جب حضرت ۱۹۴۶ء میں اس ناچیز اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی دعوت پر لکھنؤ تشریف لائے تو صبح و شام کی عمومی مجلسوں میں شہر کے بعض سربرآوردہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اور بعض اونچے عہدہ دار تشریف لاتے ان میں سے اکثر حضرات ذہنی طور پر پچھلے اثرات سے متأثر تھے اور بعض محض اس شوق میں آتے تھے کہ آپ سے سلوک و معرفت کی باتیں اور وعظ و نصائح سنیں گے، حضرت اکثر اس احسان کا تذکرہ فرماتے، بہ وقت ہم دونوں کے لئے بھی بڑے مجاہدہ کا تھا بعض اوقات قصداً کوئی دوسرا دینی موضوع چھیڑ دیتے کہ حضرت کی توجہ اس پر مبذول ہو جائے لیکن ہم لوگوں کی تربیت و اصلاح کے پیش نظر بھی حضرت قصداً اس تذکرہ کو چھیڑتے کہ وہ عقیدت جو اپنے ذوق کی تابع اور کسی ایسی بات سے متزلزل ہو جائے جو اپنے ذوق و نظریات کی سو فی صدی مطابق نہ ہو وہ قابل اعتماد نہیں، دوسرے یہ کہ اللہ کے وہ بندے جن کو دولت اخلاص و یقین سے نوازا جاتا ہے ان کے نزدیک لوگوں کی عقیدت و پسندیدگی اور مدح و تعریف پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

فلیتک تحلو والحیاۃ مریرۃ | ولیتک ترضی والانام غضاب
ولیت الذی بینی وبینک عامر | وبینی وبین العالمین خراب (۱)

---

(۱) شاعر ابو فراس حمدانی کہتا ہے کہ کاش آپ میرے لئے شیریں ہو جائیں پھر چاہے پوری زندگی تلخ ہو جائے، کاش آپ مجھ سے راضی ہوں پھر خواہ سب انسان ناراض ہو جائیں، میرے اور آپ کے درمیان کا رشتہ قوی اور شاداب ہو، چاہے ساری دنیا کے تعلقات شکستہ اور ویران ہو جائیں،

مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے خوب فرمایا ہے ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے | یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

۱۹۴۹ء اور شاید ۱۹۵۰ء تک بھی یہی سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھ اور توفیق عطا فرمائی کہ مخلص و عارف کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں،

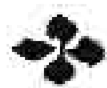
لیکن باوجود اس علانیہ تعریف و اعتراف اور اظہار تشکر و احسان مندی کے جب بعض مخلصین نے جو ان اہل حکومت سے تعلقات اور بے تکلفی رکھتے تھے، ان اہل حکومت میں سے (جن کی حضرت تعریف فرماتے تھے) کسی سے ملاقات کی درخواست کی، یا ان کا اشتیاق ظاہر کیا، تو آپ نے سختی سے منع فرمایا اور صاف انکار کر دیا یہاں تک کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم نے کئی بار پنڈت جواہر لال نہرو سے آپ کا نہایت بلند الفاظ میں تذکرہ کیا اور غائبانہ تعارف کرایا، حضرت سے بھی عرض کیا کہ کبھی ملاقات فرمائیں، حضرت نے صاف معذرت فرما دی اور کبھی کسی سے نہیں ملے گویا یہ جو کچھ تھا محض شرافت نفس اور اسلام کی اخلاقی تعلیم و احسان مندی کے جذبہ سے تھا ورنہ اپنا حال و عمل تو یہی تھا کہ

من ولق خود با فسر شاہاں نمی دہم

کارنامہ کی عظمت تقسیم ہند کے بعد کے پُر آشوب، ہوش رُبا اور زلزلہ انگیز ایام گزر گئے، اس کی کیفیات بھی بہت سے لوگوں کے حافظہ سے فراموش ہو گئی ہوں گی جنھوں نے نہیں دیکھا ان کو اس کا نقشہ دکھانا اور اس کا صحیح تصور کرانا بھی مشکل ہے، ہندستان کے مسلمان اب اس ملک میں باعزت، آزاد اور شریک حکومت کی حیثیت سے رہنے اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے اور اپنی تہذیب، تعلیم اور مستقبل کی حفاظت کرنے کا عزم کر چکے

ہیں لیکن بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اس صورت حال کے پیدا کرنے اور اس فضا کے قائم کرنے میں اس بوریہ نشین درویش اور اس کے عالی مقام رفیقوں کا کیا بنیادی حصہ ہے انھوں نے اشک صبح گاہی اور خون جگر سے اس حصار کی تعمیر کی جس کے اندر ہندوستان کے مسلمان آج زندگی گزار رہے ہیں اور مسجدوں کے میناروں سے اذان کی صدائیں اور مدارس کے ایوانوں میں قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں بلند ہیں

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخونِ دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم



آخری سفر حج

رائے پور کے بعض راؤ صاحبان اور رؤسا جن پر حج فرض تھا، حج کا ارادہ کر رہے تھے اور حضرت سے انھوں نے درخواست کی تھی کہ حضرت بھی تشریف لے چلیں، حضرت کو یہ اندیشہ ہوا کہ میرے عذر کر دینے سے شاید اس سفر ہی کا التوا ہو جائے اور فرض ان کے ذمہ رہ جائے، حضرت نے حج کا ارادہ فرما لیا۔

راقم سطور ۱۰ رشوال ۱۳۶۹ھ کو رائے پور جا رہا تھا، حضرت رائے پور سے سہارنپور تشریف لا رہے تھے، راستہ میں ملاقات ہو گئی، فرمایا کہ ہم حج کو جا رہے ہیں، میں نے تم کو خط لکھوایا تھا کہ تم بھی ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ، سہارنپور پہنچکر قانونی مراحل

ٹیکہ واکسیشن کی تکمیل ہوئی اور سفر کی تیاری شروع ہوگئی، پہلے حضرت کا اور مخصوص ہمراہیوں کا ہوائی جہاز سے تشریف لے جانے کا قصد تھا(۱) لیکن اس سال ہوائی جہاز کا پورا پروگرام قرنطینہ کے احکام کی بنا پر منسوخ ہوگیا تھا اس لئے بحری جہاز سے سفر اختیار کیا گیا۔

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ (مطابق ۲۷ اگست ۱۹۵۰ء یوم یکشنبہ) سات بجے صبح دہلی کو روانگی ہوئی، حضرت شیخ الحدیث بھی مشایعت کیلئے ہمراہ تھے، ۱۵ ذیقعدہ کی شب میں ۲ بجے پالم ہوائی اڈے سے حضرت مع رائپور کے ہمراہیوں (راؤ عبدالحمید خاں، راؤ محمد سعید خاں، راؤ فضل الرحمن خاں اور راؤ مقصود علی خاں اور مولوی عبدالمنان صاحب رائپوری) کے ہوائی جہاز سے بمبئی کیلئے روانہ ہوئے، بمبئی میں تبلیغی جماعت کے خاص کارکن افتخار فریدی صاحب پہلے سے مقیم تھے انھوں نے قیام اور ضروری امور کا انتظام کر رکھا تھا اور ان کی موجودگی اور تعلقات سے بہت سہولت حاصل ہوئی، حضرت بہت ممنونیت کے ساتھ اس کا تذکرہ فرماتے تھے۔

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ کو یہ راقم سطور مع اپنے عزیز رفقاء مولوی عبداللہ صاحب ندوی، مولوی سید رضوان علی ندوی، مولوی محمد طاہر منصورپوری، مولوی محمد رابع ندوی اور محمد ناظم صاحب دیوبندی مرحوم کے ساتھ اس قافلہ میں شامل ہوگیا(۲)۔ رائے پور کے راؤ صاحبان کے علاوہ فیض آباد کے عبداللطیف خاں، علاء الدین، بہٹ کے ممتاز اور بریلی کے حکیم عبدالرشید صاحب بھی شریک قافلہ تھے، حضرت نے ازراہ شفقت آزاد صاحب کو بھی جو بمبئی تک پہنچانے آئے تھے اپنے ہمراہ لے لیا تھا،

---

(۱) اس کا ایک محرک قوی یہ تھا کہ حضرت اپنے ساتھ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو بھی لیجانا چاہتے تھے اور ان کو بحری سفر میں سخت تکلیف ہوتی تھی، اس بنا پر ہوائی جہاز کا سفر طے کیا گیا تھا۔

(۲) راقم سطور کا یہ سفر حضرت شیخ الحدیث کی صاحبزادی مرحومہ کے حج بدل میں تھا۔

۲۰ ر ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ یوم دوشنبہ (مطابق ۴ر ستمبر ۱۹۵۰ء) کی شام کو اسلامی جہاز روانہ ہوا حضرت مع مولوی عبدالمنان صاحب کے فرسٹ کلاس کے خصوصی کیبن میں تھے، ساتھ ہی لائبریری کا وسیع ہال تھا، جہاں پانچوں وقت باجماعت نماز ہوتی حضرت جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے اور اکثر وہیں نشست ہوتی، پورے سفر میں (جب کہ بعض رفقا جن میں یہ راقم سطور بھی تھا بہت بیمار رہے) حضرت بہت اچھے رہے حسب معمول ہوا خوری کیلئے نکلتے، غذا بھی ہوتی، بحری سفر اور جہاز کا طبیعت مبارک پر کوئی اثر نہ تھا، صرف ایک دو دن حرارت کی وجہ سے غفلت رہی جس سے خدام بہت پریشان رہے مگر بحمد اللہ جلد افاقہ ہو گیا۔

جہاز کو مکلا سے حجاج لینے تھے، اس لئے بخلاف معمول ۲۶ ر ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ یوم یکشنبہ (۱۰ ر ستمبر) کی صبح کو وہ مکلا ٹھہرا، چوبیس گھنٹے کے قیام کے بعد جہاز پانچسو حجاج کو وہاں سے لے کر روانہ ہوا اور ۳ ر ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ یوم شنبہ ۱۶ ر ستمبر کی صبح کو جدہ پہنچا، ہندستانی قونصل جنرل مولانا عبدالمجید حریری[1] جہاز پر استقبال کے لئے موجود تھے، ان سے بڑی سہولت حاصل ہوئی، جدہ کے ایک بڑے میمنی تاجر حاجی عبدالقادر نوروی کو ان کے اعزا نے بمبئی سے حضرت کی آمد کی اطلاع دے دی تھی وہ موٹر لانچ لے کر حاضر ہوئے اور بندرگاہ پر اتار کر سیدھے اپنے مکان واقع شارع قابل لیگئے، دو ایک ہمراہیوں کے ساتھ شب میں انھیں کے یہاں قیام ہوا لیکن چونکہ بقیہ ساتھی علحدہ تھے، اس لئے حضرت نے انھیں کے پاس جانے پر اصرار فرمایا اور ان کے پاس حجاج منزل میں منتقل ہو گئے۔

جدہ میں مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی جو حجاز کی تبلیغی جماعت کے امیر و

---

(۱) مولانا عبدالمجید حریری بنارسی بڑے ذی علم فاضل اور ادیب و عالم ہیں۔ حضرت سے عقیدت رکھتے تھے

ذمہ دار تھے، بندرگاہ سے ساتھ ہو گئے تھے، ان سب حضرات کی معیت میں قافلہ اگلے ہی روز قبیل مغرب مکۂ معظمہ حاضر ہوا، سامان مدرسہ صولتیہ میں رکھا، بعد مغرب طواف وسعی سے فراغت کی، حضرت نے طواف وسعی پیدل ہی کی، ایک شب مدرسہ فخریہ میں قیام کیا، پھر مولانا سلیم صاحب کی تجویز کے مطابق باب باسطیہ پر شیخ حمزہ کتبی کے اس مکان میں تشریف لے گئے جو مولانا نے حضرت اور آپ کے چند ہمراہیوں کے لئے کرایہ پر لے لیا تھا۔

۸ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ (۲۱ ستمبر ۱۹۵۰ء یوم پنجشنبہ) کو منیٰ گئے، سلیمان ہاشم مرحوم معلّم تھے (جو بالعموم تبلیغی جماعت کے معلم رہا کرتے تھے اور ان کے والد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے سفرِ حج کے بھی معلم تھے) انھیں کا انتظام تھا اور وہ حضرت کا بڑا احترام کرتے تھے اور خادمانہ معاملہ فرماتے تھے۔

۹ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ (۱۲ ستمبر ۱۹۵۰ء جمعہ) کو عرفات کا وقوف گرمی کی شدت کے باوجود خیریت سے گزرا، حضرت اور رفقاء خیمہ میں ذکر و دعا میں مشغول رہے رفقاء کے دل کو بڑی طمانیت و تقویت تھی کہ وہ اللہ کے ایک مقبول و مخلص بندہ کے ساتھ ہیں اور اس کی طرف الطاف الٰہی کے جو جھونکے متوجہ ہوں گے ان سے وہ قاصر الہمت بھی محروم نہ رہیں گے، کہ اولٰئک قوم لا یشقی بھم جلیسھم۔(۱)

عرفات میں ایک عجیب لطیفہ غیبی اور آیت الٰہی کا ظہور ہوا، گرمی کی شدت اور حالات کے اس ہمہ گیر تغیر کی وجہ سے جس سے دنیا کا کوئی گوشہ مستثنیٰ نہیں، حجاج کی کثیر تعداد غفلت اور تفریح طبع میں مشغول تھی، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ توبہ و انابت و رجوع الی اللہ

---

(۱) یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والے بھی محروم نہیں رہتے۔

کی کیفیت میں کچھ محسوس کمی اور غفلت معلوم ہوتی تھی، اللہ تعالے کی رحمت مطلق نے جو اس عظیم و عزیز مجمع کو محروم نہیں دیکھنا چاہتی تھی اس غفلت کے ازالہ اور اس کوتاہی کی تلافی کا عجیب سامان کیا جس سے عقل حیران اور عقلاء انگشت بدنداں رہ گئے اور وہ غفلت آن کی آن میں اس طرح دور ہوئی اور سارے مجمع پر خشیت و انابت اور رقت و تضرع کی ایسی فضا چھا گئی جو کسی وعظ و تاثیر اور انسانی تدبیر سے ممکن نہ تھی۔

اچانک آندھی آئی، افق سے ابر اٹھا اور دیکھتے دیکھتے ایسے زور کی ژالہ باری ہوئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، خیمے لوگوں پر گر گئے، رونے والوں کی چیخیں نکل گئیں، ہمارے معلم (سلیمان ہاشم) دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، ایک حشر کا منظر تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب انابت کی ایک عام فضا پیدا ہو گئی اور آنکھوں نے اشک باری اور دلوں نے اضطراب و اضطرار کی وہ مقدار چند لمحوں میں پوری کر دی جو پورے دن کے وقوف و قیام میں نہیں ہوئی تھی تو اچانک مطلع صاف ہو گیا اور تھوڑی دیر کے اولے اور پانی کا چھینٹا وہ کام کر گیا جو بیسیوں دینی ادارے اور واعظین اور سحر انگیز مقررین کی منظم جماعتیں نہیں کر سکتی تھیں وما یعلم جنود ربک الا ھو۔

حاجی فضل الرحمن صاحب کہتے ہیں کہ حضرت افق کی طرف دیکھتے رہے، اس وقت تک آسمان صاف تھا، اچانک آپ نے محسوس کیا اور لاری میں آکر بیٹھ گئے اسکے بعد ہی یہ طوفان اٹھا اور دیکھتے دیکھتے اپنا کام کرکے نکل گیا۔

عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منیٰ واپسی ہوئی، منیٰ سے تیسرے روز پہلے لاری سے کچھ دور روانہ ہوئے، پھر جب لاریاں رکیں، تو حضرت اتر آئے اور بقیہ ۳-۴ میل پاپیادہ چل کر مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔

اس سال کی ایک خصوصیت جس کو الطاف خداوندی میں شمار کیا جا سکتا ہے جو ایک مقبول و مخلص بندہ کی وجہ سے نصیب ہوی یہ تھی کہ شیبی صاحب (کلید بردار خانۂ کعبہ) نے جن سے پہلے سے کوئی تعلقات نہ تھے اس سفر کے ایک ہمراہی کو خود خانہ کعبہ کے داخلے کی دعوت دی اور اسکی اجازت دی کہ جن لوگوں اور ہمراہیوں کو وہ ساتھ لانا چاہیں لائیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت کی ضیافت تھی، اس صلائے عام سے پورا فائدہ اٹھایا گیا اور نہ صرف قافلے کے ہمراہیوں نے بلکہ بہت سے دوسرے احباب اور غیر متعلق ساتھیوں نے بھی نہایت اطمینان کے ساتھ کسی ناجائز و مکروہ وسیلہ (بخشش وغیرہ) کو اختیار کئے یا کشمکش و مزاحمت کے بغیر داخلہ کا شرف حاصل کیا اور اطمینان سے جوف کعبہ میں نوافل پڑھے بعض ساتھی چونکہ رہ گئے تھے دوسرے دن شیبی صاحب نے ازراہ کرم دوبارہ اجازت دی اور انتظام کیا اور پھر حضرت کی معیت میں دوبارہ داخلہ ہوئی اور اطمینان سے نوافل و دعا کا موقع ملا اور اس طرح سے ضعفا اور نااہل بھی اس شرف سے سرفراز ہوئے۔

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

بعض رفقائے سفر و خدام جو اس سے پہلے بھی مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے اور اس کے بعد بھی متعدد بار ان کو یہ شرف حاصل ہوا لیکن کبھی اس سہولت اور خوبی کے ساتھ داخلے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کو حضرت کے اس سفر کی برکت اور اللہ تعالیٰ کا انعام خصوصی سمجھتے ہیں۔

مکہ معظمہ میں بقیہ دن قیام مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل کے ایک حصہ پر تھا، اگرچہ راستہ پیچ و خم کا اور دراز تھا مگر حضرت اس وقت تک اتنی مشقت برداشت فرمالیا

کرتے تھے، عصر سے عشاء تک حرم شریف کے اندر باب الزیادہ کے سامنے اور میزاب رحمت کے مقابل گزرتا، مغرب کے بعد طواف کا معمول تھا، تبلیغی جماعت کے بیٹھنے کی جگہ پر نشست رہتی، گرمی کے وقت اور دوپہر میں اس خلوہ میں تشریف رکھتے جو مولانا سلیم صاحب نے لے رکھا تھا، اس کی وجہ سے حرم شریف میں نمازوں کے ادا کرنے میں بڑی سہولت ہوتی تھی۔

مکہ معظمہ میں بعض عمائد و علماء بھی ملے، اس سال دمشق کے ایک مشہور عالم اور طریقہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ کے ایک شیخ جو شام میں ایک بڑے حلقہ کے مرجع و مرشد ہیں شیخ احمد کفتارو بھی آئے ہوئے تھے، انھوں نے راقم سطور سے ایک روز فرمایا کہ میں تمہارے شیخ سے ملنا چاہتا ہوں اور تنہائی میں اپنے کچھ حالات اور سلوک سلسلہ کی بعض مشکلات عرض کرنا چاہتا ہوں، میں نے اس مجلس کا انتظام کیا، انھوں نے بعض چیزیں دریافت کیں، حضرت نے ان کا جواب دیا، جس سے ان کی تشفی ہوئی۔

یکم محرم الحرام ۱۳۷۰ھ یوم شنبہ (۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء) کو جدہ سے ہوائی جہاز کے ذریعہ مدینہ طیبہ حاضری ہوئی، بیس روز قیام رہا، قیام مدرسہ علوم شرعیہ میں تھا، مولانا سید محمود صاحب(۱) بڑی خصوصیت سے ملتے رہے، ایک روز اپنے باغ میں جو مسجد قبلتین کے قریب ہے مدعو فرمایا اور ناشتہ کی دعوت دی، ایک روز مکان پر ضیافت فرمائی، مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں بھی حضرت نے شرکت فرمائی، مولانا عبدالغفور صاحب نقشبندی اور بعض صلحاء و مشائخ بھی ملتے رہے۔

مدینہ طیبہ میں حضرتؒ کا معمول تھا کہ مسجد نبوی میں داخل ہو کر بہت ہی خاموشی کے

---

(۱) برادر اصغر مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور سرپرست مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ

ساتھ ایسی جگہ بیٹھ جاتے جہاں جاننے پہچاننے والے نہ ہوں، وہاں دیر تک خادمانہ مؤدبانہ حاضر رہتے، پھر اٹھ کر قیام گاہ پر تشریف لے آتے، خدام کو بعض اوقات اس اداکی وجہ سے حضرت کو اس وسیع و معمور مسجد میں تلاش کرنا پڑتا۔

۱۶ر محرم الحرام ۱۳۷۰ھ یکشنبہ (۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۰ء) کو مدینہ طیبہ سے جدہ واپسی ہوئی، وہاں سے ایک شب کے لئے بغرض عمرہ مکہ معظمہ حاضر ہوئے، عمرہ کے مناسک ادا کئے، حضرت نے شیخ الحدیث کی جانب سے عمرہ کیا، ایک شب کے قیام کے بعد جدہ واپسی ہوئی۔

۲۰ر محرم الحرام ۱۳۷۰ھ (مطابق ۲ر نومبر ۱۹۵۰ء پنجشنبہ) کو محمدی جہاز سے روانگی ہوئی، جہاز میں ڈیلکس کیبن مل گیا تھا، جس میں حضرت کو بہت آرام[1] ملا۔ اسی جہاز پر مولانا محمد شفیع صاحب بجنوری بھی ہندستان واپس ہو رہے تھے، حضرت کو ان کا بڑا خیال تھا، وہ عرشہ پر تھے، سردی اور ہوا کی بہت تکلیف تھی، حضرت نے حاجی فضل الرحمٰن خاں کو اشارہ کیا، اور انھوں نے مولانا کو اپنی جگہ اپنے کیبن میں ٹھہرا دیا، مولانا بڑے خوش ہوئے اور بڑی دعائیں دیں۔

۲۸ر محرم الحرام ۱۳۷۰ھ جمعہ (۱۰ر نومبر ۱۹۵۰ء) کو بمبئی پہنچے، اہل بمبئی کے اصرار پر چند روز قیام منظور فرمالیا، وہاں سے بعض مخلصین آپ کو پونہ، سورت اور ڈابھیل لے گئے، وہاں سے بمبئی تشریف لائے اور ۹ر صفر ۱۳۷۰ھ دوشنبہ (۲۰ر نومبر ۱۹۵۰ء) کو ہوائی جہاز سے بمبئی سے روانہ ہو کر دہلی تشریف لائے، وہاں سے ۱۱ر صفر ۱۳۷۰ھ (۲۲ر نومبر ۱۹۵۰ء چہارشنبہ کو سہارنپور پہنچ گئے، دو روز قیام فرما کر ۱۴ر صفر ۱۳۷۰ھ (۲۵ر نومبر ۱۹۵۰ء شنبہ) کو بہٹ ٹھہرتے ہوئے اپنے مستقر رائے پور تشریف لے آئے۔

---

(۱) واپسی میں راقم سطور کو معیت کا شرف حاصل نہیں ہوا، میں حجاز میں ٹھہر گیا تھا۔

پاکستان کا آخری سفر، اور سفرِ آخرت

فقیرانہ آئے صدا کر چلے　　میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم　　سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے
(میر تقی میرؔ)

رائے پور کا آخری قیام

فروری ہی میں رائے پور تشریف لے آئے اور وہاں کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آئی، اس مرتبہ قیام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قدیم قیام گاہ میں تجویز ہوا جس کو کوٹھی کے نام سے یاد کرتے ہیں، چونکہ وہ مدرسہ کی ملکیت اور وقف ہے حضرت نے اس کا کرایہ تشخیص کروایا اور دس روپیہ ماہوار کرایہ پر قیام منظور فرمایا، کوٹھی کے آس پاس چھپر ڈال دیئے گئے، حضرت کی بیرونی نشست کیلئے پھونس کی ایک بڑی چھت ڈال دی گئی اور ضروری انتظامات مکمل ہو گئے۔

چند دن کے بعد ماہ مبارک آگیا اور رونق دوبالا ہو گئی، مولوی عبدالمنان صاحب دہلوی نے مسجد میں قرآن سنایا، مہمانوں کا خاصہ مجمع ہو گیا، آخر رمضان میں حضرت شیخ الحدیث بھی تشریف لے آئے، اس رمضان کے بعد سے اگلے رمضان (۱۳۸۱ھ) تک

رائے پور ہی میں قیام رہا۔

آخری رمضان اور آخری سفر پاکستان

رمضان ۱۳۸۱ھ (فروری ۱۹۶۲ء) رائے پور میں ہوا، اس سے پہلے حضرت کے شدید اصرار پر شیخ کا یہ معمول ہو گیا تھا، کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر رائے پور تشریف لے جاتے، دوشنبہ کو واپسی ہوتی، رمضان میں چونکہ ہر ہفتہ آنا جانا مشکل تھا اس لئے یہ قرار پایا کہ نصف رمضان یہاں ہو، نصف رمضان رائے پور میں، ۱۷ ر رمضان ۱۳۸۲ھ کو حضرت شیخ الحدیث رائے پور تشریف لے آئے، قرآن مجید مولوی عبد المنان صاحب دہلوی کے فرزند مولوی حافظ فضل الرحمن نے سنایا، مولانا عبد العزیز صاحب گنگھلوی بھی رمضان سے پہلے سے تشریف لے آئے تھے، شاید کسی کو اس کا احساس ہو کہ یہ حضرت کا آخری رمضان ہے اور اب نہ صرف رائے پور سے بلکہ اس عالم فانی سے کوچ کے دن قریب آگئے ہیں۔

عصر سے لے کر مغرب سے کچھ پیشتر تک کتاب پڑھنے کا سلسلہ جاری تھا حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات (مطبوعہ الفرقان) ہو رہے تھے، مہمانوں کا ہجوم تھا، مجمع برابر بڑھ رہا تھا، عید کی نماز حضرت نے مسجد میں آزاد صاحب کی اقتدار میں ادا فرمائی، نماز کے بعد جب حضرت کو کرسی پر بٹھا کر شیخ کے مزار پر لے گئے تو عجب منظر تھا، زبان حال کہہ رہی تھی

انتم لنا سلف ونحن لکم خلف وانا إن شاء اللہ بکم لاحقون ہ

مولانا حافظ عبد العزیز صاحب کے خانقاہ میں قیام کا فیصلہ

حضرت کو ہمیشہ سے یہ فکر تھی کہ خانقاہ اور مدرسہ کا سلسلہ میرے بعد بھی جاری رہے، اس کیلئے کئی بار مشورے بھی ہوئے اور مختلف تجویزیں مختلف اوقات میں سامنے بھی آئیں لیکن کوئی تجویز اطمینان بخش طریقہ پر نہیں چل سکی، اسی سلسلہ میں آخری رمضان سے پیشتر

مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب کو پاکستان سے بلایا گیا، مولانا اوپر کی منزل میں تشریف رکھتے تھے اور حسبِ معمول رمضان کے اشغال میں عالی ہمتی سے مشغول تھے، رائے پور کی اس خانقاہ کو آباد رکھنے کے لئے کسی موزوں شخصیت کے انتخاب و تعین کی ضرورت تھی، مولانا عبدالعزیز صاحب[1] حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ کے حقیقی نواسہ اور اسی خاندان والاشان کے چشم و چراغ ہیں، عالم صالح متشرع اور ذاکر شاغل ہیں حضرت ہی سے بیعت و اجازت ہے اور حضرت ہی کے دامن عاطفت میں تربیت پائی ہے اہل رائے پور اور قرب و جوار کے مسلمان ان سے خوب واقف و مانوس بھی ہیں اور وہ اپنے خاندانی تعلق، قرابت قریبہ اور وجاہت سے اس شیرازہ کو مجتمع و مربوط رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں، حضرتؒ نے ان کو رائے پور میں قیام کے لئے تجویز فرمایا اور رمضان کے بعد شوال (۱۳۸۲ھ) کا پہلا ہفتہ تھا، غالباً ۵۔۶ رشوال کی تاریخ تھی، حضرتؒ کے ارشاد سے حضرت شیخ الحدیث نے جو تشریف رکھتے تھے متعلقین خانقاہ کے ایک مجمع میں اعلان فرمایا

---

(۱) مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب چودھری تصدق حسین خاں صاحب رئیس گمتھلہ کے صاحبزادے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے حقیقی نواسہ ہیں ۱۹۰۵ء میں ولادت ہوئی حضرت ہی کی حیات میں قرآن شریف حفظ کرلیا تھا اور محراب بھی رائے پور میں سنادی تھی، اول سے آخر تک مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم پائی اور ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں دورۂ حدیث میں شریک ہوئے، حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کی توجہ خصوصی اور تربیت میں ذکر و سلوک کے منازل طے کئے اور اجازت پائی، ۱۹۴۷ء کے پرآشوب زمانہ میں ہمت و عزیمت کے ساتھ مشرقی پنجاب میں حالات کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کی تقویت کا ذریعہ بنے، پھر جب اس علاقہ کا سرکاری طور پر انخلا ہوا تو اپنے پورے قافلہ کے ساتھ عزت و حرمت کے ساتھ پاکستان تشریف لے گئے اور شہر سرگودھا میں اقامت اختیار کی، أطال اللہ بقاءہ و نفع بہ،

کہ "حضرت نے حافظ صاحب کو یہاں قیام کے لئے تجویز فرمایا ہے اور حافظ صاحب نے اس کو قبول بھی فرمالیا ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے ہمیں تو بڑا فکر ہو رہا تھا کہ یہاں یہ سلسلہ ختم ہو ہوا جائیگا، اللہ کا شکر ہے اور امید ہے کہ یہ جگہ آباد اور یہ سلسلہ قائم رہے گا۔"(۱)

پاکستان کے سفر کی اطلاع اور آنے والوں کا ہجوم

پورا سال پاکستان کے سفر سے خالی گیا تھا، وہاں کے اہل تعلق دید کے مشتاق اور زیارت و صحبت کیلئے بے چین و مضطرب تھے، سفر کے لئے سلسلہ جنبانی عرصہ سے ہو رہی تھی، مولانا عبدالجلیل صاحب و مولانا عبدالوحید صاحب اس مقصد کیلئے رمضان ہی سے مقیم تھے، ادھر سفر پاکستان کا ایک نیا محرک و داعیہ پیدا ہو گیا، حضرت کے حقیقی چھوٹے بھائی حافظ محمد خلیل صاحب (والد مولانا عبدالجلیل صاحب) عرصہ سے علیل تھے، تپ محرقہ کا شبہ تھا اور علالت کے امتداد سے بہت ضعف ہو گیا تھا اور خود حافظ صاحب زندگی سے مایوس سے تھے، انھوں نے یہ آرزو ظاہر کی کہ میں تو سفر کے قابل نہیں ہوں اگر حضرت تشریف لے آئیں تو اور خدام کی بھی آرزو بر آئے گی اور میں بھی زیارت کر لوں گا، حضرت کا اصول عام مخلصین کے بارے میں ہمیشہ یہ رہا کہ :-

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اور یہ تو حقیقی تنہا بھائی کی تمنا تھی، حضرت کی طبیعت میں پاکستان کے سفر کا تقاضا پیدا ہو گیا، رمضان سے پہلے ہی قرب و جوار میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ حضرت رمضان کے بعد پاکستان تشریف لے جائیں گے اور اسی وجہ سے رمضان میں آنے والوں کا ہجوم رہا، رمضان بعد تو عقیدت مند چاروں طرف سے پروانوں کی طرح امنڈ آئے، ہزاروں آدمیوں کو خیال

(۱) عبارت بلفظہا روایت حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ

تھا کہ حضرت اس عمر میں اور ضعف میں پاکستان تشریف لے جا رہے ہیں تو معلوم نہیں دوبارہ دیدار پھر نصیب ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اطراف و نواح اور دور و نزدیک کوئی شخص پکار آیا ہے کہ حضرت تشریف لے جا رہے ہیں جس کو زیارت کرنی ہو اور بیعت کا شرف حاصل کرنا ہو وہ جلدی کرے ورنہ ساری عمر حسرت رہ جائے گی، لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج آرہے تھے، آنے والوں کا ایک سیلاب تھا جو ختم ہونے کو نہیں آتا تھا، ملے تو دستاروں اور چادروں کو تھام کر لوگ بیعت و توبہ کے الفاظ ادا کرتے اور داخل سلسلہ ہوتے، پھر کثرت ہجوم سے یہ بھی ممکن نہیں رہا، مجمع بٹھا دیا جاتا، الفاظ کہلوانے والے اور آواز پہونچانے والے جمعہ و عیدین کے مکبرین کی طرح جا بجا کھڑے ہو جاتے اور توبہ کے الفاظ کہلواتے اور مجمع کا مجمع بیعت سے مشرف ہو جاتا، ایک خادم لکھتے ہیں:۔

"اطراف کے لوگوں، عورتوں اور مردوں کا بے شمار مجمع ہونے لگا، صبح سے جو شروع ہوتا تو شام کو ختم ہوتا، ہر روز دوسرے روز سے زیادہ مجمع ہوتا، جو حضرت کی زیارت کے لئے بے تاب نظر آتا، حضرتؒ کی عجب شان نظر آتی مسکراتے ہوئے کبھی باہر آرہے ہیں کبھی اندر، سیکڑوں بندگانِ خدا ایک ساتھ بیعت ہوتے، جہاں تک قابو کا مجمع ہوتا سروں سے لوگ صافے اتار کر دیدیتے اور وہ دُور دور تک جال کے مانند پھیل جاتے، بیعت کے وقت لوگ پکڑ لیتے اور جب مجمع قابو سے باہر ہوتا تو عورتیں ایک طرف، مرد ایک طرف بٹھا دیے جاتے، خدا کی زمین چادر ہوتی اور صرف زبانی بیعت کے الفاظ کہلائے جاتے دو دو چار چار کبھی پانچ پانچ چھ چھ مکبر کی طرح بیعت کے الفاظ چلا چلا کر کہلانے والے ہوتے تھے، کبھی کبھی مجھ سیاہ کار کو بھی یہ شرف حاصل ہوا، خدا کی قسم

بعض وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی بجلی تھی جو کوند گئی، دل لرز جاتا کیفیت کچھ اور ہو جاتی، حافظ عبدالرشید صاحب عموماً بیعت کراتے تھے اگرچہ حسب ضرورت مکبر ہوتے تھے مگر ان کا گلا صبح سے شام تک بیٹھ جاتا تھا،

بیعت کے بعد لوگوں کے دلوں میں حضرتؒ کی زیارت کی خواہش اور شوق اس قدر موجزن ہوتا، کہ اہل خانقاہ کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا، اہل اشتیاق کا جم غفیر جب حرکت میں آتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ برسات کے موسم میں کسی شمع پر پروانوں کا ہجوم ہے، مجمع اتنا ہوتا کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر سب کی نظر پڑنی مشکل تھی، جو بیچارے رہ جاتے تھے اور حضرت کی چارپائی اندر چلی جاتی تھی تو بے تاب دوسرے وقت کے انتظار میں بیٹھے رہتے، ہر تھوڑی دیر کے بعد چارپائی باہر لائی جاتی اور زیارت کا شرف حاصل کرنے والے اپنی آرزو پوری کرتے۔

شروع شوال سے وسط شوال تک آنے والوں کا یہ سیلاب جاری رہا، خانقاہ آنے والے ہر راستہ اور ہر سڑک پر، مشرق، مغرب، شمال، جنوب ہر طرف سے آنے والوں کا ہجوم تھا، ان میں اچھی خاصی تعداد ہندو عورتوں اور مردوں کی بھی ہوتی تھی، وہ بھی سب کے ساتھ کلمہ پڑھتے تھے، غالباً حضرتؒ کی اجازت سے حافظ عبدالرشید صاحب آخر کو یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم نے سب ہندو بھائیوں بہنوں کا سلام حضرت سے کہہ دیا اور دعا کے لئے بھی عرض کر دیا اب لوگ جب بیعت ہوتے تھے تو وہ لوگ بھی اسی عقیدت و محبت کے ساتھ سب کے ساتھ ہوتے تھے اور شوق زیارت میں وہ بھی بے چین نظر آتے تھے، میں نے

ایک ہندو عورت کو دیکھا کہ جب اسکی نظر حضرت کے چہرہ پر پڑی تو وہ فرطِ محبت میں رو پڑی۔

حضرت کے پاکستان جانے والی تاریخ سے ایک روز قبل جمعہ کے دن تو اس قدر آمد شروع ہوئی کہ ہر دن سے بڑھ گئی[1]، اس قدر مجمع جمع ہو گیا کہ حضرت کی چارپائی خانقاہ اور مدرسہ کے درمیان میدان میں لائی گئی، سارا مجمع بے تاب زیارت نظر آتا تھا، پانچ چھ سے اوپر مکبّر بیعت کے الفاظ چلا چلا کر کہہ رہے تھے، جمعہ کی نماز میں ساری خانقاہ، باغ، کھیت وغیرہ بھرے نظر آرہے تھے، جمعہ کے بعد سارا مجمع اکٹھا ہوا اور مسجد والے بھی آنے لگے تو خانقاہ کی حد تک جدھر نظر اٹھاؤ آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، حضرت کی چارپائی باہر لائی گئی اور ذکر کرنے والوں کے چھپر سے ملا کر رکھی گئی، جتنے مکبروں کی ضرورت تھی وہ مقرر ہو گئے اور سارا مجمع بیعت ہوا، جب مجمع زیارت کے لئے حرکت میں آیا تو چند آدمیوں نے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چارپائی کے گرد مضبوط حلقہ قائم کر لیا، اللہ اللہ کر کے سارا مجمع بیعت سے فارغ ہوا

سفر کا التوا ڈاکٹروں کے حکم سے حضرت کی چارپائی اندر چلی گئی اور معلوم ہوا کہ مجمع کی زیادتی کے سبب سے بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے، دفعتًا اعلان ہوا کہ آپ سب لوگ اپنے اپنے گھر واپس جائیں، حضرت اب سفر نہ فرمائیں گے، سفر ملتوی ہو گیا ہے، اب اطمینان سے آتے رہنا، معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے اس حال میں سفر کرنے کا مشورہ نہیں دیا، لوگ اعلان کرتے رہے، مولانا محمد منظور

(۱) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی فرماتے ہیں کہ انھیں دنوں میں نے ایک روز صرف بیل گاڑیاں شمار کیں تقریبًا سو زائد تھیں

صاحب نعمانی نے بھی اعلان کیا مگر سب مجمع منتشر نہ ہوا، مغرب بعد اندھیرے تک حضرتؒ کے کمرہ کی جالی سے زیارت کرتے رہے، پاکستانی احباب کے علاوہ سارے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔(۱)

دوبارہ پاکستان کا قصد حضرتؒ کے سفر کے التوا کی خبر مشہور ہو گئی اور ہندوستان کے اہل تعلق کو ایک گونہ اطمینان ہو گیا، یہ التوا حضرتؒ کے معالج ڈاکٹر فرحت اور اطباء کے مشورہ اور درخواست سے ہوا تھا اور حضرتؒ نے حسب معمول معالجین کا مشورہ قبول فرما لیا تھا، تقریباً ایک مہینہ سفر کا التوا رہا لیکن سفر و التوا سفر اور ہندوستانی اور پاکستانی خدام و اہل تعلق کے جذبات کی کشمکش چلتی رہی، خود حضرتؒ کی طبیعت میں پاکستان جانے کا رجحان اور تقاضا تھا اور متعدد احباب سے اس تقاضے کا اظہار بھی فرمایا تھا، بالآخر جب مقامی خدام اور مخلصین نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ خود حضرتؒ کا رجحان سفر کی طرف ہے اور اب وہ عارضی مانع (بلڈ پریشر کا اچانک بڑھ جانا) بھی ایک کاوٹ نہیں رہا تو انھوں نے حضرتؒ کی اس خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، حضرتؒ نے انکو بار بار اطمینان دلایا کہ بھائی سے مل کر اور احباب و اہل تعلق کی خواہش پوری کر کے جلد تشریف لے آئیں گے، صرف اس وعدہ ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ مولانا عبد العزیز صاحب گمتھلوی سے فرمایا کہ تم ہمارے لانے کے ذمہ دار رہو، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت مولوی عبد الجلیل صاحب سے فرما دیں کہ وہ اس میں مانع نہ آئیں، حضرتؒ نے ان سے بھی فرمایا اور انھوں نے اس کا وعدہ کیا۔

پاکستان کا سفر اس مرتبہ اس کا خاص اہتمام رکھا گیا اور احتیاط کی گئی کہ پاکستان کے سفر

---

(۱) تحریر محمد انیس اعظمی۔

کی اطلاع مشہور نہ ہونے پائے، اور اچانک رائے پور سے سہارنپور روانگی ہو، پھر بھی شدہ شدہ خبر کچھ نہ کچھ پھیل گئی، یہ فیصلہ اس عجلت میں ہوا کہ جنرل شاہ نواز خاں کے سیلون کا انتظام جو اس سے پہلے ہوا تھا نہ ہو سکا، صرف کمپارٹمنٹ ریزرو کرالئے گئے، ۳۰ر اپریل ۱۹۶۲ء کو سہارنپور اسٹیشن سے روانگی ہوئی، احتیاط و اہتمام کے باوجود شائقت (اور آخری زیارت) کرنے والوں کا بڑا مجمع ہو گیا جو صرف حضرت شیخ الحدیث کی ڈانٹ اور ممانعت کی وجہ سے قابو میں رہ سکا، ۲۴ر ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ دوشنبہ (۳۰ر اپریل ۱۹۶۲ء) کو حضرت پاکستان روانہ ہو گئے، بہت کم لوگوں کو اس کا اندازہ ہو سکا کہ یہ سفر دراصل سفر آخرت کی تمہید ہے اور اب سہارنپور و رائے پور حضرتؒ کے قدوم اور وجود سے مشرف نہیں ہو سکیں گے۔

حضرتؒ کی تشریف آوری کی خبر سے پاکستانی احباب میں مسرت اور زندگی کی لہر دوڑ گئی اور گویا سوکھے دھانوں پانی پڑا۔ ۲۵ر ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ سہ شنبہ (یکم مئی ۱۹۶۲ء) کو آپ لاہور پہونچے، عام اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے استقبال کرنے والوں کا مجمع زیادہ نہ تھا، قیام حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر ہوا، اہل تعلق سارے پاکستان سے کھنچ کھنچ کر جمع ہونے لگے۔

لاہور کا قیام اور زندگی کے آخری ایام

لاہور پہنچنے کے بعد تقریباً دو مہینے طبیعت اور صحت کی حالت غنیمت رہی، نظام الاوقات حسب معمول جاری رہا، چند چیزوں میں کچھ تبدیلی تھی۔

خاموشی معمول سے زیادہ تھی لیکن تلقین و تربیت علیٰ حالہ قائم، رقت سے طبیعت بھرپور تھی، اس سے پیشتر زمانہ میں آپ پر جب کبھی رقت ہوتی تو آپ ضبط فرماتے اور آنسو نکل نہ پاتے، لیکن اس مرتبہ آپ رقت سے بے اختیار

ہو جاتے اور آنسو بہہ پڑتے، آنکھیں اکثر پرنم رہتیں"(1)

تعلق و شفقت میں اضافہ خدام و اہل تعلق سے محبت و شفقت میں اضافہ تھا، بعض مرتبہ کسی خادم کا خط آیا تو کئی کئی بار سنا اور رقت طاری ہو گئی، اپنے شیخ و مرشد کی یاد بہت غالب تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیمانۂ صبر لبریز ہے۔

"ایک دن عصر کی مجلس میں آزاد صاحب نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب گرامی سنایا جو آپ نے شاہ زاہد حسن صاحب کو مقدمہ میں ناکامی پر تسلی و تشفی کے لئے لکھا تھا اور صبر و رضا کی تلقین فرمائی تھی، خط کا آغاز اس شعر سے تھا۔

از قضا آئینہ چینی شکست

خوب شد اسباب خودبینی شکست

حضرت نے پوری خاموشی کے ساتھ سارا خط سماعت فرمایا، خط کے آخر میں آزاد صاحب نے "از احقر عبدالرحیم، رائے پور" پڑھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی"(2)

مواعظ کا دور اور اس پر رقت اس مرتبہ ساڑھے تین ماہ لاہور میں قیام رہا، عصر کی مجلس میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مجموعہ مواعظ (فیوض یزدانی) کا دور ہوتا، کتاب کے ختم ہونے کے ساتھ ہی پھر شروع کرنے کا حکم فرماتے تھے اس دوران میں صرف ایک مرتبہ مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی کا تلخیص و ترجمہ پڑھا گیا ورنہ مواعظ

(1 و 2) تحریر سید انور حسین زیدی نفیس رقم۔

حضرت شیخ چار پانچ مرتبہ ختم ہوئے، اکثر مقامات پر آپ کو رقت طاری ہو جاتی تھی، ایک مرتبہ خود بھی حضرت شیخ ؒ کے مجاہدہ و توکل کا واقعہ سنایا، سناتے وقت آواز بہت پست تھی، لوگوں کی بے تابی دیکھ کر آپ نے آزاد صاحب سے فرمایا کہ سنا دو، انھوں نے یہ واقعہ سنایا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔(۱)

اسی طرح ایک دن حضرت پر بہت رقت طاری تھی، عصر کی مجلس تھی، آزاد صاحب سے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ یہ پیران پیر کے وعظ ہیں، اور خوب اچھی طرح متوجہ رہیے، بعض عبارات کو دوبارہ پڑھواتے اور زبان مبارک سے خود بھی فرماتے کہ یہ پیران پیر ہیں، کئی بار بعض عبارتوں پر فرمایا "حق فرمایا" بالکل حق فرمایا، پھر آپ پر گریہ طاری ہو جاتا۔(۲)

صلحائے وقت سے تعلق و محبت

نفیس صاحب کہتے ہیں کہ مواعظ کے دوران میں بعض اہل اللہ کے مقام کا ذکر تھا، آپ نے فرمایا کہ اس مقام پر شیخ الحدیث اور مولانا یوسف صاحب ہیں آزاد صاحب کے سوا کسی نے یہ بات نہ سنی، ایک صاحب نے اٹھ کر کہا کہ حضرت ؒ نے جو فرمایا ہے ذرا بلند آواز سے سب کو سنا دیجیے، آپ نے آزاد صاحب سے فرمایا کہ سنا دو، جب حضرت شیخ الحدیث کا نام لیا گیا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی، نفیس صاحب راوی ہیں کہ ایک روز:۔

"میرے ایک دوست سید جلال شاہ صاحب نے جو پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کے مرید اور حضرت مولانا مدنیؒ کے شاگرد ہیں مجھ سے ذکر کیا کہ میرا کام رکا ہوا ہے اور تصفیۂ قلب پورے طور پر نہیں ہوا، میں انھیں حضرت کی خدمت میں لے آیا اور خلوت کا وقت لے لیا، حضرت بہت متوجہ ہوئے، بڑی بشاشت ظاہر فرمائی، اور

(۱ و ۲) تحریر سید انور حسین صاحب نفیس رقم۔

ان کے حالات سننے پر زور سے ہنسے، پیر حضرت مہر علی شاہ کے بارے میں فرمایا کہ میں انھیں بہت بڑا مانتا ہوں، ایسے لوگوں کو میری آنکھیں ترستی ہیں، اس پر بہت گریہ طاری ہوا اور آنکھیں اشک بار ہوگئیں"۔

"ایک دن عصر کے وقت حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے ایک مرید مولوی خدا بخش صاحب آئے، وہ بہت رو رہے تھے، حضرت سے دعا چاہی، خدام نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کے مرید ہیں، حضرت پر رقت طاری ہوئی اور فرمایا" وہ بہت اچھے گئے"۔ ایک شخص نے مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی اور کہا کہ میں مولانا احمد علی صاحب کا مرید ہوں، حضرت نے فرمایا مبارک ہو"۔[1]

ایک روز شام کے وقت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی[2] تشریف لائے نماز مغرب کے بعد حضرت کو لٹا دیا گیا، مولانا پاس بیٹھ گئے اور کچھ واقعات اپنے مشائخ کے سنانے لگے حضرت پر رقت طاری ہوگئی، پورا جسم حرکت میں آجاتا تھا"۔[3]

رقت و شوق کا غلبہ

رقت و شوق کا بہت غلبہ تھا، بزرگان دین کے واقعات بعض اوقات ان کا نام آنے، قرآن مجید سننے، کسی شوقیہ عشقیہ شعر کے پڑھے جانے، کسی خصوصی خادم کے ملنے پر بے اختیار گریہ غالب آجاتا،

"ایک رات تہجد کے وقت تقریباً دو بجے آپ بیدار ہوئے، چارپائی صحن سے برآمدہ میں لیجاتے تھے، قاری حسن شاہ صاحب بھی چارپائی کو اٹھائے ہوئے تھے کسی نے ان کا ویسے ہی نام لیا، حضرت نے فرمایا یہ اس وقت کچھ سناتے نہیں قاری

---

(۱) روایت سید انور حسین زیدی (۲) مولانا بڑے عالم اور محدث ہیں، بیعت حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دینپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، بھاول پور میں قیام ہے۔

(۳، ۴) سید انور حسین زیدی۔

صاحب نے پوری محبت واخلاص سے قرآن پاک کا ایک رکوع سنایا حضرت پر رقت ہوئی، تمام خانقاہ تلاوت کلام پاک سے گونج رہی تھی۔

جن دنوں غنودگی طاری ہوئی، مولانا عبدالعزیز صاحب گنتھلوی تشریف نہیں رکھتے تھے، سرگودھا گئے ہوئے تھے تشریف لائے تو حضرت کو افاقہ ہوچکا تھا، حضرتؒ سے مصافحہ کو بڑھے تو حضرت پر گریہ طاری ہوا اور پھوٹ پھوٹ پڑے، مولانا عبدالعزیز صاحب بھی وارفتہ ہوگئے اور رونے لگے (۱)۔

مولوی عبدالمنان صاحب دہلوی نے ایک روز یہ شعر پڑھا۔

اللہ اللہ ہے تو گویا جان ہے

ورنہ یارو جان بھی بے جان ہے

اس پر آپ کو بہت رقت ہوئی۔ ایک مرتبہ فرمائش کرکے بھی شعر سنا اور گریہ غالب ہوا (۲)۔

طالبین کی نگرانی اور پرداخت

اس ضعف و علالت کے زمانہ میں جب کئی کئی دن غنودگی طاری رہتی، طالبین کی نگرانی سے غافل نہیں تھے، وقتاً فوقتاً زیر تربیت خدام و طالبین کو طلب فرماتے اور ان کے اشغال و کیفیات کو دریافت فرماتے، ان حضرات سے فرداً فرداً فرمایا کہ "میں تو تمہارے لئے آیا ہوں۔"

وفات سے بیس روز پیشتر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی، اور کئی گھنٹے تک رہی، بعد میں افاقہ ہوگیا تو طبیعت مبارک پر بشاشت معمول سے زیادہ ہوگئی آپ نے بعض دوستوں کو بلایا اور ذکر کی بابت دریافت فرمایا کہ کتنا ذکر کرتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا تو حضرتؒ نے زور سے فرمایا "لاحول ولا قوۃ

---

(۱) روایت مولانا عبدالوحید صاحب۔ (۲) روایت مولوی عبدالمنان صاحب دہلوی

الا باللہ ہے" محفل پر سناٹا طاری ہوگیا، پھر فرمایا "بہت سے لوگ ہیں جو اپنے کو کامل سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ کچھ بھی نہیں"

تبلیغ و اصلاح کا جذبہ حکومت کے ایک وزیر جو بیعت کا تعلق رکھتے زیارت کیلئے آتے رہتے اور دعا کی درخواست کرتے، ایک دن مولانا غلام غوث ہزاروی (ممبر پارلیمنٹ اسمبلی) تشریف لائے اور حسن خاتمہ کی دعا چاہی، رخصت کے وقت حضرت نے انکے ذریعہ ان وزیر صاحب کو سلام کہلوایا اور مولانا سے فرمایا کہ یہ شعر ان کو جا کر سنا دو،

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسشِ نماز بود

اس پر آپ کو بہت رقت ہوئی۔

ایک دن مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند تشریف لائے غالباً دوسرے روز ان کی شہر میں تقریر تھی، اس دن عصر کے وقت حاضرین سے خاص طور پر فرمایا کہ آج رات کو قاری صاحب کی تقریر ہے جا کر سنو۔

تشویش و فکرمندی غنودگی کا سلسلہ طویل ہوا تو اہل تعلق کی تشویش و فکرمندی میں اضافہ ہوا کئی روز تک اس بارے میں اختلاف رہا کہ یہ استغراق ہے اور حضرت پر سکوت و انقطاع کی کیفیت طاری ہے غفلت و بیہوشی نہیں ہے، یا مرض کے ایک خاص مرحلہ پر پہونچ کر بیہوشی طاری ہوگئی ہے؟ جن لوگوں کا خیال تھا کہ یہ محض ایک باطنی کیفیت اور استغراقی حالت ہے وہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہتے تھے کہ حضرت نے کئی بار

کسی بات کے جواب میں ہاں، نہیں! فرمایا، اور بارہا تبسم بھی فرمایا، کئی بار مخاطب کیا گیا تو آپ متوجہ بھی ہوئے، مولانا محمد علی صاحب جالندھری فرماتے ہیں:۔

مرض وفات میں جب حاضر ہوا تو کمزوری بے حد تھی، تکلم نہ فرماتے تھے، مولانا انیس الرحمن نے مجھ کو بلا کر حضرت کی چارپائی کے پاس بٹھایا اور مجھ سے کہا کہ تیرا نام لے کر حضرت کو بلاتے ہیں، پہلے خود مولوی انیس الرحمن نے فرمایا کہ حضرت آپ تو ادھر کے جہان کی طرف متوجہ ہیں، ہمارا کون ہے؟ جواب نہ دیا، پھر کہا مولوی محمد علی سلام کہتے ہیں، جواب نہ دیا پھر مجھ سے کہا کہ تم سلام کرو، میں نے زور سے سلام عرض کیا، فرمایا وعلیکم السلام۔"(۱)

ختم اور دعائے صحت

۹ اگست ۱۹۶۲ء سے آیت کریمہ کا ختم اور ظہر کے بعد بخاری شریف کا ختم شروع ہوا، پہلے روز جب ختم بخاری کے بعد حضرت کی چارپائی کے پاس اجتماعی طور پر دعا ہوئی اور آزاد صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت سب خدام آپ کی صحت اور زندگی کیلئے دعا کر رہے ہیں، آپ کی زندگی آپ ہی کی ملکیت نہیں سب کیلئے دولت بے بہا ہے، آپ بھی دعا فرمائیے تو سب پر عجب کیفیت طاری ہوئی، دل امنڈ آئے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں،

---

(۱) مکتوب مولانا محمد علی جالندھری بنام مؤلف۔

ماحول کی سکینت

حضرت پر استغراق کامل اور انقطاع کلی طاری تھا، ضعف و ناطاقتی اپنے آخری مرحلہ پر تھی، زبانی تعلیم و تربیت تذکیر و تنبیہ اور احتساب کا وقت بظاہر گزر چکا تھا اور معلوم ہو رہا تھا کہ زندگی اور رشد و ہدایت کا یہ چراغ جو عرصے سے چراغ سحری ہو رہا تھا گل ہونے کے قریب ہے لیکن یہ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اس معذوری و انقطاع کے باوجود یہ ماحول کسی کے نفس گرم اور قلب روشن سے گرم اور منور ہے پورے ماحول پر سکینت و اطمینان کا ایک شامیانہ نصب ہے، راقم سطور اپنا حال اور تاثر عرض کرتا ہے کہ اس ماحول سے نکل کر ایک اضطراب اور بے چینی محسوس ہوتی تھی اور کہیں جی نہیں لگتا تھا کچھ دیر کے لئے اگر شہر میں کہیں جانا ہوتا تو طبیعت برابر مضطرب رہتی اور جلد واپسی کا تقاضا پیدا ہوتا اور چار دیواری کے اندر قدم رکھتے ہی محسوس ہوتا کہ امن و حفاظت کے ایک حصار میں داخل ہو گئے، ذکر و اذکار، تلاوت و نوافل میں خاص ذوق و کیفیت اور قوت محسوس ہوتی اور معلوم ہوتا کہ اس جگہ کوئی خاص بات ہے اور حضرت کے ضعف و مرض سے ماحول میں کوئی کمی یا اضمحلال یا انتشار نہیں ہے بلکہ جمعیت خاطر کے اسباب میں اضافہ ہے۔

وفات

١٦ اگست کو جمعرات کا دن تھا، اکثر اہل اللہ کیلئے یہی یوم لقا ثابت ہوا ہے[1] لیکن ہم نادانوں اور غافلوں کو وقت موعود کے اتنے قریب ہونے کا احساس نہ ہوا، زندگی کا

---

(١) ماسٹر محمود الحسن صاحب کاندھلوی فرماتے ہیں کہ جب نومبر ۱۹۵۵ء کو حضرت کا آخری مرتبہ انٹرنیشنل پاسپورٹ بنا، جس کو نومبر ۱۹۶۲ء کو ختم ہونا تھا، تو حضرت نے پاسپورٹ کے ختم ہونے کی آخری تاریخ سن کر فرمایا "اوہو یہ تو عمر سے زیادہ کا بن گیا"۔

چکر چلتا رہا اور لاہور کے شب و روز جس طرح گزر رہے تھے اسی طرح گزرتے رہے، کوٹھی کے اندر کی دنیا میں بھی کوئی اضطراب نہ تھا سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے، ۱۶ اگست ۱۱ بجے کے قریب راقم نے دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ آزاد صاحب کے کمرہ میں کھانا کھایا، کھانا کھا کر اپنے کمرہ میں آکر قیلولہ کے لئے لیٹا ہی تھا کہ اچانک ۱۱ بجے ڈاکٹر محمود حسن صاحب یہ کہتے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئے: علی میاں! حضرتؒ کا وصال ہو گیا ایسا معلوم ہوا کہ بجلی گری اور ایک غیر متوقع واقعہ پیش آیا، اس دنیا میں جو آیا ہے وہ جانے ہی کیلئے آیا ہے اور اہل اللہ کا تو معاملہ یہ ہے کہ

دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے

اس لئے تو یہ وقت ان کی مبارک باد کا ہے یَا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ٥

لیکن اس اطلاع کے پاتے ہی مجمع میں ہر شخص کو اپنی محرومی اور اس نعمت عظمیٰ کی ناقدری کا احساس ہوا اور اس کے دل پر ایک چوٹ لگی اور ساری عمر کی تقصیریں یاد آئیں اور حسرت ہوئی کہ کاش خدا کی اس عظیم نعمت کی قدر کر لیتے۔

یک حرف کاشکے است کہ صد جا نوشتہ ایم

دل قابو میں ہوا تو بالیں پر حاضر ہوئے، دیکھا تو میٹھی نیند سو رہے ہیں نصف صدی سے زائد مدت مسلسل مجاہدہ، مسلسل خدمت مسلسل دعوت و اصلاح اور مسلسل بیداری روح و قلب میں گزار کر اس طرح سکون پایا ہے، جیسے رات بھر کا چلا اور جگا ہوا مسافر صبح منزل مقصود پر پہنچ کر آرام کرتا ہے

یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

خدام، محبین اور اہل تعلق آتے تھے اور زیارت کر کے چلے جاتے تھے، شہر میں بجلی کی طرح خبر پھیل گئی، ریڈیو پاکستان نے لاہور سے اس روح فرسا واقعہ کی اطلاع دی، شہر کے کونہ کونہ سے لوگ آنا شروع ہوئے، ٹیلی فون اور ٹرنک کال سے سہارنپور دہلی اور پاکستان کے مختلف شہروں میں اہل تعلق کو اطلاع دی گئی۔

نماز جنازہ لاہور میں ایک کثیر مجمع کے ساتھ مولانا عبدالمنان صاحب خادم نے نماز پڑھائی اور نعش مبارک انبولنس کار پر لائل پور روانہ ہوئی نعش چارپائی پر تھی اور اس کے چاروں طرف برف رکھ دی گئی تھی، نعش کے ساتھ اعزاء و خصوصی خدام تھے، اس کے پیچھے لاریوں اور کاروں پر دوسرے اہل تعلق اور ڈھڈیاں تک سے جانے والے احباب،

لائل پور تقریباً نو بجے کے قریب عشاء کو لائل پور میں دوسری نماز جنازہ[1] ہوئی، مولانا انیس الرحمن صاحب لدھیانوی نے نماز پڑھائی اور ایک عظیم مجمع نے شرکت کی، لائل پور سے حضرتؒ کو بڑا انس تھا اور اہل لائل پور کو بھی حضرتؒ سے بڑی خصوصیت تھی اور یہاں متعدد بار طویل قیام بھی ہوا، اسلئے مجمع بہت تھا اور لوگوں پر بڑا اثر تھا،

سرگودھا یہاں سے جنازہ سرگودھا روانہ ہوا، چاندنی رات تھی جو سکون و سکینت زندگی بھر سایہ کی طرح ساتھ رہی وہ اب بھی ہمرکاب تھی، جنازہ کے بجائے معلوم ہوتا تھا

---

(۱) حنفیہ کے یہاں نماز جنازہ کا تعدد صحیح نہیں ان متعدد نمازوں میں عام طور پر وہ لوگ ہوتے تھے جنھوں نے اس سے پہلے نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی ۱۲۔

کہ ایک گل جارہا ہے، جلو میں مسلمانوں اور اہل محبت کا ایک مجمع ہے، کسی وقت وحشت اور تعب کا احساس نہیں ہوتا تھا، ۱ابجے شب میں سرگودھا میں بھی ایک کثیر مجمع کے ساتھ جس میں کئی ہزار آدمی تھے، تیسری نماز جنازہ پڑھی گئی، یہاں مولانا عبدالعزیز صاحب گھنھلوی نے نماز پڑھائی،

یہاں سے جنازہ اب اپنی آخری منزل کے لئے روانہ ہوا، سرگودھا میں مولوی سید عطاء المنعم صاحب (فرزند مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) اپنی والدہ محترمہ اور بھائیوں کے ساتھ پہونچے اور آخری زیارت کی، معلوم ہوا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے لوگ ملتان منٹگمری اور دوسرے مقامات پر رہ گئے، سیکڑوں آدمی بروقت سواری نہ ملنے کی وجہ سے محروم رہے۔

جنازہ بھاوریاں سے ڈھڈیاں کے لئے روانہ ہوا تو کئی جگہ آخری دید کے شائقین اور مخلصین کے اصرار سے موٹر روکی گئی اور انھوں نے زیارت کی، ڈھڈیاں کے قریب غریب اور مخلص و اہل تعلق دیہاتی دوڑ رہے تھے، محبت و عقیدت اور غم و مسرت کا ملا جلا منظر تھا، ان غریب دیہاتیوں کے تصور میں نہ تھا کہ جو اللہ کا بندہ جیتے جی ان سے جدا ہو گیا تھا اور جس کی زیارت برسوں میں نصیب ہوئی تھی، اب وہ ہمیشہ انھیں کے پاس رہے گا اور یہ گنج گراں مایہ اور کنز مخفی ان کے حصہ میں آئے گا، ڈھڈیاں میں چوتھی نماز جنازہ ہوئی، یہاں حضرت کے امام صلوٰۃ سید مسعود علی صاحب آزاد نے آخری نماز پڑھائی۔

تدفین

ڈھڈیاں میں قبر تیار تھی، پہلے خاندانی زمین پر گاؤں سے باہر قبر تیار کی گئی تھی لیکن وہ علاقہ نشیبی تھا اور سیلاب میں (جو ان اطراف میں عام ہے) زیر آب ہو جاتا تھا، اہل دیہہ نے اصرار کیا کہ حضرتؒ مسجد سے متصل جانب شمال اس صحن میں دفن

ہوئی، جو قیام کے زمانہ میں مجلس کی جگہ تھی، یہاں بھی لبِ دریا ہونے کی وجہ سے زمین ذرا سی کھودنے سے پانی آجاتا ہے، اس لئے بعض اہل علم کے مشورہ سے جو وہاں موجود تھے طے ہوا کہ نعش مبارک کو اس تابوت میں رکھا جائے جو لاہور سے ساتھ آیا تھا، اس تابوت کو وہیں رکھ دیا جائے اور اس کے چاروں جانب بخیال حفاظت دیوار چن دی جائے تاکہ پانی جلد نہ پہونچ سکے، پھر اس کو بلند کرکے اوپر قبر کا نشان بنا دیا جائے، اسی پر عمل ہوا عین صبح صادق کے وقت تدفین سے فراغت ہوئی اور فوراً صبح کی اذان ہوگئی، لوگوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور کچھ لوگ اسی وقت فاتحہ پڑھ کر روانہ ہوگئے، اکثر لوگ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور دن نکلے ان سواریوں پر واپس ہوئے جو ان کے انتظار میں تھیں، رخصت کے وقت جب آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے تو عجب منظر اور دل پر عجب اثر تھا، دور افتادہ خادم جو سیکڑوں میل کے رہنے والے تھے سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ آخری حاضری اور آخری سلام ہے مگر زبان حال کہتی تھی کہ :-

رفتید ولے نہ از دل ما

حلیہ مولانا محمد صاحب انوری حضرت کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کا قد میانہ اوپر کو اٹھتا ہوا، بدن مبارک بھاری بھرکم، چہرہ مبارک روشن، پیشانی مبارک پر ستارہ چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا، پرہ بینی نور کی طرح روشن، دانت چمکیلے جیسے موتی کی لڑی، جب ہنستے تو بہت خوبصورت نظر آتے، اکثر اوقات خاموش بیٹھتے اور حاضرین پر رعب پڑتا تھا، تمام چپ بیٹھتے، اخیر میں آکر اکثر اوقات آنکھیں بند کرکے بیٹھتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خاموش تعلیم ہو رہی ہے، آنکھیں بڑی بڑی خوبصورت،

ایک دفعہ رائے پور میں عید کے روز اجلے کپڑے پہنے ہوئے صفوں پر ٹہل رہے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے "وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔ بڑے ہی خوبصورت دکھائی دیتے تھے، جو دیکھتا اول اول رعب پڑتا، پھر آپ کو بہت ہی محبوب رکھتا تھا۔

حضرت رائے پوری اور ان کے معاصرین

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

معاصر مشائخ اور اہل ارشاد میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب سے ممتاز اور نامور تھے، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند الفاظ میں آپ کا تذکرہ کرتے تھے ایک مرتبہ میرے سامنے فرمایا کہ "حضرت تھانویؒ تصوف کے مجدد تھے"۔ ایک مرتبہ ایک صاحب تھانہ بھون سے آئے وہ وہاں کسی واقعہ پر ناراض ہو کر آئے تھے اور حضرت کے سامنے بے ادبی کے ساتھ وہاں کا تذکرہ کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ "حضرت تھانویؒ میرے بھی شیخ ہیں"۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔[1] خود دو ایک بار تھانہ بھون حاضری بھی دی،

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کا بڑا اکرام فرماتے تھے اور آپ کا ذکر اعتراف و احترام کے ساتھ کرتے تھے حکیم الامت نے ایک مرتبہ کسی صاحب کی فرمائش پر معاصر مستند مشائخ کے ناموں کی فہرست تحریر فرمائی جن میں سے کسی سے بلا تکلف بیعت کا تعلق قائم کیا جا سکتا تھا۔ اس میں سر فہرست حضرت ہی کا نام تھا۔[2] ایک بار حضرت تھانہ بھون تشریف لے گئے، واپس ہونے لگے تو حضرت تھانویؒ اسٹیشن تک پہنچانے گئے اور آپ کے پیچھے آپ کا ذکر خیر بار بار کرتے رہے۔

مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ محبت و عقیدت، احترام و اعتماد کا جو غیر معمولی معاملہ تھا اس کا تذکرہ سیاسی مسلک کے باب میں گزر چکا ہے، تقسیم سے پیشتر اور اس کے بعد بھی مولانا

---

(۱) روایت مولانا عبدالجلیل صاحب (۲) ملاحظہ ہو حکیم الامت از مولانا عبدالماجد دریابادی

کی تائید و حمایت اور ان کی ذات کے ساتھ اپنے تعلق و عقیدت کے اظہار کا آپ پر ایسا جوش تھا کہ آپ اس میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے، بلکہ جس مجلس میں مولانا کا کوئی ناقد یا مخالف ہوتا وہاں اور زیادہ جوش کے ساتھ ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے اور ان کے خلوص و مقبولیت کا اعلان فرماتے ایک مرتبہ کسی ایسے ہی موقع پر جب یہ ناچیز بھی حاضر تھا اور شاید کچھ مخالفین بھی تھے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا "ان کے مخالفین ذرا ان کے چہرہ کو بھی دیکھیں اور اپنے چہرہ کو بھی" ایک مرتبہ بعض آنے والوں نے مولانا کے سیاسی مسلک اور ان کے سیاسی انہماک پر کچھ اعتراض کیا یا اپنے تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا کہ "اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ان کے سفروں میں خادم کی طرح ان کے ساتھ رہتا اور ان کی ادنیٰ ادنیٰ خدمتیں انجام دیتا"

مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ان کے ساتھ جو معاملہ تھا اور آپ کے دل میں حضرت کی جو محبت و عزت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے جو حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے ایک خادم مولوی مقبول احمد صاحب (ساکن لدھیان، حال مدرس جامعہ رشیدیہ منٹگمری) نے سنایا، وہ فرماتے ہیں:۔

"احقر ۱۹۳۶-۴۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا۔ مارچ ۱۹۴۲ء کے اوائل میں اچانک حضرت رائے پوری کا والا نامہ جو مولانا حبیب الرحمن صاحب (نومسلم) کے قلم سے تھا موصول ہوا، جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام معلوم کیا تھا کہ آیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس جمعہ کو دیوبند مقیم ہوں گے یا سفر کا ارادہ ہے؟ حضرت رائے پوریؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے طور پر تحقیق کر کے جواب لکھیں، احقر عصر کے بعد حسب معمول حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر حاضر

ہوا، قبیل مغرب جب مجلس برخاست ہوئی تو احقر نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت اس جمعہ کو قیام ہوگا یا سفر کا نظام ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کیوں پوچھتے ہو؟ میں نے عرض کیا "حضرت بس ویسے ہی پوچھ رہا ہوں" ہنس کر فرمانے لگے کہ "سی، آئی، ڈی تو نہیں ہو؟" میں بہت گھبرایا، میں نے اپنی جان بچانے کے لئے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی پیش کر دیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور بوسہ دیکر پیشانی پر لگایا اور فرمایا کہ اس کا جواب میں خود تحریر کردوں گا، اب مجھے اور تشویش ہوئی کہ حضرت رائپوری خیال فرمائیں گے کہ مقبول رازداری سے کام نہ لے سکا اور اس خدشہ کو حضرت مدنی کے سامنے پیش بھی کر دیا، حضرت نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اچھا تحریر کردو کہ اس جمعہ کو انشاء اللہ قیام ہی ہوگا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ جانا بھی ہوگا تو نہیں جاؤں گا۔ جواب تحریر کر دیا گیا اور حضرت جمعہ کی صبح کو دیوبند تشریف فرما ہوئے اور اسی دن شام کی گاڑی پر سہارنپور واپسی ہوگئی۔"(۱)

بارہا اسکی نوبت آئی ہے کہ حضرت مدنیؒ کا کہیں سفر طے ہوا، پھر کسی وجہ سے اس کا التوا ہوگیا آپ سہارنپور تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیث سے فرمایا کہ اتفاق سے یہ دن خالی ہوگیا ہے، چلو رائے پور ہو آئیں، شیخ فرماتے ہیں کہ دسیوں مرتبہ ایسا ہوا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ

حضرت رائے پوریؒ، مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص قوت نسبت اور مقبولیت کے بڑے قائل و معتقد تھے، کبھی حضرت دہلویؒ کے سوا اور طرح سے

(۱) مکتوب مولوی مقبول احمد صاحب جامعہ رشیدیہ منٹگمری۔

نام نہیں لیا، اپنے خدام کو بڑی تاکید و اہتمام کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے اور خود بھی بڑے اہتمام کے ساتھ نظام الدین تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے، مرض وفات میں کئی ہفتے پہلے سے مقیم تھے، وفات کے بعد ہی تشریف لائے مولانا منظور صاحب نعمانی نے جب حضرت کی طرف رجوع ہونے کا ارادہ کیا اور بیعت و اصلاح کا تعلق قائم کرنا چاہا تو حضرت نے نظام الدین جانے کا مشورہ دیا اور وہاں حضرت کی خدمت میں پڑ جانے کی ہدایت فرمائی مولانا راوی ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرض وفات میں ان کے متعلق حضرت نے ایک بار فرمایا کہ "آج کل روزانہ ہزاروں میل کی رفتار سے جا رہے ہیں"(۱) مولانا نے نظام الدین میں چند دن قیام کرنے کے بعد ایک مکتوب میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا تو حضرت نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا "میں نے آپ کو وہاں ٹھہرنے کا مشورہ اسی لئے دیا تھا کہ آپ دیکھ لیں کہ اللہ والے ایسے ہوتے ہیں اور ان کی سطح اتنی بلند ہوتی ہے"(۲)

حضرت ہمیشہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی مجاہدات کا بڑے اہتمام سے ذکر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ بعد کی یہ مقبولیت و رجعت اور یہ تاثیر و ہدایت اسی کا نتیجہ ہے۔

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت کے ساتھ غیر معمولی تعلق اور ارتباط رکھتے تھے اور بڑے بلند کلمات ارشاد فرماتے تھے، ایک بار فرمایا کہ جب میوات کا غبش آتا ہے اور اس میں سخت اختلاط و مشغولیت رہتی ہے تو میں اسکے بعد یا تو اعتکاف کرتا ہوں یا رائے پور چلا جاتا ہوں، رائے پور بڑے اہتمام کے ساتھ حاضر ہوتے، حضرت

(۱) اشارہ ترقی باطنی اور سفر روحانی کی طرف ہے، (۲) روایت مولانا منظور صاحب نعمانی۔

تک معمول رہا ہے کہ کچھ دور سے پیادہ پا تشریف لاتے، اپنے اہل تعلق و خدام کو کچھ دن یکسوئی کے ساتھ ذکر کرنے کے لئے اور حضرت کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے بڑے اہتمام سے بھیجتے تھے، تبلیغی جماعتوں کو بھی اہتمام کے ساتھ روانہ کرتے اور بالعموم انھیں لوگوں کو امیر بناتے جو ذکر سے مانوس اور بزرگوں کی خدمت میں رہنے کے آداب سے واقف ہوتے، حضرتؒ کے خادم مولانا عبدالمنان راوی ہیں کہ حضرت مولانا الیاسؒ نے ایک بار ان سے دہرادون میں فرمایا کہ اپنے شیخ (حضرت رائے پوریؒ) کی خدمت میں باوضو رہا کرو، ان کی نسبت حضرت فضیل بن عیاض کی نسبت ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب کی نگاہ میں آپ کا جو مرتبہ اور جو عزت و منزلت تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو مجھ سے حاجی میر آل علی صاحب سہارنپوری نے بیان کیا، میر صاحب فرماتے ہیں[(۱)]:-

• سہارنپور میں مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم کی پیٹھ پر کاربنکل ہو گیا تھا سخت تکلیف تھی، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے اور حضرت رائے پوری رائے پور سے عیادت کے لئے آئے، یہ دونوں حضرات اور حضرت شیخ الحدیث مزاج پرسی کے لئے گئے، جب رخصت ہونے لگے اور رائے پور جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حافظ صاحب پر بڑا اثر ہوا اور زندگی سے مایوسی کا اظہار کرنے لگے۔ نظام بن چکا تھا، یہ حضرات روانہ ہو گئے لیکن دل ڈر رہا تھا، سہارنپور سے چل کر بہٹ میں قیام ہوا، مغرب کی نماز کے لئے وضو کرتے ہوئے ان حضرات میں سے ایک صاحب نے حافظ صاحب کی نازک

---

(۱) افسوس ہے ...... کہ آپ کا انتقال ہو گیا، غفر اللہ

علالت اور ان کے اظہار مایوسی پر کچھ تشویش کا اظہار کیا اور اس بات پر افسوس کیا کہ ہم لوگ ایسی حالت میں چلے آئے، حضرت رائے پوری نے وضو کرتے ہوئے فرمایا کہ "نہیں حضرت کوئی بات نہیں" نماز سے فارغ ہونے کے بعد مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوافل اوابین میں مشغول ہو گئے، مولانا کا معمول طویل قرأت کا تھا اور دیر میں فارغ ہوتے تھے، حضرت رائے پوری حسب معمول(۱) مغرب کی سنتوں سے فارغ ہو کر چارپائی پر تشریف لے آئے، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دو یا دوسری دو رکعتوں کے بعد خلاف معمول جلد سلام پھیر لیا اور بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہوئے تیزی کے ساتھ حضرت کی طرف آئے اور فرمایا کہ حضرت میری نفلوں سے تو آپ کے پاس بیٹھنا زیادہ افضل ہے۔

مرض وفات میں جب حضرت رائے پوری کا قیام مولانا کے پاس نظام الدین میں تھا تو ایک روز بعد مغرب مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے راقم سطور کو دریافت فرمایا کہ کہاں ہے؟ میں مسجد سے باہر تقریباً قدیم پولیس چوکی کی جانب چلا گیا تھا، ہر طرف آدمی دوڑے ایک صاحب وہاں بھی پہنچے اور مجھے خبر دی کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے منتظر ہیں، میں گھبرایا ہوا پہنچا، اس وقت حضرت کے ضعف کی حالت یہ تھی کہ لبوں کے قریب کان لاکر بات سننے میں آسکتی تھی، میں سوچ رہا تھا کہ کون سی اہم بات ہے جس کے لئے مجھے اس طرح طلب فرمایا گیا ہے، میں نے جب اپنے کان ہونٹوں کے قریب کئے تو فرمایا کہ لوگوں کو تاکید کرو کہ حضرت رائے پوری کی مجلس میں بیٹھا کریں۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ

---

(۱) حضرت کو غلبۂ ریاح کی قدیم شکایت تھی جس کی وجہ سے طویل نوافل نہیں پڑھ سکتے تھے۔

حضرت کو اس بات کا کتنا اہتمام ہے اور آپ حضرت رائے پوری کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (۲)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اگرچہ عمر میں حضرت سے بہت چھوٹے ہیں اور ان کی طالب علمی اور ترقی باطنی کے سب مراحل حضرت کے سامنے ہی گزرے، لیکن ان کی خداداد صلاحیتوں، فطری جوہر اور علو استعداد کی بنا پر حضرت کا تعلق ان سے نہ صرف انس ومحبت کا بلکہ احترام وعقیدت کا تھا، جن لوگوں نے حضرت کا برتاؤ ان کے ساتھ دیکھا ہے ان کے لئے سمجھنا مشکل تھا کہ یہ برتاؤ محض ایک عالم اور محدث کے ساتھ ہے جو عمر میں بہت چھوٹا ہے یا کسی شیخ معمر بزرگ کے ساتھ، حضرت ان کے متعلق ہمیشہ بڑے بلند کلمات فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ "حضرت گنگوہیؒ کی نسبت حضرت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہو گئی" اکثر فرماتے تھے، ان چچا (۱) بھتیجے کے حالات بھی عجیب ہیں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب مدینہ طیبہ کے آخری قیام میں حضرت شیخ الحدیث کو اجازت دی تو انھوں نے اپنی عادت اور ذوق کے مطابق اس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا، حضرت ہی نے اس کا چرچا کیا اور حضرت ہی کی وجہ سے لوگوں کو اس کا علم ہوا، اخیر اخیر تک اکثر رجوع ہونے والوں کو بالخصوص اہل علم کو شیخ الحدیث سے بیعت ہونے کا مشورہ دیتے تھے، جب کوئی لطیف یا نفیس چیز یا نیا ملبوس، رمضان وغیرہ میں پیش کرتا تو اکثر حضرت شیخ کی خدمت میں پیش فرما دیتے اس طرح اگر کوئی کھانے کا تحفہ آتا یا مرغ وغیرہ کہیں سے آتا تو حضرت شیخ کی آمد کا انتظار فرماتے، سب سمجھتے کہ انھیں کے تشریف لانے پر دعوت ہوگی، ۱۳۶۹ھ کے آخری سفر حج کا انتظام میواتی احباب نے اس شوق سے فرمایا تھا کہ شیخ بھی ساتھ ہیں، سب گئے فرماتے تھے۔

---

(۱) مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲) مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

پاکستان جاتے ہوئے جب ہوائی جہاز پر بیٹھنا ہوا تو جی چاہا کہ شیخ بھی ایک مرتبہ ہوائی جہاز سے سفر کریں، خیال آیا کہ شیخ صرف حجاز کے لئے اس کو منظور فرمائیں گے، اس لئے ہوائی جہاز سے جانے کا انتظام کیا، لیکن اس سال ہندوستان میں کالرا پھیلنے کی شہرت کی وجہ سے دوسرے ملکوں سے قرنطینہ کے سخت احکام نافذ کردئے تھے اس کی وجہ سے ہوائی جہاز سے سفر جانے کا سلسلہ ہی بند ہوگیا تھا۔ [illegible] کے سفر حج کا ایک لطیفہ حضرت شیخ نے سنایا کہ مکہ معظمہ سے جدہ واپس آتے ہوئے حضرتؒ اپنے خدام کے ساتھ تھے اور میں اپنے قافلہ کے ساتھ، ایک جگہ میں تھا، میں حاضر ہوا تو کچھ کھانے کا تذکرہ ہوا، میں نے عرض کیا کہ ہمارے قافلہ میں کھچڑی پکی تھی، حضرتؒ نے فرمایا ہم نے تو مرغ کھایا تھا، میں نے اس کا گلہ کیا تو فرمایا ہم اس کا کفارہ دیں گے، میں نے عرض کیا کہ حرم کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، یہاں کے مرغ کا کفارہ ایک مرغ سے نہیں ہوسکتا، فرمایا اچھا ہم کفارہ ادا کریں گے، چنانچہ واپسی تک سفر میں ان خدام سے جو ملنے آتے تھے فرماتے رہے کہ شیخ کے ایک لاکھ مرغ میرے ذمہ ہیں مجھے کفارہ ادا کرنا ہے، چنانچہ ہر جگہ کثرت سے مرغ پکا کرتے تھے۔ [illegible] والے پوری [illegible] کی آمد سے جو مسرت اور شگفتگی پیدا ہوتی اور تشریف لے جانے سے جو افسردگی کا دور [illegible] نظر آتی اور حضرتؒ کے قلب مبارک پر اس کا جو اثر ہوتا اس کو دیکھنے والی آنکھیں بھی نہیں بھولیں، کبھی کبھی شیخ کے بعض مریدین و خدام سے فرمایا کہ ”شیخ الحدیث میرے بھی شیخ ہیں“۔ پاکستان کا سفر ذرا طویل ہوتا تو شیخ سے ملنے کا تقاضہ شدت سے پیدا ہوتا اور یہی گویا واپسی کی دلیل ہوتی، فرماتے کہ ”اب بھئی ندوہ کو شیخ بہت یاد آتے ہیں“، مرض وفات میں ایک موقع پر جب کہ شیخ کا خط آیا ہوا تھا بار بار حضرت شیخ کے کمال محبت و وضعداری اور یکساں تعلق پر آفریں کہتے رہے“

شیخ نے بھی حضرت کے ساتھ احترام وعقیدت، ادب وبزرگ داشت اور نیازمندی وخوردی کا ایسا تعلق رکھا جس سے بزرگان سلف کی یاد تازہ ہوگئی اور منتسبین و مدعیان تعلق کو معلوم ہوگیا کہ ادب اسے کہتے ہیں اور قدردانی اور جوہر شناسی اس کا نام ہے اپنے شیخ ومرشد مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شیخ نے مولانا مدنیؒ اور حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ شیوخ واکابر کا سا تعلق قائم کر رکھا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی نظر میں اس اخیر زمانہ میں ان دونوں سے بڑھ کر کوئی نہیں، مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد یہ ساری عقیدت وتعلق سمٹ کر حضرتؒ کی ذات میں آگیا تھا جب بہٹ ہاؤس میں حضرتؒ کا طویل قیام رہا، بلا تخلف روزانہ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر فوراً بہٹ ہاؤس تشریف لے جاتے، اس اندیشہ سے کہ کچھ تاخیر نہ ہوجائے، شام کی چائے جو عمر بھر کے معمولات میں شامل تھی مستقلاً چھوڑ دی تھی، حضرتؒ کو جب اس کا علم ہوا تو بہٹ ہاؤس میں اس کا انتظام فرمانے کی تاکید کی، لیکن شیخ نے اصرار سے منع فرمادیا، اخیر زمانہ قیام رائے پور میں باوجود اس کے کہ سفر خاص حالات وکیفیات کی بنا پر شیخ کے لئے مجاہدۂ عظیم تھا، ہر ہفتہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی شام کو تشریف لے جاتے اور پیر کی صبح تشریف لاتے، حضرت کی راحت، ضعف اور طبیعت کی نزاکت کا بڑا اہتمام فرماتے مصافحہ کرنے والوں پر بھی پابندی عائد فرمادیتے اور اکثر فرماتے کہ مصافحہ سنت ہے اور اذیت حرام۔ پاکستان کا سفر پیش آتا تو مشاقین ومعتقدین کو قابو میں رکھنا انھیں کا کام تھا اکثر اسٹیشن پر مجمع کے سامنے عصا لے کر کھڑے ہوجاتے اور ہجوم کرنے والوں کو سختی کے ساتھ ڈانٹتے، بہت سے لوگ بالخصوص علمی اشتغال رکھنے والے حضرات شیخ ہی کے باربار فرمانے سے حضرت کی طرف متوجہ ہوئے، بعض لوگوں کو جو حضرتؒ کے علو شان

سے زیادہ واقف نہ تھے اور وقت کی قیمت نہیں پہچانتے تھے بار بار تحریر فرمایا کہ حضرت کی زندگی کو غنیمت سمجھو، چراغ سحری ہے"۔ راقم الحروف کو یاد ہے کہ حضرت شیخ کی خدمت میں جب پہلی بار حاضر ہوا اور شیخ کے بالاخانہ اور دارالمطالعہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا تو اس زمانہ میں وہاں ایک منظوم قطعہ وصلی کی شکل میں آویزاں تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر نفس کی اصلاح چاہتے ہو تو فلاں فلاں رذائل اخلاق نکال دو اور فلاں فلاں صفات اپنے اندر پیدا کرو، نوعمری کا زمانہ تھا اور طبیعت میں شوخی تھی، عرض کیا کہ "حضرت ان مفرد اجزاء کا تلاش کرنا اور مختلف پنساریوں کے ہاں سے ان کا اکٹھا کرنا تو بڑا مشکل ہے، کہیں بنا بنایا نسخہ ملتا ہو تو بتائیے"۔ برجستہ فرمایا کہ "رائے پور کی نہر کے کنارے"۔

حضرتؒ کے حالات و واقعات کا جاننے والا بھی شیخ سے زیادہ مشکل سے کوئی ملے گا، کثرت سے جزئیات یاد ہیں اور یادداشت میں مندرج ہیں، خطوط کا بھی ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے، چنانچہ اس کتاب کی ترتیب میں سب سے بڑی مدد و رہنمائی شیخ ہی سے حاصل ہوئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کا ڈھانچہ شیخ ہی کی عنایت فرمائی ہوئی معلومات اور مہیا کی ہوئی تحریرات سے بنا ہے، یہی معاملہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سوانح کے ساتھ رہا، اگر حضرت شیخ کی رہنمائی و سرپرستی نہ ہوتی تو ان دونوں چیزوں کا مناسب طریقہ پر مرتب ہونا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری جو اپنے شہرۂ آفاق درس قرآن، اصلاح عقائد کے عظیم الشان کام، مؤثر و مقبول مواعظ اور

مخلصانہ دینی خدمتوں کی بنا پر پاکستان میں مقبول عام وخاص تھے، اپنے زمانہ کے بہت بڑے شیوخ طریقت میں سے بھی تھے، قوت نسبت باطنی ادراک اور روشن ضمیری میں اس زمانہ میں ان کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے، حضرت بھی ان کے اخلاص وعلو مرتبہ کے قائل تھے، بہت احترام فرماتے تھے، لاہور کے دوران قیام میں کبھی کبھی خود ملنے تشریف لے جاتے، اپنے مرض وفات میں بعض اوقات ان کے کسی مرید کو دیکھ کر یا ان کا نام سن کر آپ پر رقت طاری ہو جاتی، ایک بار یہ بھی فرمایا کہ "بہت اچھے گئے"۔

مولانا احمد علی صاحبؒ کا خود یہ حال تھا کہ حضرتؒ کے ساتھ بالکل اپنے شیخ و مرشد کا سلوک فرماتے، لاہور کے قیام کے زمانہ میں بڑے اہتمام سے حاضر خدمت ہوتے راقم سطور نے کئی بار صوفی عبدالحمید صاحب کی کوٹھی پر دیکھا، مولانا احمد علی صاحب تشریف لائے، آتے ہی سلام ومصافحہ کے بعد نہایت ادب سے دو زانو مراقب ہو کر بیٹھ گئے اور جب تک بیٹھے رہے، اسی طرح ادب وسکوت کے ساتھ مراقب بیٹھے رہے، جیسا کوئی مرید استفادۂ باطنی کیلئے بیٹھتا ہے، اگر حضرت نے کوئی بات پوچھی تو جواب دیا ورنہ اول سے آخر تک خاموش بیٹھے رہے، ان کے اس ادب واحترام کو دیکھ کر ہم خدام کو بڑی شرم آتی اور احساس ہوتا کہ ادب واحترام اس کو کہتے ہیں۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

مجھے یاد نہیں کہ کبھی اس کے خلاف ہوا ہو اور مجلس میں زیادہ گفتگو فرمائی ہو،

مولانا احمد علی صاحبؒ، مولانا مدنیؒ اور حضرت رائے پوریؒ کی عظمت اور علو شان کے بہت بڑے معتقد تھے اور برسر عام اپنی تقریروں میں بڑے جوش کے ساتھ ان دونوں حضرات کی مقبولیت عنداللہ، علو نسبت اور کمال باطنی کا اعلان فرماتے تھے اور اکثر تینوں

پر اسی ترتیب سے ان دونوں حضرات کا نام لیتے تھے، مولانا مدنیؒ کے ساتھ ان کو جو والہانہ تعلق اور خادمانہ عقیدت تھی اس کا ذکر بہت سے مضامین میں آچکا ہے اور اسکی مناسب جگہ مولانا مدنی کی سوانح حیات ہے، حضرت رائے پوریؒ سے ان کو جو عقیدت و محبت تھی اس کا کسی قدر اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جو حضرت رائے پوریؒ کے ایک خادم قاری محمد اسحاق صاحب بیان کرتے ہیں، قاری صاحب کہتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ کا خط میرے نام آیا، اس میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے نام سلام بھی تھا، میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسب معمول ملاقات کرنے والوں کا بڑا مجمع تھا، مجھے دیکھا تو فرمایا کہ آپ ٹھہریئے جایئے گا نہیں، میں انتظار کرتا رہا، جب فراغت ہوئی تو مجھے اس چھوٹی مسجد میں لے گئے جو بڑی مسجد سے جانب جنوب ہے اور ابتداء میں وہی مسجد تھی، اندر لے جاکر دروازے بند کر لئے، پھر مجھ سے فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا خط آیا ہے اس میں آپ کو سلام لکھا ہے، حضرتؒ کا نام سنتے ہی بے اختیار رونے لگے پھر فرمایا کہ خط مجھے دے دیجئے میں رکھونگا چنانچہ میں نے خط پیش کر دیا۔"

دوسرے شیوخ واکابر

ان حضرات کے علاوہ جن سے سلسلے، ذوق یا قرب مکانی کی وجہ سے خصوصی تعلقات تھے اور ان سے زیادہ ربط وضبط تھا، ہندستان کے دوسرے شیوخ و علمائے کبار کا خواہ وہ کسی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہوں پورا احترام فرماتے تھے، ہر ایک سے نہایت تواضع اور کسر نفسی کے ساتھ ملتے تھے، اور وہ حضرات بھی آپ سے ایسے ہی احترام و محبت اور ادب و عقیدت کا برتاؤ کرتے تھے

ان میں حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری جو حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے شیوخ میں ہیں اور سلسلۂ قادریہ کے نہایت عالی نسبت شیخ تھے، نیز مولانا احمد خاں صاحبؒ کے خلیفہ مولانا عبداللہ صاحب کندیاں والے خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کا حضرت بلند الفاظ میں تذکرہ فرماتے تھے، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ سے بھی خاص محبت و مناسبت تھی کہ حضرتؒ کو صحابۂ کرام سے عشق تھا اور رفض سے بڑی نفرت و عدم مناسبت اور اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالشکور صاحبؒ سے اس سلسلہ میں بڑا کام لیا حضرت نے ان کے بہت سے رسائل اہتمام سے پڑھوا کر سنے تھے، لکھنؤ کے قیام میں ایک بار مولاناؒ حضرت سے ملنے کے لئے ندوہ بھی تشریف لائے جہاں حضرت کا قیام تھا، لاہور میں بھی اکتوبر ۱۹۶۰ء میں جب حضرتؒ کا قیام صوفی صاحب کی کوٹھی پر تھا تشریف لائے تھے

"ایک حاضر مجلس[1] کا بیان ہے کہ جب مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی وفات ہوئی، تو اس کے دو ہی تین دن بعد راؤ فضل الرحمٰن خاں صاحب نے اخبار پڑھتے ہوئے یہ خبر سنائی کہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کا انتقال ہوگیا" اس خبر کے سنتے ہی، فرمایا! "اوہو! انا للہ وانا الیہ راجعون" حضرت پر اسقدر اثر ہوا کہ اٹھ کر بیٹھ گئے، حالانکہ بغیر دو آدمیوں کے سہارا دیئے ہوئے اٹھنا مشکل ہوتا تھا، مگر اس خبر سے اتنا اثر پڑا کہ بلا کسی کی مدد کے اٹھ کر بیٹھ گئے گاؤ تکیہ کے سہارے تھوڑی دیر تک سکوت اختیار فرمانے کے بعد فرمایا: "جب ان کے استقبال کے لئے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ (رضی اللہ عنہم) آویں گے تو کیا دوسرے سب لئے (استقبال میں) آویں گے"۔

---

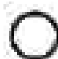
(۱) سید محمد سالم ہنسوی۔

مدینہ طیبہ کے قیام میں مولانا عبدالغفور صاحب نقشبندی سے بھی اسی طرح سے محبت واحترام کا اظہار فرماتے تھے اور دونوں حضرات ایک دوسرے سے ملنے جاتے تھے دہلی میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے خلفاء میں حضرت حافظ فخرالدین صاحبؒ بڑے ذاکر شاغل اور صاحب باطن بزرگ تھے، ان کا تعلق بھی حضرتؒ کے ساتھ اور حضرتؒ کا ان کے ساتھ محبت واحترام کا تھا حضرت کا جب تک دہلی میں قیام رہتا، حافظ صاحب بڑے اہتمام سے تشریف لاتے اور شریک مجلس رہتے، سہارنپور، رائے پور بھی کثرت سے ملنا ہوتا۔

غرض یہ کہ حضرت کا اپنے معاصرین کے ساتھ اور ان نامور معاصرین کا حضرتؒ کے ساتھ جو تعلق تھا، وہ اس معاصرت کی خصوصیت سے مبرّا تھا جس کو حجاب اور سبب بُعد قرار دیا گیا ہے اور اس سے جہاں ان حضرات کی للّٰہیت، جوہر شناسی اور علو اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے وہاں حضرتؒ کے بھی علو مرتبہ اور جامعیت کا پتہ چلتا ہے کہ ان سب مختلف الذوق حضرات کے ساتھ ایسا محبانہ ومخلصانہ تعلق رکھتے تھے اور سب کے قدر شناس اور مرتبہ دان تھے!

شمع الفراق

حضرات قطبینؒ کی وفات پر لکھے گئے مرثیے



تالیف : نفیس الحسینی

(از: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ)

قَضَى الشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ الْيَوْمَ نَحْبَهُ

وَكَانَ اَجَلَّ الْعَارِفِيْنَ وَاَكْرَمَا

بَكَيْتُ وَمَا يُغْنِي الْبُكَاءُ، فَقِيْلَ لِيْ

وَمَنْ ذَا رُزِئْتُمْ، قُلْتُ: شَيْخًا مُعَظَّمَا

... جمیل احمد تھانوی

شیخ عبد القادر شیخِ طریق | بے عدیل و بے نظیر و بے مثال
ماہرِ امراضِ روح و کینۂ نفس | مصلحِ اخلاق و اعمالِ رجال
رو بخلقت دل بخالق روز و شب | واقفِ اسرارِ ربِّ ذوالجلال
کر گئے افسوس دُنیا سے سفر | اُٹھ گیا دُنیا سے عرفانی کمال
دے گئے ہم سب کو خود داغِ فراق | پا کے محبوبِ حقیقی کا وصال
کون دے گا اب دوائے دردِ دل | ہو دراز اب کس جگہ دستِ سوال
کون رندوں کو کرے گا زندہ دل | کون دے گا جامِ حُبِّ لازوال
کون لگوائے گا ضربیں رات دن | قال کو اب کون بنوائے گا حال
عشقِ مولیٰ کی لگائے کون لَو | کون کر دے ہوش کو نذرِ جمال
کون دل کو اب بنا ڈالے گا دل | کون دے گا دل سے دُنیا کو نکال
کون پھر کر دیگا اب مستِ الست | کون لے گا آج گِرتوں کو سنبھال
لائے جو تلوین سے تمکین تک | کون شیخِ معرفت ہو باکمال
کس کے پر تو سے جئے گا دل ہی اب | غائبانہ فیض کا جاہ و جلال
یوں تو ہر شے کی گرانی ہی بہت | لیکن ایسی ہستیوں کا تو ہے کال

سچ تو یہ ہے "لَا یَمُوْتُ فَیْضُہٗ"[1]
گو ہے "مَاتَ الشَّیْخُ"[2] تاریخِ وصال
۱۳۸۲

[1] آپ کا فیض نہیں مریگا [2] پیر صاحب وفات پا گئے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

على رحلة قطب العالم سيدنا ومولانا عبد القادر الرائپوری

المتوفی ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ

لعبد المناظر نبی المغفور له العلامة عبد السبحان الطلوی



يَا قَلْبُ مَا لَكَ لَا تُفِيقُ وَتَدْمَعُ — عَيْنَاكَ وَاسْتُلِبَ الْقَرَارُ فَتَفْزَعُ

اے دل! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ہوش میں نہیں آتا اور تیری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور قرار و سکون چھن گیا ہے اور تو گھبرائے جا رہا ہے

وَأَفَاضَ دَمْعَكَ حَادِثٌ حَدَثَتْ بِهِ — فِتَنٌ تُعَذِّبُ وَالْهَلَاكَةُ تَقْرَعُ

اور تیرے آنسوؤں کو ایک ایسے عظیم حادثہ نے سیلاب کی طرح بہانا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے بہت سے فتنے پیدا ہو سکتے ہیں اور ایسی ہلاکت
جو (در دل) پر دستک دینے لگی

مَنْ كَانَ يَمْلِكُ صَبْرَهُ وَقَرَارَهُ — فَلِصَاحِبِ الْأَشْوَاقِ مَا يَتَجَرَّعُ

اگر کوئی اور شخص اپنے صبر و سکون کو اپنے قابو میں رکھ سکتا ہو گا، عشق و محبت والے کیلئے تو ایسے موقع پر پریشانیوں اور مصیبتوں کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں

هُجِمْتَ بِمَا وَقَعَتْ عَلَيْكَ مُصِيبَةٌ — لِلْمُسْلِمِينَ وَهَلْ لِذَلِكَ مَدْفَعُ

مجھ پر اے دل! ایک ایسا حادثہ ٹوٹ پڑا ہے کہ جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر ایک بہت بڑی مصیبت آ پڑی ہے اور کیا اس مصیبت کیلئے
ٹل جانے کی کوئی صورت بھی ہے

هُدَّتْ بِهِ صُمُّ الْجِبَالِ وَزُلْزِلَتْ — زِلْزَالَهَا وَيَضِجُّ مِنْهُ الْيَرْمَعُ

اس حادثہ کی وجہ سے ٹھوس ٹھوس پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو گئے اور خوب لرز اٹھے اور اس کی وجہ سے زمزم بھی چیخ چیخ کر رونے لگا

وَرَثَى الْعَوَالِمُ اَرْضُهَا وَسَمَآءُهَا　　وَفَلَاتُهَا وَبَكَى الْخَرَابُ الْبَلْقَعُ

زمین آسمان اور صحرا اور تمام عالم اس مصیبت کی وجہ سے رنج و غم میں مبتلا اور رو رو کر نڈھال ہو رہا ہے اور بے آب و گیاہ بیابان بھی رو رہا ہے

وَصِيَاحُ اَهْلِ وِدَادِهٖ وَزَفِيْرُهَا　　مِنْهُ الْقُلُوْبُ كَاَنَّهَا يَتَقَطَّعُ

اور اس سے محبت کرنے والوں کی چیخ و پکار اور ان کی آہ و بکا کی وجہ سے سارے کے سارے دل گویا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں

وَلَقَدْ اَحَاطَ بِنَا سَحَابٌ مُّظْلِمٌ　　وَسِعَتْ جَوَانِبُهٗ وَلَا يَتَقَشَّعُ

رنج و غم کے ایسے کالے کالے بادلوں نے ہم کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے جو چاروں جانب پھیلے ہوئے ہیں اور کسی طرح بھی چھٹنے والے نہیں

لَبّٰى كَمَا يَشْتَاقُ دَعْوَةَ رَبِّهٖ　　نِصْفَ النَّهَارِ وَاَيْنَ مِنْهَا الْمَفْزَعُ

جیسا کہ خدا اسکو مشتاق تھا، اس نے اپنے پروردگار کی پکار پر لبیک کہہ کر نصف النہار کے وقت اسے قبول کیا اور اب اس سے پناہ کی جگہ کہاں؟

شَيْخُ الْمَشَائِخِ ذَا اِمَامُ اَئِمَّةٍ　　تَحْتَ التُّرَابِ عِظَامُهٗ وَالْاَضْلُعُ

یہ تمام مشائخ کرام کا سب سے بڑا شیخ! تمام ائمہ دین میں سے ایک بڑا امام، اس کی متبرک ہڈیاں اور پسلیاں اب مٹی کے نیچے ہیں

طَابَ الدَّفِيْنُ وَطَابَ مَدْفَنُهُ الَّذِیْ　　نَزَلَ الْحَبِيْبُ بِهٖ وَكُنَّا نَدْمَعُ

یہ مدفون بزرگ بھی بہت پاکیزہ اور اسکے دفن ہونے کی جگہ بھی بہت پاکیزہ جہاں ہمارا محبوب جا کر اترا ہے ایسی حالت میں کہ ہم آنسو بہا رہے ہیں

وَالْقَبْرُ مُفْتَخِرٌ وَحَقَّ فَخَارُهٗ　　بِمَقَامِهٖ فَالْجُوْدُ فِيْهِ الْمُوْدَعُ

اور قبر فخر کرنے والی ہے اور ایسے شیخ کامل کے وہاں جا کر ٹھکانا بنانے کی وجہ سے اسکو حق بھی ہے کہ فخر کرے اس لیے کہ وہاں تو اب سراسر سخاوت ہی سخاوت امانت رکھی گئی ہے

فِيْهِ الْمَعَارِفُ لَا تُطِيْقُ عِدَادَهَا　　وَخَزِيْنَةُ الْاَخْلَاقِ لَوْ تَتَمَتَّعُ

وہ شیخ ایسے علوم و معارف کا حامل تھا جس کا شمار بھی نہیں کر سکو گے اور اس میں اخلاق حسنہ کا ایک خزانہ تھا۔ کاش کہ تو اس سے کچھ نفع اٹھاتا

عَمَّتْ مَنَافِعُهٗ جَمِيْعَ خَلَائِقٍ　　وَبَدَتْ فَوَائِدُهٗ كَمَا هِیَ تَنْفَعُ

اس کے منافع تمام مخلوق خدا کے لیے عام تھے اور اس کے فوائد و برکات بالکل ظاہر و باہر تھے اور نفع پہنچا رہے تھے

وجهٌ نطالب من أتاه مطالبٌ   من نور باطنه، تراه ويسمع؟

وہ ایسی شخصیت تھی جس سے ہر ایک کو طلب رہتی تھی، وہ ایسے تھے کہ طالب وہاں آتا تھا، وہ اپنے باطن کے نور سے دیکھتا سنتا

أفهل رأيتَ بحلمه وعلومه   أحدًا يُشابهه وهل يتوقّع

کیا تو نے حلم و بردباری اور علوم و معارف میں اس جیسا کوئی اور بھی دیکھا ہے! اور کیا اس کی توقع بھی تجھے ہو سکتی ہے

ما زال يوقظ نُوَّمًا ويريهم   ما ضلّ سعيهم لكي يتخشّعوا

وہ ہمیشہ (غفلت کی نیند) سونے والوں کو جگاتا رہتا تھا اور انھیں دکھاتا تھا کہ ان کی کوششیں رائیگاں جا رہی ہیں اور مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر عاجزی اور فروتنی اختیار کریں

وخلا بذكر الله أفنى نفسه   في حبّه حتى أتاه المصرع

ہمیشہ اللہ کی یاد میں مصروف رہا اور اپنے آپ کو اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا کر دیا تھا، یہاں تک کہ دنیا سے انتقال کر گیا

وكساه ربّي حلّةً مرضيّةً   من حسن سيرته وذالك أرفع

میرے پروردگار نے حسن سیرت کی وجہ سے اسے پسندیدہ خلعت پہنایا، اور یہ ایک بلند مرتبہ ہے

وهدى طريق الرشد عين محجّة   وحباك نعمته وأنت مضيّع

اس نے (مخلوق خدا کو) راہ راست کی ہدایت کی اور متعین کر کے بتایا کہ (خدا پرستی کی) شاہراہ یہ ہے اور تجھے اپنی نعمت (ارشاد) کی بخشش کی، اس حالت میں کہ تو بے قیمت و ضائع شدہ چیز تھی

كشف الغطاء عن الطريقة موضحًا   كيلا تضلّ وللضلالة موقع

طریقت کے چہرے پر پڑے ہوئے پردے اس نے کھول دیے اور حقیقت کو خوب اچھی طرح واضح کر کے دکھایا تاکہ آپ راہ راست سے ایسی حالت میں گمراہ نہ ہوں جب کہ راستہ گم کرنے کا موقع ہوتا ہے

فينا إقامته وكان نصيبنا   غاب الحبيب كأنّه لا يرجع

اس (شیخ کامل) کی اقامت و رہائش ہمارے درمیان تھی اور وہ ہمارے حصہ میں آئے ہوئے تھے، افسوس وہ محبوب اب ہماری آنکھوں سے غائب ہو گیا اور روپوش ہو گیا کہ اب گویا وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔

وَسَوَادُ أَعْيُنِنَا وَنُوْرُ قُلُوْبِنَا　　وَسُرُوْرُ مَحْفِلَتِنَا يَضُمُّ وَيَجْمَعُ

وہ ہماری آنکھ کی پتلی اور ہمارے دلوں کے لیے روشنی اور ہماری مجلس کی خوشی تھا اور ہم سب کو یکجا کرنے والا اور جمع کرنے والا تھا

فَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ الْمُشَرَّفِ عِنْدَهُ　　وَالْبُغْضُ فِيْهِ كَمَالُهُ فَاسْتَمْتِعُوْا

آپ کا کمال تھا الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ پس اے لوگو، ان (اخلاق فاضلہ) سے فائدہ اٹھاؤ

يَا رَحْمَةَ اللّٰهِ السَّكِيْنَةُ عِنْدَهُ　　كُنَّا نُجَالِسُهُ وَنِعْمَ الْمَجْمَعُ

اے اللہ کی رحمت! اس کے پاس تو قلب کا سکون و اطمینان تھا، ہم انکے پاس بیٹھا کرتے تھے اور ان کی مجلس بہترین مجلس تھی

فَالْعَيْنُ تَلْتَمِسُ الْمُحَيَّا نُوْرَهُ　　وَجَمَالَهُ وَتَفِيْضُ مِنْهَا الْأَدْمُعُ

پس (آج) ہماری آنکھ اس کے روشن چہرے کے نور و جمال کو ڈھونڈ رہی ہے مگر جب نہیں پاتی تو اس آنکھ سے آنسو بہنے شروع ہیں

كَانَتْ تَزُوْرُ جَبِيْنَهُ فَتُحِبُّهُ　　وَتَرَاهُ كَالْبَدْرِ الْمُنَوَّرِ يَلْمَعُ

(ہماری یہ آنکھ) اس کی روشن پیشانی کی زیارت کرتی اور محبت کرتی تھی اور اسے یوں دیکھتی تھی جیسا کہ چودھویں کا چاند آسمان پر چمک رہا ہے

يَا رَبَّنَا لَا تَحْرِمْنَا بَعْدَهُ　　بَرَكَاتِهِ فَالْخَيْرُ عِنْدَكَ أَجْمَعُ

اے ہمارے پروردگار اس شیخ کامل کی وفات و جدائی کے بعد ہم کو اس کی برکتوں سے محروم نہ کر۔ ساری کی ساری بھلائیاں یا اللہ تیرے پاس ہیں

وَلَقَدْ فَقَدْتُ الْخَيْرَ حِيْنَ فَقَدْتُهُ　　كَادَ الْفُؤَادُ لِأَجْلِهِ يَتَصَدَّعُ

جب میں نے اسے گم کر دیا تو بس دنیا بھر کی ساری بھلائیاں اور خوبیاں گم کر چکا ہوں اور اس وجہ سے قریب ہے کہ میرا دل پارہ پارہ ہو جائے۔

وَدَنَوْتُ مِنْهُ لِأَسْتَفِيْدَ عِنَايَةً　　مِنْهُ فَأَكْرَمَنِيْ وَكَانَ يُمَتِّعُ

میں اس کے قریب گیا تھا تاکہ اس کی توجہات اور مہربانیاں اپنی طرف کھینچ کر فائدہ حاصل کروں تو اس نے میری بہت عزت افزائی کی اور وہ تھے ہی ایسے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا کرتے تھے

فَالْعَيْشُ مُنْكَدِرٌ تَعَذَّرَ بَعْدَهُ　　أَمْرُ الْغَرِيْبِ فَكَيْفَ لَا يَتَفَجَّعُ

زندگی بے مزہ ہے اور مسافر و بے وطن کی ہر حالت اس (کی وفات) کے بعد مشکل ہو گئی ہے، تو آپ کہیے کہ پھر وہ دردمند و پریشاں کیوں نہ ہو

ذُقْنَا وَمَا كُنَّا نُطِيقُ فِرَاقَهُ ۔۔۔ فِعْلُ الْمَنِيَّةِ لَمْحَةٌ أَوْ أَسْرَعُ

ہم نے اس کی جدائی کا مزہ چکھ لیا اور ہم میں یہ طاقت نہ تھی کہ اس کو رخصت کرنے کے لیے فراق کو چکھ سکیں۔ فرشتہ موت کا عمل پلک جھپکنے کی دیر میں یا اس سے بھی جلدی ہو جایا کرتا ہے

وَالْمَوْتُ مَا تَرَكَ الصَّغِيرَ وَلَا الْكَبِيرَ وَلَا يَقُومُ لِوَقْتِهِ مَنْ يَدْفَعُ

موت نہ کسی چھوٹے کو چھوڑتی ہے نہ کسی بڑے کو اور جب اس کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو کوئی نہیں کہ اس کو ٹالنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو

وَهَبَ الْإِلٰهُ لَهُ فِرَاسَةَ مُؤْمِنٍ ۔۔۔ وَفَطَانَةً وَذَكَاوَةً تَتَنَوَّعُ

اللہ تعالیٰ نے اس (شیخ کامل) کو ایک مومن کی فراست اور قسم قسم کی سمجھ داری اور ذہن کی تیزی عطا فرمائی تھی

وَجَلَالَةً وَمَهَابَةً مَخْلُوطَةً ۔۔۔ بِمَوَدَّةٍ وَعَزِيمَةً لَا تُقْطَعُ

اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شان کی بڑائی اور ایسا رعب جس کے ساتھ محبت ملی ہوئی تھی اور ایسا پختہ ارادہ جو کاٹا نہ جا سکتا تھا عطا فرمایا

وَفَخَامَةً بِالْفَهْمِ وَالرَّأْيِ الصَّحِيحِ فَلَمْ يُطِقْ أَحَدٌ عَلَيْهِ يُشَنِّعُ

اللہ تعالیٰ نے اس کو فہم اور صحیح رائے و ادراک عطا فرمایا تھا تو کسی کی طاقت میں یہ بات نہیں کہ کسی معاملہ میں اس پر گرفت کر سکے

يَا قُوَّةَ الْإِدْرَاكِ لَمْ يُرَ مِثْلُهَا ۔۔۔ فَاللّٰهُ يُعْطِي مَنْ يَشَاءُ وَيَمْنَعُ

ہائے اس کی وہ قوت ادراک جس کی مثال کہیں دیکھی نہیں گئی اور واقعہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جس کو جو چاہے دے دیتا ہے اور جس کو نہ دینا چاہے اس سے روک لیتا ہے

عِشْنَا كَمَا يَحْيَى الْمُلُوكُ أَعِزَّةً ۔۔۔ فِي ظِلِّهِ وَنَظُنُّهُ لَا يُرْفَعُ

جیسے بادشاہ عزت و احترام کے ساتھ رہتے ہیں، ہم بھی اس کے سایہ میں ایسے ہی زندگی گزارتے رہے اور ہم سمجھتے تھے کہ یہ سایہ ہم سے اٹھایا نہیں جائے گا (مگر ہائے وہ سایہ ہم سے اٹھ گیا)

أَمَلِي وَمَنْفَعَتِي وَغَايَةُ بُغْيَتِي ۔۔۔ مَا ضَرَّنِي مَا عَاشَ هَمٌّ مُوْجِعُ

وہ میری امیدگاہ! میرے لیے سراپا نفع ہی نفع اور میری منزل مقصود اور مطلوب کی وجہ، جب تک وہ زندہ رہے، مجھے کسی پریشان کن فکرمندی اور رنج و غم نے کوئی تکلیف و ضرر نہیں پہنچایا

مَاذَا أَرَادَ اللهُ يَغْلِبُ أَمْرُهٗ   بِعِبَادِهٖ وَالْخَيْرُ فِيمَا يَصْنَعُ

جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ اس کے بندوں پر اس کا نافذ شدہ حکم غالب ہو جایا کرتا ہے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ بھلائی اسی میں ہوتی ہے جو کچھ وہ کرتا ہے۔

أَيْنَ الْمَلَاذُ وَلَا مَلَاذَ نَؤُمُّهٗ   مِنْ بَعْدِهٖ هَيْهَاتَ مَا نَتَوَقَّعُ

اب ہمارے لیے پناہ گاہ کہاں ہے؟ یقیناً کوئی بھی ایسی پناہ گاہ نہیں کہ اس (کی وفات) کے بعد ہم جا کر اس کا قصد کریں۔ جس کی ہم امید باندھے ہوئے ہیں وہ بات اب کبھی بھی ہونے والی نہیں

أَسَفِيْ عَلَىٰ مَنْ مَاتَ وَابْتَعَثَ الشَّجَا   وَبِمَوْتِهِ الْمَبْعُوثِ غَارَ الْمَنْبَعُ

میرا یہ درد و غم اس (شیخ کامل) پر ہے جو دنیا سے انتقال کر کے وفات پا چکا ہے اور اس نے ہمارے غم و اندوہ کو ابھارا ہے اور اس کی طرف (اللہ تعالیٰ کی) بھیجی ہوئی موت کی وجہ سے (دینی تقویٰ کے) چشمے خشک ہو گئے

يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْمُبَارَكِ تُرْبُهٗ   عَجَبًا لَهٗ وَلِطِيْبِهٖ يَتَضَوَّعُ

اے ایسی قبر میں دفن ہونے والے! جس کی مٹی بھی بابرکت ہے۔ تعجب ہے اس پر اور اس کی اس خوشبو پر جو مہک رہی ہے

صَلَّىٰ عَلَيْكَ اللهُ مَا لَا يَنْتَهِيْ   إِحْصَاءُهٗ وَمُنِحْتَ مَا لَا يُنْزَعُ

اللہ تعالیٰ تجھ پر ایسی ایسی رحمتیں نازل فرمائے جن کا شمار ختم ہی نہ ہو اور تجھے وہ عطیات دیے جائیں کہ پھر وہ چھینے نہ جائیں

وَجَزَاكَ مَوْفُوْرًا بِمَلِيْقٍ بِشَانِهٖ   يَوْمَ الْجَزَاءِ وَأَنْتَ فِيْهِ مُشَفَّعُ

اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے بدلہ والے دن اس کثرت کے ساتھ ثواب عطا فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور وہاں پر تیری سفارشیں اللہ کے ہاں قبول ہوں

فِيْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ عَزَّ مَكَانُهَا   مَثْوَاكَ يَا رُوْحِيْ تَعِيْشُ وَتُرْفَعُ

اے میری روح! تیرا ٹھکانہ اس جنت الفردوس میں ہو جس کی شان بڑی زبردست ہے، تجھے وہاں زندگی نصیب ہو۔ اور تجھے اونچے مراتب حاصل ہوں

وَرِثَ الْخِلَافَةَ بَعْدَهٗ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بِكُلِّ شَيْءٍ فِي الشَّرِيْعَةِ مُوْلَعُ

اس (شیخ کامل) کی وفات کے بعد اس کی خلافت و جانشینی اس عبد العزیز کی وراثت میں آئی جو شریعت کے ہر حکم کو شوق سے پورا کرنے والا ہے

وَافٍ صَدُوقٌ وَالصَّدَاقَةُ طَبْعُهُ   بَرٌّ أَبَرُّ بِدِينِهِ مُتَوَرِّعٌ

بڑا وفادار، بہت سچا اور سچائی تو اس کی طبیعت میں (پیدائشی طور پر) پڑی ہوئی ہے بہت ہی نیک، بہت ہی دیندار اور پرہیزگار ہے

أَجْمِلْ بِهِ خُلُقًا وَأَوْضَحُ جَبْهَةً   صَافٍ وَلَوْ خَادَعْتَهُ لَا يُخْدَعُ

بہت ہی اچھے اخلاق والا اور روشن چمکدار پیشانی والا ہے، صاف دل و دماغ والا ہے اور اگر اسے کوئی دھوکا دینا چاہے تو وہ دھوکا میں نہیں آتا

شَهِدَ الْعِظَامُ بِفَضْلِهِ وَكَمَالِهِ   مُتَرَعْرِعًا ذَا قُوَّةٍ يَتَرَعْرَعُ

بڑے بڑے باکمال بزرگوں نے اس کے فضل و کمال کی گواہی اس وقت دی ہے جب کہ وہ ابھی اُبھرنے اور بڑھنے لگا تھا۔

يَمْشِي عَلَى سُنَنِ الْهُدَى وَيُرِيكُهَا   بِفِعَالِهِ وَأَسَاسَ غَيٍّ يَقْلَعُ

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود بھی چلنے والا ہے اور تجھے بھی اپنے عمل سے وہی راستہ دکھا رہا ہے اور گمراہی کی بنیادوں کو جڑوں سے اکھیڑ رہا ہے

وَإِذَا مَضَى شَطْرٌ مِنَ اللَّيْلِ الْبَهِيمِ يَقُومُ فِيهِ لِمَنْ تَرَاهُ وَيَرْكَعُ

اور جب اندھیری رات کا آدھا حصہ گزر جاتا ہے تو اس اللہ تعالیٰ کے حضور میں تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور رکوع و سجود کرتا ہے جو اسے دیکھ رہا ہے

وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ أَعْظَمُ قُرْبَةٍ   فَغِذَاؤُهُ فِيهَا وَمَا هُوَ يَشْبَعُ

قرآن مجید کی تلاوت جو اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے وہ اس کی روحانی غذا ہے اور وہ کبھی بھی اس غذا سے سیر نہیں ہو رہا ہے

وَتَوَرَّمَتْ شَغَفًا بِطُولِ قُنُوتِهِ   قَدَمَاهُ خَوْفًا يَقْشَعِرُّ وَيَخْضَعُ

نماز تہجد میں لمبے لمبے قیام کے ساتھ عشق و محبت رکھنے کی وجہ سے اس کے دونوں پاؤں سوج گئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے مارے کانپ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے دبا اور عاجزی کرتا ہے

وَيَبِيتُ مُضْطَرِبًا وَيُصْبِحُ خَائِفًا   وَيَقُولُ يَا مَوْلَايَ لُطْفُكَ أَوْسَعُ

رات بھر بے چینی اور پریشانی میں گزارتا ہے اور ڈرتے ڈرتے صبح ہو جاتی ہے اور وہ دعائیں کرتے ہوئے کہہ رہا ہے۔ اے میرے مولا! تیرا لطف و کرم بہت وسیع ہے

وَإِذَا رَأَيْتَ صَلَاتَهُ وَدُعَاءَهُ مُخَّ الْعِبَادَةِ فِيهِ لَا يَتَصَنَّعُ

اے مخاطب! جب کبھی آپ اس کی نماز اور اس کی دعا کو جو عبادت کا مغز ہے دیکھیں گے کہ وہ اس میں کوئی بناوٹ نہیں کر رہا ہے

لَعَلِمْتَ أَنَّ اللّٰهَ آتَى عَبْدَهُ مِنْ فَضْلِهِ وَلِمَنْ يَشَاءُ يُوتِيْ

تو تجھے معلوم ہو جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنے فضل و کرم کا بہت سا حصہ دے رکھا ہے اور وہ جس کو چاہے، نوازی نصیب کر دیتا ہے

وَبِمَحْضِ فَضْلِ اللّٰهِ يَمْلِكُ نَفْسَهُ وَيَذُمُّهَا كَيْلَا تَزِيغَ فَتَطْمَعُ

محض اللہ کے فضل ہی سے وہ اپنے نفس کو قابو میں کیے ہوئے ہے اور خود اپنے نفس کی برائی بیان کیا کرتا ہے تاکہ وہ راہ راست سے ہٹے نہیں اور کسی غلط قسم کی لالچ میں نہ پڑے

يَا رَبِّ انْصُرْهُ وَزِدْهُ تَقَبُّلًا

اے میرے پروردگار اس کی امداد کیجیے اور اپنے دربار میں اس کی قبولیت کو اور

مَا دَامَتِ الشَّمْسُ الْمُنِيرَةُ تَطْلُعُ

بھی بڑھا دیجیے جب تک کہ روشنی پھیلانے والا سورج طلوع کرتا رہتا ہے

یعنی رہتی دنیا تک

از حضرت مولانا عبدالمنان دہلوی رحمہ اللہ

حَنَّتْ إِلَى رُوحِ الْمَحَبَّةِ مُهْجَتِي فَبَكَتْ وَأَسْبَلَتِ الْمَدَامِعَ مُقْلَتِي

میری بیتاب روح جانِ محبت کے وصال کے لیے تڑپ گئی اور رو دی تو میری آنکھوں نے سیلابِ اشک بہا دیا

وَغَدَتْ تُذَكِّرُنَا مَجَالِسَهُ الَّتِي تَجْرِي الرِّيَاحُ خِلَالَهَا مِنْ رَوْضَةٍ

اور ان کی صبح و شام کی مجالس کی یاد تازہ کر دی جہاں نسیم مشکبار چمن زاروں سے ہو کر آیا کرتی

بَاتَتْ تُحَدِّثُ كَيْ تُعَلِّلَ نَفْسَهَا عَنْ ذِكْرِهِ لِزِيَادَةٍ فِي نَشْوَةٍ

رات کی تنہائی میں لگی اس کا ذکر چھیڑنے کہ یادِ حبیب میں اپنے بے قرار جی کو بہلائے

وَجَرَتْ حِكَايَةُ هَجْرِهِ فَتَسَلْسَلَتْ عَبَرَاتُهَا وَطَوَتْ صَحِيفَةَ عِشْرَةٍ

فراقِ یار کی داستان چھڑی تو اس کے آنسو بے اختیار جاری ہو گئے عیش و عشرت کی بساط الٹ گئی

وَشَكَتْ وَمَا بَرِحَتْ تُطِيلُ صُدُودَهُ عَنْ مُبْتَلًى يَشْكُو تَطَاوُلَ هِجْرَةٍ

ہجرِ طویل کی شکایت پر بے رخیِ حبیب کا گلہ کرنے لگی اور لگی اس کو طول دینے

وَرَأَتْ مَعَالِمَهُ الشَّرِيفَةَ فَانْبَرَتْ تُبْدِي النِّيَاحَةَ تَسْتَلِذُّ بِنَوْحَةٍ

دیارِ حبیب کے آثار و نقوش دیکھ کر از خود رفتہ ہو گئی آہ و بکا سے لذت گیر ہوتی تھی

رَاحَتْ تُفَتِّشُ عَنْهُ كُلَّ قَلِيلَةٍ وَجَلِيلَةٍ مِنْ شِيمَةٍ وَخَلِيقَةٍ

جی لگانے کی خاطر حبیب کی ہر چھوٹی بڑی ادا کی اسے جستجو ہوئی

وَالشَّوْقُ يَبْعَثُ الشَّجٰى وَيَزِيْدُهٗ   لِمُتَيَّمٍ أَضْنَاهُ رُزْءُ قَطِيْعَةٍ

وَمَرَارَةُ الْبَيْنِ لَقَدْ دِرَأَمْرُهٗ   لَوْكُنْتَ تَعْلَمُ حَالَتِيْ وَطَبِيْعَتِيْ

وصال حبیب کا شوق غم انگیز بھی ہے اور غم افزوں بھی ایسے محب صادق کیلئے جسے جدائی کی مصیبت نے تھکا دیا

لَا يَسْكُنُ الْمَرْءُ الْمُعَلَّقُ رُوْحُهٗ   بِحَبِيْبِهٖ حَتّٰى يَفُوْزَ بِمُنْيَتِهٖ

عاشق زار کو تمنا بر آنے تک سکون میسر نہیں

أَجِدُ الْحَيَاةَ مَرِيْرَةً مُخْتَلَّةً   فَالْمَوْتُ أَحْسَنُ مِنْ فِرَاقِ أَحِبَّتِيْ

یار کی جدائی کے سبب زندگی پر خلل و تلخ ہے۔ دوستوں کی جدائی سے تو موت اچھی

بِخَيَالِهٖ سَكَنَ الْفُؤَادُ وَنَاظِرِيْ   بِجَمَالِ طَلْعَتِهٖ وَكَمْ مِنْ لَذَّةٍ

حبیب وفا شعار کے تصور جانفزا اور اس کے جمال حیات آفریں سے میرے قلب نظر کو لذت بے پایاں

وَحِكَايَةُ الْهَجْرِ الطَّوِيْلِ وَسَرْدُهَا   مِمَّا يَطُوْلُ بِهِ الْبَيَانُ وَقِصَّتِيْ

وَكَفَاكَ بِالْإِيْجَازَاتِ طَبِيْعَتِيْ   شُغِفَتْ هَوَاهُ وَبَالُهَا مِنْ عِلَّةٍ

حکایت ہجر کے دہرانے سے بات لمبی ہوگی۔ مختصراً یوں سمجھے کہ میں اپنی کائنات دل اسکے حوالے کرچکا

لَمْ تَخْشَ فِيْهِ مَلَامَةً وَمَذَلَّةً   وَالْحُبُّ يَا مَنْ لَا يُحِبُّ جِبِلَّتِيْ

أَنَا مُغْرَمٌ بِيَدٍ لَا لِهٖ لَا أَنْتَهِيْ   عَمَّا أُرِيْدُ فَيَا ضَيَاعَ نَصِيْحَةٍ

محبت میں ملامت و رسوائی سے ڈرنا آداب محبت کے خلاف ہے اے ناآشنائے راز محبت، محبت تو میرا فرانج ہے، میری فطرت ہے۔ میں اس حبیب کی اداؤں کا شکار ہوکر اپنے ارادے سے باز نہیں رہ سکتا۔

وَعَدَ الْحَبِيْبُ رُجُوْعَهٗ عَنْ رِحْلَةٍ   سَنَحَتْ لَهٗ لِمَنِيَّةٍ مُقْتَضِيَةٍ

لٰكِنَّهٗ مَا عَادَ مِنْ سَفَرٍ وَلَمْ   يُمْكِنْ إِلَيْنَا عَوْدُهٗ مِنْ رِحْلَةٍ

میرے حبیب نے سفر پر جانے سے پہلے وعدہ کیا کہ زیادہ باہر نہ رہنا ہوگا مگر وہ تو اب تک واپس نہ آسکے اب وہ ایسی دنیا میں پہنچ گئے جہاں سے لوٹ کر آنا ناممکن ہے۔

فَاِرَادَۃُ اللہِ الْعَزِیْزِ قَضَاءَہٗ غَلَبَتْ اِرَادَتَہٗ وَمَنْ لِمَشِیَّۃٖ؟
وَاِذَا قَضٰی شَیْئًا یَکُوْنُ وَلَمْ یَکُنْ لِقَضَاءِہِ الْمُقْضِیِّ وَقْفَۃُ لَمْحَۃٖ

گو ان کا ارادہ واپسی کا تھا مگر ارادۂ خداوندی ہر ارادے پر بھاری ہے۔ وہ جب کسی امر کے ہونے کا ارادہ فرمائے تو فوراً ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی سستی اور ڈھیل نہیں ہوتی۔

ذَاقَ الْمَمَاتَ وَکُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ مَنْ کَانَ ذَا رُوْحٍ بِقَیْدِ مَنِیَّۃٖ
اِلَّا اِلٰہَ الْعَرْشِ یَبْقٰی وَجْھُہٗ فَلَہُ الْبَقَاءُ وَمَا سِوَاہُ بِھُلْکَۃٖ

وصال کا مزہ انھوں نے چکھا اور ہر چیز فانی ہے۔ بقا صرف خدائے لم یزل کے لیے ہے

عَلَمُ الْھُدٰی فَاَنَارَ کُلَّ مَکَانَۃٍ غَشِیَتْ جَوَانِبَھَا سَحَائِبُ ظُلْمَۃٖ

وہ ہدایت و روشنی کے ایک مینار تھے انھوں نے ہر ایسی جگہ کو روشن کیا جس کے چہار اطراف ظلمت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں

وَأَفَادَ خَلْقًا فِی الضَّلَالَۃِ وَجْھُہٗ خَیْرًا کَثِیْرًا لَا یُسَامُ بِقِیْمَۃٖ

جو مخلوق کہ رو بہ ضلالت تھی اس کو خیر کثیر عطا فرمایا جو کسی قیمت پر حاصل نہیں کیا جا سکتا

وَوَجَدْتُہٗ وَاللہُ یَشْھَدُ کَامِلًا فِی الْجَمْعِ بَیْنَ شَرِیْعَۃٍ وَّطَرِیْقَۃٖ
مُسْتَصْعَبٌ لَوْ لَا عِنَایَۃُ رَبِّہٖ لَمْ یَکْفِ حُسْنُ بَصَارَۃٍ وَّبَصِیْرَۃٖ

وہ شریعت و طریقت کے بہترین سنگم تھے اور اس طرح مجمع البحرین ہونا فضل خدا کے بغیر ممکن نہیں اور اپنی بصارت و بصیرت کچھ کام نہیں آتی

رُوْحِیْ فِدَاہُ لَقَدْ رَأَیْتُ طَرِیْقَہٗ لِھِدَایَۃِ الضُّلَّالِ اَنْفَعَ صُوْرَۃٖ

میری روح ان پر قربان ہو، گم کردہ راہوں کی رہنمائی کے لیے ان کی روش بڑی عمدہ تھی

وَبِحِکْمَۃٍ یَعِظُ الْبُغَاۃَ مُنَبِّھًا اَنْ لَا تَخُوْضُوْا فِیْ مَوَاقِعِ ذِلَّۃٖ
تُوْبُوْا اِلَی اللہِ الْکَرِیْمِ وَسَبِّحُوْہُ بِحَمْدِہٖ نَادِیْنَ قَابِلَ تَوْبَۃٖ

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الْمُعَظَّمُ عَرْشُهُ — كَرَمًا وَمَغْفِرَةً وَعَفْوَ خَطِيئَةٍ

آپ رو حانی مریضوں اور دل کے کوڑھیوں کو بڑی حکمت سے سرزنش فرماتے۔ بُری جگہ مت جاؤ، خداوند کریم کی طرف لوٹ آؤ، اس کی حمد میں رطب اللسان ہو کر۔ وہ تمہیں اپنا لے گا۔ اس کی بارگاہ میں جا کر یوں عرض کرو: اے عرش عظیم کے مالک! کرم گستری فرما اور ہمارے جرائم سے صرف نظر

مَنْ لَمْ يُقِرَّ بِذَنْبِهِ مُسْتَكْبِرًا — فَوَرَبِّهِ هِيَ زَلَّةٌ فِي زَلَّةٍ

جو از رہِ غرور اعتراف گناہ نہ کرے وہ سچ مچ ہلاکت میں پڑ گیا

وَبِنُورِهِ انْقَشَعَتْ غَيَاهِبُ وَانْجَلَتْ — بِضِيَائِهِ وَتَنَوَّرَتْ مِنْ لَمْعَةٍ

آپ کے رُخ تاباں سے ظلمتیں چھٹ گئیں اور آپ کی چمک سے عالم بقعۂ نور ہو گیا

سَلَّ الْحُسَامَ لِفِرْقَةٍ مَلْعُونَةٍ — فِي أُمَّتِهِ وَإِمَامُهَا فِي رَبْوَةٍ

آپ نے اپنی تلوار سونت لی، امت کے ایک فرقۂ ملعونہ (قادیانیہ) کے خلاف جس کا امام ربوہ میں رہتا ہے

وَمِنَ الْعَجَائِبِ أَنَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ — دَعْوَى النُّبُوَّةِ يَا شَنَاعَةَ جُرْأَةٍ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت؟ اس جسارت کا بُرا ہو

وَمَنِ ادَّعَى بَعْدَ الرَّسُولِ نُبُوَّةً — وَرِسَالَةً فَلَهُ بَوَارُ الرِّدَّةِ

مدعیٔ نبوت کے لیے ارتداد کی ہلاکت ہے

هِيَ فِرْقَةٌ ضَلَّتْ وَضَلَّ إِمَامُهَا — بِسُلُوكِهِ الْمُعْوَجِّ بَاعِثِ حَسْرَةٍ

یہ ایک گمراہ فرقہ ہے، اس کا لیڈر بھی اپنی کج روی و زیغ باطنی سے ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں جا گرا

وَلُعِنْتَ يَا أَصْلَ الْفَسَادِ وَأُسَّهُ — تَبَّتْ يَدَاكَ أَيَا غُلَامَ مَلِيكَةٍ

او فسادی! تجھ پر خدا کی لعنت اور پھٹکار اے ملکۂ وکٹوریہ کے غلام!

رَبَّتْكَ تَحْتَ ظِلَالِهَا وَتَمَلَّكَتْ   بِخَدِيْعَةٍ وَتَرَوُّدٍ اِخْذِ رِشْوَةٍ

اس نے تجھے اپنے سائے میں پالا اور فریب اور دھوکے سے قبضہ جمایا

وَاَرَتْكَ زَهْرَةَ مَالِهَا وَجَمَالِهَا   حَتّٰى اغْتَرَرْتَ وَلَا تَفِ بِعِشْرَةٍ

تجھے دکھائی اس نے اپنے جمال و مال کی چمک دمک اور فراوانی اور تو فریب میں آگیا

يَا رَبَّنَا خُذْهُمْ وَصُبَّ عَلَيْهِمْ   هُوْنَ الْعَذَابِ وَاَلْقِهِمْ فِيْ شِدَّةٍ

اے اللہ! سخت گرفت فرما اور اس پر دردناک عذاب نازل کر اور آفتوں میں جکڑ بند کر

يَا لَذَّتِيْ يَا لَذَّتِيْ يَا لَذَّتِيْ   ذِكْرُ الرَّسُوْلِ وَذِكْرُ خَتْمِ نُبُوَّةٍ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد، اور ختم نبوت کا تذکرہ، قربان اس لذت کے

فِيْ رَائِپُوْرَ كَانَ مَسْكَنُهُ وَفِيْ   حُسْنِ الْمَنَاظِرِ قُرَّتِيْ وَمَسَرَّتِيْ

آپ کی خانقاہ رائپور کے ایک خوشنما منظر چمن میں تھی جہاں میرے دل کا سکون و سرور تھا

اَنْهَارُهَا تَجْرِيْ وَصَفْوَةُ مَائِهَا   كَانَتْ وَكَانَ وَكُنْتُ اَحْسَبُ جَنَّتِيْ

گلزارِ رحیمی کے اندر اور باہر بل کھاتی ہوئی نہریں، ان کا صاف شفاف پانی، اور روانی کب! آہ کیسا پر بہار تھا میں تو اسے جنت سمجھتا تھا

هِيَ بَلْدَةٌ مَعْمُوْرَةٌ لٰكِنَّهَا   بِفِرَاقِ عَامِرِهَا تَزِيْدُ اَذِيَّتِيْ

وہ ایک آباد قصبہ ہے مگر اس کی ویرانی مجھے ٹھیس پہنچاتی ہے

تَبْكِيْ وَحَقَّ لَهَا الْبُكَاءُ لِاَنَّهَا   فَقَدَتْ بِرَوْضَتِهَا اِمَامَ اَئِمَّةٍ

وہ رو رہا ہے اس لیے کہ اس کے باغ کی زینت اب ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو گئی

كُنَّا نَخَالُ حَيَاتَهُ وَوُجُوْدَهُ   حِصْنًا حَصِيْنًا مِنْ مَفَاسِدِ فِتْنَةٍ

ہم آپ کے وجود کو مفاسد کے سدباب کے لیے مضبوط قلعہ تصور کرتے تھے

فِيهَا مُقَامُ حَبِيبِهِ وَضَرِيحُهُ   عَبْدُ الرَّحِيمِ بِعِيشَةٍ مَرْضِيَّةٍ

فِي الْعِلْمِ وَالْأَخْلَاقِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ   أَحَدٌ وَفَاقَ جَمِيعَهُمْ فِي رُتْبَةٍ

مِنْ صَفْوَةٍ وَنَظَافَةٍ وَطَهَارَةٍ   وَسَخَاوَةٍ وَفُتُوَّةٍ وَمُرُوَّةٍ

وَلَطَافَةٍ وَظَرَافَةٍ وَنَزَاهَةٍ   وَرِيَاضَةٍ وَعِبَادَةٍ فِي نُخْبَةٍ

یہیں آپ کے پیرو مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الرحیم قدس سرہٗ آرام فرما ہیں، جو علم و اخلاق میں بے نظیر، صفائے قلب و نظافتِ طبع میں بے مثل، جود و سخا اور مروت و مردانگی میں ممتاز، لطافتِ احساس میں طاق، ظرافت و شگفتگی میں یگانہ، ریاضتِ نفس اور عبادت و مجاہدہ میں انتخابِ روزگار تھے۔

قَدْ كَانَ يَلْزَمُ حُبَّهُ مُتَمَنِّيًا   يَا لَيْتَ فِي الْقَبْرِ الْمُبَارَكِ مَضْجَعِي

ساری عمر اپنے شیخ کی محبت سے سرشار رہے اور آرزومند رہتے تھے کہ کاش مرنے کے بعد انھیں کی قبر مبارک میں یکجا آسودۂ خاک ہوتے ؎ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ظَلَّ الْحَبِيبُ مُفَارِقًا وَمُوَدِّعًا   وَيَبِيتُ فِي غُرَفِ الْجِنَانِ بِفَرْحَةٍ

آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے مرشد سے جا ملے اور جنت کے بالاخانوں میں مسرت و ابتہاج کے گہوارہ میں آرام فرما ہیں

أَفَلَا تُرِيدُ إِلَى مُحِبِّكَ مَرْجِعًا   عَبْدِ الْعَزِيزِ لَهُ مَزِيَّةُ مِيزَةٍ

کیا آپ اپنے محبِ صادق حضرت مولانا عبد العزیز صاحب (جانشینِ حق)، جو علم و فضل اور اخلاق و پرہیزگاری میں اپنی نظیر آپ ہیں، کے پاس لوٹنے کا ارادہ نہیں رکھتے؟

أَفَلَا تُشَرِّفُ أَهْلَ بَيْتِكَ بُرْهَةً   يَبْكُونَ حِينَ رَأَوْكَ سَاكِنَ تُرْبَةٍ

کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے گھر والے کو شرفِ ملاقات بخشیں گے؟

أَفَلَا تُشَرِّفُهُمْ وَتَدْرَأُ عَنْهُمُ مَا سَاءَهُمْ بَعْدَ اللُّتَيَّا وَالَّتِيْ

کیا آپ ان کے دلوں سے از خود پیدا کردہ ناگواری دور نہ کریں گے ؟

أَفَلَا تُعِزُّ مَدَارِسًا بِإِقَامَةٍ فِيْهَا وَتَشْرِيْفٍ بِوَاسِعِ فُرْصَةٍ

کیا آپ مدارس میں قیام فرما کر ان کی عزت کو چار چاند نہیں لگائیں گے ؟

أَفَلَا تُعِزُّ مَظَاهِرًا وَإِمَامَهَا شَيْخَ الْحَدِيْثِ ذَرِيْعَتِيْ وَوَسِيْلَتِيْ

أَفَلَا تُقِيْمُ بِهَا وَتُصْلِحُ حَالَهَا بِدُعَائِكَ الصَّبَّاغِ أَحْسَنَ صِبْغَةٍ

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور اس کے روح رواں، میرے مرشد و رہنما، امام الوقت حضرت شیخ الحدیث صاحب مد ظلہ کی عزت افزائی نہ فرمائیں گے ؟ اور وہاں کے طلبہ کے پیدا کردہ خلفشار کی روک تھام اپنی دعاء مستجاب نہ کریں گے ؟

دَارُ الْعُلُوْمِ تَرٰى قُدُوْمَكَ عِزَّةً وَتَرٰى قِيَامَكَ عِزَّةً فِيْ عِزَّةٍ

دار العلوم دیوبند آپ کے قدوم میمنت لزوم کو دو بالا عزت و افتخار سمجھتا ہے اور آپ کے قیام کو چند در چند عزت خیال کرتا ہے

أَفَلَا تُشَرِّفُهَا وَتَرْحَمُ أَهْلَهَا كَالْوَاجِدِ الْمَكْرُوْبِ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ

کیا آپ اس کو شرف نہ بخشیں گے اور وہاں کے رہنے والوں پر ترحم نہ فرمائیں گے ان سب کی حالت غم زدہ جیسی ہے

أَفَلَا تُشَرِّفُ فَضْلَ أَحْمَدَ حِبَّةً لَكَ سَابِقًا أَدّٰى رِعَايَةَ صُحْبَةٍ

کیا آپ اپنے دیرینہ ساتھی مولانا فضل احمد صاحب کو عزت نہ بخشیں گے جنہوں نے حق صحبت پورا پورا ادا کیا

عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُبَارَكِ صَالِحٍ بَلَغَ الْكَمَالَ وَنَالَ رِفْعَةَ نِسْبَةٍ

بِجَمَالِهِ الصَّيَّادِ أَفْئِدَةَ الْوَرٰى عَبْدُ اللَّطِيْفِ بِعَيْشٍ صَاحِبُ رِفْعَةٍ

أَفَلَا تُعِزُّهُمَا وَتَسْأَلُ عَنْهُمَا أَحْوَالَ قَلْبٍ هَائِمٍ مُتَشَتِّتِ

حضرت حافظ محمد صالح کے نور نظر مولانا عبد العزیز جو صاحب کمال اور صاحب نسبت ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی

پیرجی عبداللطیف جو اپنی خوبیٔ اخلاق سے لوگوں کے دلوں کو شکار کرنے والے ہیں، عزت بخش کر انکی حال پرسی نہ کرینگے؟

أَفَلَا تُشَرِّفُ نَدْوَةً وَمُدِيرَهَا   مِنْ فُرْقَةِ الْمَحْبُوبِ سَاكِبَ دَمْعَةٍ

کیا آپ ندوۃ العلماء اور اس کے مدیر مولانا سید ابوالحسن علی کو نہ نوازیں گے؟ جو فراق محبت میں گریہ کناں ہیں۔

أَفَلَا تُشَرِّفُ أَسْعَدًا وَتُعِزُّهُ   بِلِقَائِكَ الْكَشَّافِ كُلَّ حَقِيقَةٍ

کیا آپ جانشین شیخ الاسلام مدنی مولانا سید محمد اسعد کو اس زیارت سے نہ نوازیں گے جو کشف حقائق کی ضامن ہے

أَفَلَا تُشَرِّفُ يُوسُفًا وَرَفِيقَهُ   يَقِفَانِ حَوْلَكَ حَاضِرَيْنِ بِخِدْمَةٍ

كَمْ بِتَّ عِنْدَهُمَا وَكُنْتَ تَرَاهُمَا   أَخَوَيْنِ قَامَا فِي سَبِيلِ الدَّعْوَةِ

کیا آپ داعی الی الحق مولانا محمد یوسف اور ان کے رفیق کار مولانا انعام الحسن کو شرف نہ کریں گے جو دونوں آپ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور کتنی ہی راتیں آپ نے انکے پاس گزاریں اور آپ ان دونوں کے متعلق خیال فرمایا کرتے تھے کہ یہ اللہ کے راستہ میں ایک دوسرے کے معاون ہیں

أَفَلَا تُعِزُّ جَمَاعَةً بِضِيَافَةٍ   تَأْتِيكَ حَامِلَةً لِوَاءَ مَحَبَّةٍ

کیا آپ محبت کا علم اٹھائے ہوئے آنے والی جماعتوں کو اپنی ضیافت سے نہ نوازیں گے؟

أَفَلَا تُعِزُّ زِيَارَةً يَشْتَاقُهَا   زُوَّارُكَ الْآتُونَ مُصْلِحَ أُمَّةٍ

کیا آپ اپنے مشتاق زائرین کے شوق زیارت کو سیراب نہ فرمائیں گے؟

أَفَلَا تُعِزُّ حَوَاضِرًا وَبَوَادِيًا   مِمَّا أَصَابَتْهُمْ صَوَاعِقُ فُرْقَةٍ

کیا آپ شہری اور دیہاتی لوگوں کی ڈھارس نہ بندھائیں گے جن کو تیرے فراق کی چوٹ لگی؟

أَفَلَا تُعِزُّ دِيَارَنَا وَبِلَادَنَا   بِوُجُودِكَ السَّامِي سَمَاءَ فَضِيلَةٍ

کیا آپ ہمارے شہروں کو اپنے وجود بابرکت سے مشرف نہ فرمائیں گے؟

أَفَلَا تُعِزُّ أَقِلَّةً وَأَذِلَّةً   رِفْقًا بِأَفْئِدَةٍ قَسَتْ عَنْ غَفْلَةٍ

کیا آپ نفس کے مارے لوگوں کو جو سراپا غافل ہیں چھٹکارا دلا کر معزز نہ فرمائیں گے؟

أَفَلَا تُعِزُّ مَحَافِلًا وَمَجَالِسًا بِجُلُوسِكَ الْمَكْفُولِ نَفْعُ بَرَكَتِهِ

کیا ہماری مجلسیں آپ کے انفاس قدسیہ سے محروم رہیں گی؟

أَفَلَا تُشَرِّفُ دُوْرَنَا وَبُيُوْتَنَا بِقُدُوْمِكَ الْمَيْمُوْنِ صَاحِبَ خَلْوَةٍ

کیا آپ ہمارے گھروں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشیں گے؟

أَفَلَا تُعِزُّ أَخِلَّةً وَأَحِبَّةً يَا سَاكِنَ الْجَنَّاتِ هَلْ مِنْ عَوْدَةٍ

کیا آپ اپنے دوستوں کو عزت بخشیں گے؟ اے جنتوں کے باسی! کبھی لوٹو گے بھی!

أَفَلَا تُعِزُّ إِمَامَكَ الْمَخْدُوْمَ مَسْعُوْدٌ سَعَادَتُهُ لِغُرَّةِ جَبْهَةٍ

کیا آپ اپنے امام صلوٰۃ سید مسعود علی آزاد کو سرفراز فرمائیں گے جن کی سعادت بخت پر ان کی روشن اور کشادہ پیشانی گواہ ہے

أَفَلَا تُعِزُّ أَنِيْسَكَ الْمَحْبُوْبَ كُنْتَ تُحِبُّهُ لِكَمَالِ صِدْقِ مَوَدَّةٍ

کیا آپ مولانا انیس الرحمن کو عزت بخشیں گے جو آپ کی محبت میں راسخ القدم ہیں

أَفَلَا تُعِزُّ نَفِيْسَنَا هُوَ سَيِّدٌ مِنْ آلِ أَحْمَدَ فِيْ جِوَارِ الرَّحْمَةِ

کیا آپ ہمارے نفیس صاحب کو سرفراز فرمائیں گے جو سید آل رسول ہیں جن پر خدا کی رحمتیں چھایا رہتی ہیں؟

أَفَلَا تُشَرِّفُ عَبْدَ مَنَّانٍ خُوَيْدِمَكَ الضَّعِيْفَ وَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ

کیا آپ اپنے ضعیف و ناتواں خادم عبد المنان کو معزز فرمائیں گے؟

إِنِّيْ لَفِيْ مَرَضٍ وَأَنْتَ شِفَاؤُهُ يَا سَيِّدِيْ أَفَلَا تُفَرِّجُ غُمَّتِيْ

میں مریض ہوں اور آپ شفا بخشنے والے، اے میرے آقا، کیا میرے غم کا مداوا ہوگا؟

قَدْ كُنْتَ مَرْجُوًّا وَلَوْ أَرَاكَ رَاضِيًا عَنْ غَيْبَةٍ وَقَصَدْتَ نَحْوَ مَغِيْبَةٍ

آپ میری امیدوں کی آماجگاہ تھے۔ میں آپ کی غیبت پر راضی نہ تھا اور آپ نے پردے میں منہ چھپا لیا۔

مِنْ أَيْنَ أَطْلُبُ دَوْلَةً مَحْمُوْدَةً　　مِنْ حُبِّهِ وَالْحُبُّ أَعْظَمُ دَوْلَةٍ

محبت کی دولت کہاں سے تلاش کروں۔ درحقیقت محبت بڑی دولت ہے، انہیں سے ملتی تھی

مِنْ أَيْنَ أَطْلُبُ شُعْلَةً أَرْمِيْ بِهَا　　نَفْسِيْ وَسَوْرَتَهَا وَأَقْطَعُ حِيْلَتِيْ

اب میں وہ آگ کا شعلہ کہاں تلاش کروں، جو نفس سرکش کی خباثت کو بھسم کر ڈالے اور مکر و حیلہ کو کاٹ دے

فَقَدَ الرِّبَاطُ فَقِيْدَهُ فَبَكَى وَأَبْكَى أَهْلَهُ　　فِيْ جَوْفِهِ مِنْ عَبْرَةٍ

خانقاہ رائے پور اپنے شیخ کو کھو کر خود سوگوار ہے اور ساکنوں کے لیے سرمایۂ عبرت

وَبِفَقْدِهِ فَقَدَ الْمَعَارِفَ نَادِيًا　　مُتَضَرِّخًا يَا خَيْبَتِيْ يَا خَيْبَتِيْ

خانقاہ علوم و معارف سے محروم ہو گئی اور زبانِ حال سے پکار رہی ہے کہ ہائے میری محرومی، ہائے میری محرومی

أَفَلَا تَرَوْنَ بِهِ إِقَامَةَ قَانِتٍ　　فِيْ حُجْرَةٍ نَفْسِي الْفِدَاءُ لِحُجْرَةٍ

کیا ابھی رائے پور کے ایک گوشے میں کیا تم نے ولیِ قانت کی خلوت گزینی نہیں دیکھی

فِيْهَا بِذِكْرِ اللهِ أَنْوَارٌ بَدَتْ　　لِجُلُوْسِهِ وَمَبِيْتِهِ فِيْ لَيْلَةٍ

عجیب کمرہ تھا وہ جس میں حضرت اقدس کے بہ مداومت سکونت پذیر ہونے سے ہر دم انوار کی بارش ہوتی تھی۔

أَفَلَا تَرَوْنَ دُخُوْلَهُ وَخُرُوْجَهُ　　مِنْهَا وَجِلْسَتَهُ بِأَخْصَرِ مُدَّةٍ

ان کا اس کمرے سے آنا جانا بھی یاد ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر کیلئے باہر بیٹھنا بھی۔

وَلَقَدْ ذَكَرْتُ بِهِ كَرِيْمًا مُعْطِيًا　　فِي الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ الْمَزِيْدِ كَدِيْمَةٍ

آہ ان کی سخاوت اور جود و کرم مجھے یاد آگیا جو بارش کی طرح برستا تھا

وَلَقَدْ ذَكَرْتُ بِهِ النَّدٰى مُتَلَازِمًا　　بِيَدَيْهِ يُنْبِئُ عَنْ نَجَابَةِ فِطْرَةٍ

یہ شرافت و نجابت اور اعلیٰ انسانیت کا عجیب مظاہرہ تھا

وَلَقَدْ ذَكَرْتُ بِهِ الْكَلَامَ وَلِينَهُ   أَفَهَلْ يُؤَثِّرُ فِي الْقُلُوبِ كَلِينِهِ

مجھے یاد آئی آپ کی نرمئ گفتار جو دلوں میں اُتر جاتی تھی

وَلَقَدْ ذَكَرْتُ بِهِ السَّلَامَ وَرَدَّهُ   مِنْ فِيهِ مُبْتَسِمًا بِحُسْنِ تَحِيَّةٍ

وہ آپ کا سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا خندہ پیشانی کے ساتھ یاد ہے

وَلَقَدْ ذَكَرْتُ بِهِ الْمُرَاقِبَ رَبَّهُ   فِي خَلْوَةٍ وَسُرُورَهُ فِي جَلْوَةٍ

وہ آپ کا صبح و شام تشنگان رشد و ہدایت کو جام پہ جام دینا جس سے تشنگی بھی کم ہو اور دل محظوظ و لذت یاب

وَلَقَدْ ذَكَرْتُ بِهِ الْمُدَامَ وَشُرْبَهَا   يُرْوِي الْغَلِيلَ فَمَا لَهُ مِنْ غُلَّةٍ

آپ کی یاد نے میرے اندرون کو جلایا اور بنیاد حیات توڑ ڈالا

وَلَقَدْ ذَكَرْتُ بِهِ كَأَنِّي فِي جَوًى   يَشْوِي الْحَشَا وَيَرُضُّ كَأْسَ مَعِيشَتِي

یہ سب کچھ اس عظیم حادثے کے سبب رونما ہوا جو آپ کی وفات سے پیش آیا۔ ایسا حادثہ دیکھنے میں نہیں آیا

لِرَزِيَّةٍ حَدَثَتْ وَحَادِثَةٍ بَدَتْ   بِوَفَاتِهِ مَا فَوْقَ كُلِّ بَلِيَّةٍ

خلوۃ میں حق تعالیٰ سے راز و نیاز اور جلوۃ کی بشاشت یاد ہے

فَالصَّبْرُ أَجْمَلُ وَالْعَزَاءُ مُطَابِقًا   لِطَرِيقَةٍ مَرْوِيَّةٍ عَنْ سُنَّةٍ

عَضُّوا عَلَى سُنَنِ الرَّسُولِ بِنَاجِذٍ   كَيْلَا يُضِلَّ عَدُوُّكُمْ وَبِهِمَّةٍ

وَالصَّبْرُ عَيْنُ رِضَى الْحَبِيبِ وَأَجْرُهُ   جَنَّاتُ عَدْنٍ يَا مَوَاضِعَ غِبْطَةٍ

صبر و شکیب ہی ایسے موقع پر سنت خیر الامم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس دور فتنہ آشوب میں سنت سے چمٹا رہنا ہی عبادت کا اعلیٰ درجہ ہے

اے تاجدارِ اولیاء

شیخ العالم قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوری نور اللہ مرقدہٗ

جناب سید مسعود علی آزاد فتحپوری

اے معدنِ صدق و صفا، اے مصدرِ مہر و وفا
اے منبعِ جود و سخا، وے مخزنِ عفو و عطا

اے صدرِ بزمِ اصفیا، وے تاجدارِ اولیاء
اے نورِ چشمِ مصطفےٰ، وے مظہرِ ذاتِ خدا

اے آفتابِ آب و گل، وے ماہتابِ اہلِ دل
خورشید ہم مشت خجل، یابی چہ نورِ حق نما

سردارِ بزمِ عاشقی، سرمستِ حسنِ سرمدی
سرشارِ علم و آگہی، سرخیلِ یارانِ وفا

در دیدہ و دل تیرگی، در ہر نفس واماندگی
در ہر چمن افسردگی، بے آں بہارستانِ ما

عالم ہمہ رنجور شد، از ہجرِ تو مہجور شد
اکنوں چگونہ دور شد اے راہیِ ملکِ بقا

پرسند یارانِ کہن، از سینہ چاکانِ چمن
برہم زد ایں بزمِ انجمن، آیا چہ شد ایں ماجرا

دلہا پریشاں کردۂ، غمہا فراواں کردۂ
بے غمگساراں کردۂ، اے راحتِ جانِ ما

بر فقر و استغنائے تو، عالم ہمہ شیدائے تو
بر استقامت ہائے تو، اے خاصِ خاصانِ خدا

حشمت کہ میرِ کارواں، بیگانہ شد و زیاں
اے کامیابِ کامراں، اے جانِ تسلیم و رضا

شد آنچہ شد اے جانِ جاں، آیا چہ خواہی بعد ازاں
تا کے بایں آہ و فغاں، داریم جسمانِ مبتلا

رسوا مکن در محشرم، آزاد کن از جرم و غم
ہر چند بد از بدترم، لیکن شمارند از شما

آزاد کے یابد اماں، وارد گناہِ بیکراں
از حق بخواہ اے کامراں، عفوِ گناہ ایں گدا

سالِ وصالت را کجا جویند اربابِ وفا
قرلِ جمیل اتقیا، شمعِ دلِ اہلِ صفا

۳ ۵ ۸ ۲

نوحۂ فراق

حضرت آزاد فتحپوریؒ

اے پیکرِ ناز و کج کلاہے ——— داریم امید یک نگاہے
اے جانِ حریمِ کعبۂ دل ——— اے نورِ ضیائے قبلہ گاہے
عالم ہمہ تیرہ در نگاہے ——— بے نور شدند مہر و ماہے
شد باغ و بہار بے تو ویراں ——— دیدیم گل و گلستاں تباہے
حالات زبوں بچشم خود بیں ——— اے دوست بیا بخانقاہے
حالِ دلِ زارِ من چہ پرسی؟ ——— حالِ دلِ زارِ من تباہے
ایامِ فراق چند در چند ——— وصلت نہ نصیب گاہے گاہے
ہستیم غلامِ بارگاہت ——— شاہا بنواز یک نگاہے
حالِ منِ خستہ را بیانداز ——— حاضر شدہ ام ببارگاہے
اقلیمِ ولایت تو آباد ——— اورنگِ تو شد جہاں پناہے
رویت کہ نشانۂ ماہ انجم ——— نقشِ قدمت چراغِ راہے
پرسی نہ اگر بروزِ محشر ——— دیگر کہ شناخت روسیاہے

آزاد کجا پناہ گیرد
تا چند شوی بخواب گاہے

(مطبوعہ الفرقان لکھنؤ ص۵۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ)

لِکُلِّ حَیٍّ ذَوَاقُ الْمَوْت

۸۲ ـــــــ ھ ـــــــ ۱۳

نظم بر وفات حسرت آیات

سیّدِ اہلِ نظر قطب الارشاد سیّدی مُرشدی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ

آہ قرارِ من ربود، عشوہ گرے پری رُخے — جانِ جہان و جانِ دل سیم برے ستمگرے
ہر کہ او دید دیدے، کشتۂ از تحبّبے — بود عجیب عالمے، تیر نہ تیغ و خنجرے
مہر و وفا بہ طینتش، جود و سخا طبیعتش — داد و عطا جبلّتش، او ز نمود برترے
مظہرِ شانِ ذوالجلال، مہبطِ نورِ ذوالجمال — آیتِ ربِّ ذوالکمال، فقرِ صفات مُظہرے
بہرِ غریب محرمے، بر دلِ ریش مرہمے — عفو کند ز مجرمے، دستِ کرم بہ ہر سرے
صاحبِ طبعِ مستقیم، لُطف بہر کسے عمیم — کرد کرم بما کریم، مارا او کرد رہبرے
پیکرِ حُسن و نور بُود، مُرشدِ رامپور بود — مُوسیٰ بہ تجلّیٔ طور بود، واہ عجیب دلبرے
از عمل و ہنر مپرس، بود کجا خبر مپرس — پرس مگر... مگر مپرس چیست چنیں او گوہرے
مُتّبعِ شریعتے، عارفِ ہر حقیقتے — مُرشدِ ہر طریقتے، عقدہ کشا سخنورے
عاشقِ خاتمِ رُسُل، پیروِ ہادیٔ سُبُل — آنکہ مدارِ جزو و کُل، سرورِ ہر پیمبرے
او بہ صحابہ نسبتے داشت ز عشق و اُلفتے — بود ہمہ جہاں عقیدتے مہرِ سپہرِ انورے
رخصتِ سفر چو بست او، کرد عمل برفت او — یک جمعے گذشت او نقد نہ سیم نے زرے

شیون و شورِ الاماں ، تا بہ زمین و آسماں
نالہ ز روزن و مکاں ، گریہ بکوچہ و درے

خواہ غنی سخی شود یا کہ ولی نبی شود
عمرِ او منتہی شود ایں چنیں حکم داورے

کرد ز ما چو رحلتے گفت بہ دہر تاریخِ
سیّدِ عبدِ قادرے رفت کنار کوثرے

۶۲ ۱۹ء

حالت رُوحِ زارِ من دید کہ دلفگارِ من
بے تو نہ شد قرار من لے کہ بدل تو جانبرے

بزم تو در خروش بود ہر نفسے خموش بود
دستِ کسے بدوش بود ، آہ چہ بود محشرے

آہ انیسِ خستہ دل ہست میانِ آب و گل
با دلِ ریش مضمحل ، کس نہ کند باو سرے

از : مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ خلیفہ مجاز حضرت رائپوریؒ
بانی مدرسہ تجوید القرآن خالصہ کالج فیصل آباد

(مولانا جمیل احمد صاحب نائب مفتی دار العلوم دیوبند)

شیخ عبد القادر آں غوثِ زماں — حسرتا چوں از نگاہِ ما نہفت
ہاتفِ غیب از پئے سالِ وفات — شیخ عبد القادرِ دوئم بگفت
عبدِ قادر چو رفت ازیں عالم — نظمِ روحانیت شدہ برہم
گفت احقر جمیل تاریخش — رفت اے آہ مرشدِ عالم

(منقول از مکتوب بحضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب [illegible])

دیگر بزبان اردو

(از: مولانا محمد جمیل الرحمٰن صاحب نائب مفتی دار العلوم دیوبند)

کہاں جائیں کریں ہم ذکر کس سے اس مصیبت کا — کہ سایہ اٹھ چکا ہے سر سے اک شیخِ طریقت کا
اٹھے افسوس اس عالم سے عبد القادرِ ثانی — امامِ اولیائے عصر یعنی شیخِ ربانی
وہ جن کے فیض سے مردہ دلوں نے زندگی پائی — رہے ہیں جو ہمیشہ مظہرِ شانِ مسیحائی
وہ جو ممتاز تھے دنیا کے اندر استقامت میں — کرامت میں، ہدایت میں، ریاضت میں، ولایت میں
خدا کا جن کے اوپر خاص اک انعام رہتا تھا — علومِ معرفت کا قلب پر الہام رہتا تھا
جو تھے مسند نشینِ خاص دربارِ رحیمی کے — جہاں جلوے نظر آتے تھے فیضانِ کریمی کے
بزرگوں کی وراثت سمجھے، اکابر کی نشانی تھے — جو ذاتِ حق سے باقی تھے جو ذاتِ حق میں فانی تھے
رواں جانب عقبیٰ ہوئے وہ مرشدِ عالم — ہوئی روحانیت افسوس جس سے درہم برہم

لکھی میں نے یہ تاریخِ وفاتِ قطبِ ربانی
گئے دار البقا کو اب وہ عبد القادرِ ثانی
۱۳۸۲ھ

آج دُنیا سے نازِ شیخت گیا — جس سے حاصل تھی دل کو سکینت گیا
راہِ احسان پر جو چلاتا رہا — آہ وہ خضرِ راہِ طریقت گیا
دین کے جس سے پائے جہاں نے نشاں — مشعلِ راہِ دین و شریعت گیا
جس نے ایثار میں زندگی کی بسر — پیکرِ صبر و ہمت و عزیمت گیا
عُمر بھر جس نے کی پیرویٔ رسولؐ — رہروِ راہِ قرآن و سنت گیا
ذکر کی مجلسیں جس سے آباد تھیں — مجلسِ ذکر و تقویٰ کی زینت گیا
جس کی صحبت میں ملتا تھا دل کو جلا — پاک دل خوش زباں نیک طینت گیا
جس کی خدمت میں جا کر کے پایا سکوں — سادہ دل، نیک خو، خوش طبیعت گیا
فیض پاتے تھے جس ذات سے خاص و عام — جس کی اکسیر تھی نیک صحبت گیا
جس سے شاداب تھا باغ عبدالرحیمؒ — لے کے وہ باغ کی ساری نکہت گیا
عبد قادرؒ، جہاں دیدہ و ہوش مند — مسکراتا ہُوا باغِ جنت گیا
جس کو شیخ المشائخ کہو تو بجا — وہ ہی قطبِ جہاں قطبِ ملت گیا
اس کے جانے سے اُجڑا دلوں کا چمن — وائے قسمت سراپا محبت گیا
ڈھونڈتی ہے اسی کو ہماری نگاہ — اُف کہاں مونسِ رنج و کلفت گیا
اللہ اللہ ہمیں اب سکھائے گا کون — ذکر کی لے کے وہ ساری لذت گیا
سانحہ ہے یہ سب کے لیے دل گداز — ایک ہیرا تھا وہ بیش قیمت، گیا
تم نہ چھوڑو کبھی حال ذکرِ خدا — وہ یہی کر کے سب کو وصیت گیا

دل گرفتہ ہو لیکن کرو صبر تم
تھی اسی میں خدا کی مشیت گیا

مادہ ہائے قطبِ ملّت شاہ رائپوریؒ
٨٢ ھ ١٣

"از حلقہ درگوشش محمد حسن بدرؔ عفی عنہ"
٨٢ ھ ١٣

"عارف رہنما شاہ رائے پوریؒ"
٨٢ ھ ١٣

"قطبِ ملتِ دوران مولانا عبد القادر"
٨٢ ھ ١٣

"قدسی جناب مرشد مولانا رائپوری"
٨٢ ھ ١٣

"واصلِ حق شاہ عبد القادر رائپوری"
٨٢ ھ ١٣

"آہ قطب اقطاب مرشدنا مولانا رائپوری"
٨٢ ھ ١٣

"آہ قطبِ ملت قطب الاقطاب مولانا عبد القادرؒ"
٨٢ ھ ١٣

"آہ مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری"
٨٢ ھ ١٣

"مولانا مرتبہ عالی یافتہ"
٨٢ ھ ١٣

"شاہ رائپوریؒ قطبِ ملت بودند"
٨٢ ھ ١٣

رفت ز دُنیا عبد القادرؒ واصلِ حق شد قطب الملتؒ
سالِ وصالش بدرؔ بگفتہ در توصیفش "شیخ الامت"
٨٢ ھ ١٣

واصلِ حق شد مُرشد ما سالِ وصالش بدرؔ! ہمچو
گفتہ ہاتف سالِ وصال "عشرتِ عبد القادرؒ" گو
٨٢ ھ ١٣

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ص ۶۸ رمضان شوال ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ)

شاکر حسین نظر
مدیر خدام الدین لاہور

رحلتِ شیخ العصر رحمۃ اللہ علیہ

خضرِ طریق و قائدِ احرار چل بسا
اہلِ نظر کا قافلہ سالار چل بسا

قطبِ زمان و شیخِ عرب، سیدِ عجم
وہ عصرِ نو میں عظمتِ اخیار، چل بسا

عبدالرحیمؒ و عارفِ گنگوہؒ کا چراغ
نورِ نگاہِ دیدۂ ابرار، چل بسا

وہ جس سے دوڑتی تھی عمل میں حیاتِ نو
وہ زندگی کا جذبۂ بیدار، چل بسا

وہ منبعِ ہُدیٰ، وہ چراغِ رہِ سلوک
افسوس روشنی کا وہ مینار، چل بسا

نازاں تھا جس پہ زہد تو تقویٰ نثار تھا
وہ آفتابِ رشد و سحر بار، چل بسا

اس دور میں نظیر نہ تھی جس کی اے نظرؔ
وہ شیخِ عصر و صاحبِ اسرار چل بسا

(مطبوعہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور شمارہ ۳۱ اگست ۱۹۶۲ء)

عبدِ قادر جو شیخِ عالم تھے　　داغِ فرقت وہ دے گئے ہیہات
ذات ان کی تھی مجمع البحرین　　گنجِ حکمت، خزینۂ برکات
بحرِ امدادؒ سے ہوئے سیراب　　پیکرِ خُلق، ماحیِ بدعات
ہادیِ سالکانِ راہِ ہُدیٰ　　مشعلِ راہِ طالبانِ نجات
یادگارِ رشید احمدؒ تھے　　وارثِ علمِ قاسم الخیرات
فخرِ عبد الرحیمؒ مردِ فہیم　　قطبِ ارشاد، شیخِ والا صفات
فکرِ تاریخ جب ہوئی لاحق　　ہاتفِ غیب نے کہی یہ بات

قلبِ مغموم سے لکھو عارف
"خضرِ راہِ سلوک" سالِ وفات

۱۹۲۲
+۴۰
۱۹۶۲ء

مطبوعہ: ہفت روزہ خدام الدین لاہور
شمارہ ۲۱ ستمبر ۱۹۶۲ء

ہادیِ راہِ ہُدیٰ حضرتِ عبد القادر　　جانِ اربابِ وفا حضرتِ عبد القادر
عشقِ مولا میں فنا حضرتِ عبد القادر　　مظہرِ لطفِ خدا حضرتِ عبد القادر
تابعِ فخرِ رُسل، پیکرِ تسلیم و رضا　　جامعِ صدق و صفا حضرتِ عبد القادر
آج کے دور کے تھے ثانیِ عبد القادر　　آہ وہ مردِ خدا حضرتِ عبد القادر
قطبِ تکوین بھی تھے صاحبِ ارشاد بھی تھے　　معدنِ لطف و عطا حضرتِ عبد القادر
علم و حکمت کا تو اک مہرِ جہاں تاب تھے وہ　　منبعِ رُشد و ہُدیٰ حضرتِ عبد القادر

شعلۂ قوم وہ یکتائے زماں تھے عارف
مخزنِ جود و سخا حضرتِ عبد القادر

(مطبوعہ: ہفت روزہ خدام الدین لاہور شمارہ ۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

جناب محمود احمد عارف ہوشیارپوری
خازن جامعہ مدنیہ لاہور

تاریخِ وصال

وفات شیخ العالم قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ العزیز

عبدِ قادر بھی ہو گئے رخصت — شیخ عالم وہ مردِ حق آگاہ
اہلِ حق کے لیے وجود اُن کا — ایک عرصہ رہا چراغِ راہ
کس سے حل ہونگی مشکلاتِ طریق — کس سے جا کر کہیں گے حالِ تباہ
علم و حکمت کا ایک بدرِ منیر — دیکھتے دیکھتے چھُپا ناگاہ
اب تو کوئی نظر نہیں آتا — ایسا مقبولِ بارگاہِ الٰہ
اور احمد علیؒ وصال اُن کا — اہلِ حق کو ہے صدمۂ جانکاہ
سالِ رحلت ہو کسطرح موزوں — کام کرتے نہیں ہیں فکر و نگاہ

اُٹھ کے اک بزمِ غم سے یُوں بولا
گُل ہُوا ہے چراغِ اہلُ اللہ

۳ ۸ ۳ ۱ ھ
۲ ۸ ۳ ۱ ھ

(مطبوعہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور شمارہ ۲۴ اگست ۱۹۶۲ء)

عبدِ قادر مجددِ ملت
شیخِ اسلام سایۂ رحمت
اُن سے روشن تھا یادِ حق کا چراغ
"ہائے اب یہ بھی ہو گئے رخصت"
۲ ۸ ھ ۳ ۱

طارق محمود جھنگ

قندیل بجھ گئی

صد حیف، آج دین کی قندیل بجھ گئی
اے آنکھ رو، کہ ختم ہوئی شانِ بندگی
اک وار اور مرگِ جفا کار کر گئی
رنج و الم سے چشمِ وفادار بھر گئی
قائم تھی جس سے دہر میں رسم و رہِ وفا
افسوس بزمِ زہد سے وہ شیخ اٹھ گیا
حق سے جو جوڑتی تھی ہمیں ڈور کٹ گئی
لوگو، بساطِ رحمت و برکت الٹ گئی
اے جانشینِ قاسم و امداد الوداع
اب تو کرے گا خلد کو آباد الوداع

غازی سکروڈھوی

نقشِ فریادی

رہبرِ روحانیت حضرتِ مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے وصال سے
متاثر ہوکر چند آنسو چند آہیں

ہم پہ کیا گزری نصیبِ دشمناں تیرے بغیر
نقشِ فریادی ہے یہ بزمِ جہاں تیرے بغیر

کھینچ لایا تھا جسے تُو حدِ منزل کے قریب
گم نہ ہوجائے کہیں وہ کارواں تیرے بغیر

کس قدر دشوار ہیں دیر و حرم کے مرحلے
کون سمجھائے گا۔ یہ رازِ نہاں تیرے بغیر

تُو نے سلجھائیں بہت کچھ زندگی کی گتھیاں
پھر بھی ہے اندیشۂ سود و زیاں تیرے بغیر

تیرے فیضِ خاص سے تھا خانقاہوں کو فروغ
اب وہ "ہا" و "ہو" کا ہنگامہ کہاں تیرے بغیر

کس کے نام آئیں گے گلشن میں بہاروں کے پیام
کون سمجھے گا، مزاجِ باغباں تیرے بغیر

تجھ سے وابستہ تھا دینی درسگاہوں کا نظام
نامکمل ہے وفا کی داستاں تیرے بغیر

گفتنی ہے ماجرائے غم مگر کس سے کہیں
کون سمجھے گا اشاروں کی زباں تیرے بغیر

عالمِ فانی میں غازی کون دے اسکا جواب
ہائے کیا ہوگا، امیرِ کارواں تیرے بغیر

حافظ نور محمد انور

خدا کی رحمتیں نازل ہوں اے خلد آشیاں تجھ پر
کہ تیرا قلب تھا اک مخزنِ انوارِ ایمانی

تری رحلت پہ ہے شورِ فغاں اکنافِ عالم میں
تری فرقت سے ہیں پیر و جواں وقفِ پریشانی

جہاں میں جب کہ تو قطب الزماں شیخ المشائخ تھا
نہ جنت میں کریں کیوں حور و غلماں تیری مہمانی

گزاری زندگی صبح و مسا حق کی عبادت میں
دیا شام و سحر دنیا کو درسِ دینِ ربانی

تری روحانیت کا کیوں نہ چرچا ہو زمانے میں
کہ تیری ذات تھی دنیا میں گنجِ فیضِ روحانی

فدائے مصطفےٰ تھا اور شیدائے خدا تھا تو
تری رگ رگ میں تھا عشقِ نبی و عشقِ رحمانی

ترے حق میں دعا ہے صدقِ دل سے اب تو انور کی
تری تربت ہو روشن تا ابد اے شیخِ لاثانی

سیّد نفیس الحسینی غفرلہٗ

اے غمِ جاناں، اے غمِ جانم
دل ہے پُرخوں، آنکھیں پُرنم

اللہ اللہ، اُن کا عالم
عشق سراپا، حُسن مجسّم

حضرت عبدالقادر ثانی
قبلۂ ما و قبلۂ عالم

قطبِ زمانہ، غوثِ یگانہ
رشکِ جُنیدؒ و شبلیؒ و ادہمؒ

فانی فی اللہ، باقی باللہ
ختم ہے اُن پر اُن کا عالم

جامعِ سُنّت، قامعِ بدعت
نائبِ حضرتِ فخرِ دو عالم ﷺ

عسکریؒ اصحابِؓ مقدس
لشکریؒ پیغمبرِ خاتم ﷺ

نورِ شریعت، فیضِ طریقت
جاری ساری باہم باہم

ایسا عارف، ایسا مُرشد
ڈھونڈ نہ پائے عالم عالم

تجھ سا نہ دیکھا، تجھ سا نہ پایا
اُتر، دکھن، پُورب، پچھم

لاکھوں دلبر، لیکن پھر بھی
تیرا عالم، تیرا عالم

حُسنِ تکلّم، رنگِ تبسّم
غم کا مُداوا، زخم کا مرہم

گاہ اشارہ، گاہ کنایہ
مُجمل مُجمل، مُبہم مُبہم

سوزِ مروّت لحظہ لحظہ
دردِ محبّت پیہم پیہم

اپنے پرائے، یکساں یکساں
سب کا مُونس، سب کا ہمدم

استغنا کا عالم ، واللہ
خاک برابر لاکھوں درہم

اُف رے دبی چنگاری دل کی
آگ لگا دی پورب پچھم

آہ ترا اندازِ محبت
عشق میں شعلہ ، حُسن میں شبنم

یاد رہیں گے تیرے جلوے
روشن روشن ، مدھم مدھم

آہ کہ تجھ سے گرم تھی محفل
آہ کہ اب ہے درہم برہم

اُجڑا اُجڑا ، ویراں ویراں
ہائے وہ رائپور کا عالم

ساحلِ جمنا پر کیا گزری
آہ وہ طوفاں برہم برہم

تم ہی کہو کچھ غم کی کہانی
اے لبِ راوی ، اے لبِ جہلم

آہ ضعیفیِ زار کی حالت
بیکل بیکل ، بیدم بیدم

اللہ اللہ دیکھ لیا ہے !
حشر سے پہلے حشر کا عالم

سینہ بریاں ، دیدہ گریاں
آہ کہ اب کس حال میں ہیں ہم

ذکر کی دُنیا سُونی سُونی
فکر کا عالم درہم برہم

دُنیا دُنیا ، عُقبیٰ عُقبیٰ
عالم عالم تیرا ماتم

دل کہ شہیدِ ناز ہے تیرا
زندہ ہے اب بھی لیکن کم کم

آہ کہ تجھ بن چین نہیں ہے
یاد ہے تیری پیہم پیہم

انشاء اللہ ، انشاء اللہ
آج سے ہے یہ وعدہ محکم

وہ جو عزیزِ جاں ہے تمھارا
وہ ہے ہمارا اس کے ہیں ہم

آہ کہ زادِ حشر نہیں ہے
آہ ندامت سے ہے سر خم

اے مرے مُشفق، اے مرے محسن! تم ہو جو میرے پھر مجھے کیا غم

ہاتھ میں تیرے ہاتھ دیا ہے لاج بھی تیرے ہاتھ ہے ہمدم

حشر میں ہم کو بھول نہ جانا یاد کے لائق گرچہ نہیں ہم

حشر تلک تُربت پہ تیری
نور کی بارش برسے چھم چھم

تصوّر

یہ کس کا پرتوِ نورِ جبیں ہے! — فضا میں حُسن ہے، ہر شے حسیں ہے
یہ کس کی موجِ زلفِ عنبریں ہے — مشامِ جاں میں بُوئے یاسمیں ہے
تصوّر میں کوئی پہلو نشیں ہے — نظر سے دُور ہے دل کے قریں ہے
وُہ فرخندہ جبیں مسند نشیں ہے — دلوں کی سلطنت زیرِ نگیں ہے
یہ خاکِ رامپور، اللہ اکبر — مری دُنیا یہیں، عقبیٰ یہیں ہے
مجھے ہے ذرّہ ذرّہ طُور اس کا — یہ میرے نازنیں کی سرزمیں ہے
بڑا فیّاض ہے وہ شاہِ خُوباں — کشادہ دل، کشادہ آستیں ہے
مزاجِ حُسنِ جاناں ہم کو معلوم — طبیعت عشق کی بھی نازنیں ہے
نگاہِ عشق کا پندار ٹوٹا — تجھے اے حُسنِ جاناں آفریں ہے
تصوّر ہی میں گُم ہو کر نہ رہ جا — دلِ ناداں تری منزل یقیں ہے
مجھے داغِ جُدائی دینے والے — تری یادوں میں گُم جانِ حزیں ہے
خدا تجھ کو سدا خوش حال رکھے! — ترا غم حاصلِ دُنیا و دیں ہے
شبِ غم دل کی کشتی ہے بھنور میں — کہیں اُمّید کا ساحل نہیں ہے
نگاہِ شوق سے اب کس کو دیکھوں — نظر کے سامنے کوئی نہیں ہے

نفیسؔ ان کے بغیر اب زندگی کیا
طبیعت سرد، دل اندوہگیں ہے

اسماء خلفاء کرام بلحاظ حروف تہجی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی
جناب صوفی انعام اللہ لکھنوی
جناب مولانا احمد دین رائپوری
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی
جناب حاجی صوفی برکت
جناب صوفی جمیل احمد میواتی حضرت مولانا حبیب اللہ گمانوی
جناب مولانا خدا بخش
حضرت مولانا سعید احمد رائپوری
جناب صوفی حکیم شیر محمد
امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری
جناب مولانا حافظ عطاء المنعم بخاری
حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری ثم کمتھلوی جانشین حضرت
حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری چک ۱۱
حضرت مولانا عبدالجلیل ڈھڈیاں برادر زادہ حضرت رائپوری
حضرت مولانا حافظ عبدالوحید ہمشیرزادہ حضرت
جناب صوفی عبدالستار سہارنپوری
جناب مولانا عبدالمنان گوجرانوالا
حضرت مولانا عبدالرحمٰن عزیز حضرت
حضرت مولانا عبداللہ جامعہ رشیدیہ
حضرت مولانا عبدالعزیز ساہیوال

حضرت مولانا عبد القادر جھاوریاں

جناب مولانا مخدوم عبد الغفور

جناب حاجی عبد الواحد

جناب مولانا عبد الجلیل کیمبل پوری

حضرت حاجی حافظ عبد الغفور کلور کوٹ

جناب عبد الغفور راوی روڈ لاہور

حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی کراچی

جناب چوھدری عبد الخالق ملتان

حضرت حافظ عبد الرشید رائپوری

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی

حضرت مولانا حافظ عبد الحکیم

حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن دین پوری

حضرت مولانا عبد المنان دھلوی

حضرت پیر جی عبد اللطیف رائپوری

حضرت مولینا علی احمد بہاولنگری

حضرت سید غلام محی الدین ہمدانی

حضرت مولانا غلام رسول جالندھری

حضرت مولانا فضل احمد رائپوری چک ۱۱

حضرت مولانا فخر الحسن استاذ دار العلوم دیوبند

جناب صوفی فتح محمد دھلوی

حضرت مولانا محمد اشفاق ہمشیرہ زادہ حضرت شاہ عبد الرحیم رائپوری

حضرت مولانا محمد عبداللہ فاروقی

جناب محمد حسن شاہ گجرات

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی

حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی

حضرت حافظ محمد خلیل ڈھڈیاں　　برادرِ خورد حضرت رائپوری

جناب مولوی محمد الیاس میواتی

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنؤ

حضرت مولانا محمد یحیٰ بہاولنگری

جناب الحاج خان محمد یوسف نورار تھ

حضرت الحاج ماسٹر منظور محمد گوجرہ

حضرت مولانا محمد قمر الدین فیروز پوری

حضرت مولانا حافظ محمد اکرم ضلع جہلم

حضرت حکیم ڈاکٹر محمد حسین للئی گوجر خان

حضرت ڈاکٹر محمد امیر

حضرت مولانا حافظ محمد صاحب انوری فیصل آباد　　تلمیذ حضرت انور شاہ کشمیری

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم میاں چنوں

حضرت سید مسعود علی شاہ آزاد

حضرت مولانا سید محمد اسحاق سنسار پوری

جناب سید مکرم حسین

جناب مولانا قاری محمد شبیر لکھنوی

حضرت مولانا سید معروف علی ہمدانی قصور

حضرت سید نیاز احمد گیلانی

سید نفیس الحسینی لاہور　　ماخوذ (احوال العارفین۔ فہرست نامکمل ہے)

شجراتِ طریقت

سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرۃ مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی " ○ قطب الاقطاب حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی "

حضرۃ میانجیو نور محمد جھنجھانوی " ○ حضرۃ شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی "

حضرۃ شاہ عبدالباری امروہی " ○ حضرۃ شاہ عبدالہادی امروہی "

حضرۃ شاہ عضدالدین امروہی " ○ حضرۃ شاہ محمد مکی "

حضرۃ سید شاہ محمدی " ○ حضرۃ شیخ محب اللہ الٰہ آبادی "

حضرۃ شیخ ابو سعید گنگوہی " ○ حضرۃ شیخ نظام الدین بلخی "

حضرۃ شیخ جلال الدین تھانیسری " ○ حضرۃ شاہ عبدالقدوس گنگوہی "

حضرۃ شیخ محمد ردولوی " ○ حضرۃ شیخ عارف ردولوی "

حضرۃ شیخ احمد عبدالحق ردولوی " ○ حضرۃ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی "

حضرۃ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی " ○ حضرۃ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر "

حضرۃ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر " ○ حضرۃ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی "

حضرۃ خواجہ معین الدین حسن سنجری " ○ حضرۃ خواجہ عثمان ہارونی "

حضرۃ حاجی شریف زندنی " ○ حضرۃ خواجہ قطب الدین مودود چشتی "

حضرۃ خواجہ ابو یوسف چشتی " ○ حضرۃ خواجہ ابو محمد چشتی "

حضرۃ خواجہ ابو احمد ابدال چشتی " ○ حضرۃ خواجہ ابو اسحاق شامی "

حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری " ○ حضرۃ خواجہ ابو ہبیرہ بصری "

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی " ○ حضرۃ سلطان ابراہیم ادہم بلخی "

حضرۃ خواجہ فضیل بن عیاض " ○ حضرۃ خواجہ عبدالواحد بن زید "

حضرۃ خواجہ حسن بصری ○ حضرۃ امیر المؤمنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرۃ سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ گیسودرازیہ قدوسیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ″ ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ″

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی ″ ○ حضرت شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی ″

حضرت شاہ عبدالباری امروہی ″ ○ حضرت شاہ عبدالہادی امروہی ″

حضرت شاہ عضد الدین امروہی ″ ○ حضرت محمد مکی ″

حضرت سید شاہ محمدی ″ ○ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی ″

حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی ″ ○ حضرت شیخ نظام الدین بلخی ″

حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری ″ ○ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی ″

حضرت شیخ ابن الحکیم اودھی ″ ○ حضرت شیخ صدر الدین اودھی ″

حضرت شیخ علاء الدین اودھی ″ ○ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز گلبرگوی ″

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی ″ ○ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی ″

حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی ″ ○ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ″

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری ″ ○ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ″

حضرت حاجی شریف زندنی ″ ○ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی ″

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی ″ ○ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی ″

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی ″ ○ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی ″

حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری ″ ○ حضرت خواجہ ابو ہبیرہ بصری ″

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی ″ ○ حضرت سلطان ابراہیم ادہم بلخی ″

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض ″ ○ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید ″

حضرت خواجہ حسن بصری ″ ○ حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ جلالیہ قدوسیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 〃

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرت شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی 〃

حضرت شاہ عبدالباری امروہی 〃 ○ حضرت شاہ عضد الدین امروہی 〃

حضرت شاہ محمد مکی 〃 ○ حضرت سید شاہ محمدی 〃

حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی 〃 ○ حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی 〃

حضرت شیخ نظام الدین بلخی 〃 ○ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری 〃

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی 〃 ○ حضرت شیخ درویش بن محمد قاسم اودھی 〃

حضرت سید بڈھن بہرائچی 〃 ○ حضرت سید اجمل بہرائچی 〃

حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں 〃 ○ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی 〃

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی 〃 ○ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی 〃

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی 〃 ○ حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی 〃

حضرت خواجہ عثمان ہارونی 〃 ○ حضرت حاجی شریف زندنی 〃

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی 〃 ○ حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی 〃

حضرت خواجہ ابو محمد چشتی 〃 ○ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی 〃

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی 〃 ○ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری 〃

حضرت خواجہ ابو ہبیرہ بصری 〃 ○ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی 〃

حضرت سلطان ابراہیم ادہم بلخی 〃 ○ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض 〃

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید 〃 ○ حضرت خواجہ حسن بصری 〃

حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ سراجیہ ولی اللٰہیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 〃

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی 〃 ○ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی 〃

حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم دہلوی 〃 ○ حضرت شیخ رفیع الدین محمد

حضرت شیخ قطب عالم 〃 ○ حضرت شیخ نجم الحق چائیں لدہ

حضرت شیخ عبد العزیز 〃 ○ حضرت قاضی خاں یوسف ناصحی

حضرت شیخ حسن طاہر 〃 ○ حضرت سید راجی حامد شاہ

حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری 〃 ○ حضرت خواجہ نور قطب عالم

حضرت شیخ علاء الحق 〃 ○ حضرت شیخ اخی سراج

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا 〃 ○ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی 〃 ○ حضرت خواجہ معین الدین چشتی

حضرت خواجہ عثمان ہارونی 〃 ○ حضرت حاجی شریف زندنی

حضرت خواجہ مودود چشتی 〃 ○ حضرت خواجہ یوسف چشتی

حضرت خواجہ محمد چشتی 〃 ○ حضرت خواجہ ابو احمد چشتی

حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتی 〃 ○ حضرت شیخ علو دینوری

حضرت ابی ہبیرہ بصری 〃 ○ حضرت حذیفہ مرعشی

حضرت سلطان ابراہیم ادہم 〃 ○ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاض

حضرت خواجہ عبد الواحد بن زید 〃 ○ حضرت خواجہ حسن بصری

حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہٖ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ قادریہ قدوسیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 〃

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرت شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی 〃

حضرت شاہ عبدالباری امروہی 〃 ○ حضرت شاہ عبدالہادی امروہی 〃

حضرت شاہ عضدالدین امروہی 〃 ○ حضرت شاہ محمد مکی 〃

حضرت سید شاہ محمدی 〃 ○ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی 〃

حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی 〃 ○ حضرت شیخ نظام الدین بلخی 〃

حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری 〃 ○ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی 〃

حضرت شیخ درویش بن قاسم اودھی 〃 ○ حضرت سید بڈھن بہرائچی 〃

حضرت سید اجمل بہرائچی 〃 ○ حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں 〃

حضرت شیخ حمید بن عیسیٰ 〃 ○ حضرت شیخ عُبید بن ابوالقاسم 〃

حضرت شیخ ابوالمکارم فاضل 〃 ○ حضرت شیخ قطب الدین ابوالغیث 〃

حضرت شیخ شمس الدین علی افلح 〃 ○ حضرت شیخ شمس الدین حداد 〃

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی 〃 ○ حضرت شیخ ابوسعید بن مبارک مخزومی 〃

حضرت شیخ ابوالحسن علی الہنکاری 〃 ○ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی 〃

حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی 〃 ○ حضرت شیخ ابوبکر شبلی 〃

حضرت خواجہ جنید بغدادی 〃 ○ حضرت خواجہ سری سقطی 〃

حضرت خواجہ معروف کرخی 〃 ○ حضرت خواجہ داؤد طائی 〃

حضرت خواجہ حبیب عجمی 〃 ○ حضرت خواجہ حسن بصری 〃

حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا

سلسلۂ عالیہ قادریہ مجددیہ غفوریہ رحیمیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الاقطاب حضرت میاںجیو عبدالرحیم سہارنپوری ″ ○ قطب العارفین حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات ″

حضرت محمد شعیب تورڈھیری ″ ○ حضرت حافظ محمد صاحب ″

حضرت محمد صدیق بنیری ″ ○ حضرت شاہ مومن گگری ″

حضرت شاہباز پشاوری ″ ○ حضرت شاہ حبیب پشاوری ″

حضرت سید آدم بنوری ″ ○ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ″

حضرت شاہ سکندر کیتھلی ″ ○ حضرت شاہ کمال کیتھلی ″

حضرت شاہ فضیل ″ ○ حضرت شاہ گدا رحمٰن ثانی ″

حضرت سید شمس الدین عارف ″ ○ حضرت شاہ گدا رحمٰن بن ابی الحسن ″

حضرت شاہ شمس الدین صحرائی ″ ○ حضرت سید شاہ عقیل ″

حضرت سید بہار الدین ″ ○ حضرت سید عبدالوہاب ″

حضرت شاہ شرف الدین قتال ″ ○ حضرت سید عبدالرزاق ″

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ″ ○ حضرت شیخ ابوسعید مخزومی ″

حضرت شیخ ابوالحسن علی الهنکاری ″ ○ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی ″

حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی ″ ○ حضرت شیخ ابوبکر شبلی ″

حضرت خواجہ جنید بغدادی ″ ○ حضرت خواجہ سری سقطی ″

حضرت خواجہ معروف کرخی ″ ○ حضرت خواجہ داؤد طائی ″

حضرت خواجہ حبیب عجمی ″ ○ حضرت خواجہ حسن بصری ″

حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

سلسلۂ عالیہ قادریہ جُنیدیہ غفوریہ رحیمیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ		○	قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ	
قطب ثانی حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری	〃	○	قطب العارفین حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات	〃
حضرت شیخ محمد شعیب تودھیری	〃	○	حضرت حافظ محمد صاحب	〃
حضرت شیخ محمد صدیق بشوانڑی	〃	○	حضرت شیخ جنید پشاوری	〃
حضرت سید معصوم	〃	○	حضرت حاجی سید	〃
حضرت شیخ خیر اللہ	〃	○	حضرت شیخ غیاث الدین	〃
حضرت شیخ عبدالرزاق	〃	○	حضرت سید زین الدین	〃
حضرت سید مستان	〃	○	حضرت شیخ یٰسین	〃
حضرت سید جلال	〃	○	حضرت شیخ بہاء الدین	〃
حضرت سید جلال ثانی	〃	○	حضرت شیخ عبداللہ	〃
حضرت شیخ احمد ملتانی	〃	○	حضرت شیخ احمد مستان	〃
حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی	〃	○	حضرت شیخ ابوسعید بن مبارک مخزومی	〃
حضرت شیخ ابوالحسن علی الہنکاری	〃	○	حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی	〃
حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی	〃	○	حضرت شیخ ابوبکر شبلی	〃
حضرت خواجہ جنید بغدادی	〃	○	حضرت خواجہ سری سقطی	〃
حضرت خواجہ معروف کرخی	〃	○	حضرت خواجہ داؤد طائی	〃
حضرت خواجہ حبیب عجمی	〃	○	حضرت خواجہ حسن بصری	〃

حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ قادریہ مجددیہ ولی اللّٰہیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 〃

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی 〃

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی 〃 ○ حکیم الامۃ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی 〃

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی 〃 ○ حضرت سید عبداللہ اکبرآبادی 〃

حضرت سید آدم بنوری 〃 ○ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی 〃

حضرت سید سکندر کیتھلی 〃 ○ حضرت شاہ کمال کیتھلی 〃

حضرت شاہ فضیل 〃 ○ حضرت سید گدائے رحمٰن 〃

حضرت سید شمس الدین عارف 〃 ○ حضرت سید گدائے رحمٰن بن ابی الحسن 〃

حضرت شیخ شمس الدین صحرائی 〃 ○ حضرت سید عقیل 〃

حضرت سید بہاء الدین 〃 ○ حضرت سید عبدالوہاب 〃

حضرت سید شرف الدین قتال 〃 ○ حضرت سید عبدالرزاق 〃

حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی 〃 ○ حضرت شیخ ابوسعید مخزومی 〃

حضرت شیخ ابی الحسن القرشی 〃 ○ حضرت شیخ ابی الفرح طرطوسی 〃

حضرت شیخ ابی الفضل عبدالواحد علی 〃 ○ حضرت شیخ ابی الفضل یمنی 〃

حضرت شیخ ابی بکر شبلی 〃 ○ حضرت خواجہ جنید بغدادی 〃

حضرت خواجہ سری سقطی 〃 ○ حضرت خواجہ معروف کرخی 〃

حضرت امام علی رضا 〃 ○ حضرت امام موسیٰ کاظم 〃

حضرت امام جعفر صادق 〃 ○ حضرت امام باقر 〃

حضرت امام زین العابدین ○ سید الشہداء حضرت حسین رضی اللہ عنہ

حضرت امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ قادریہ قمیصیہ امدادیہ رحیمیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 〃

حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرت سید حاجی عبدالرحیم شہید ولایتی 〃

حضرت سید رحم علی شاہ قمیصی 〃 ○ حضرت سید عبدالرزاق 〃

حضرت سید عبدالحق 〃 ○ حضرت سید محمد غوث 〃

حضرت سید ابو محمد 〃 ○ حضرت سید شاہ محمد 〃

حضرت سید شاہ قمیص الاعظم قادری 〃 ○ حضرت سید الیاس سغرلی 〃

حضرت سید عبدالحق 〃 ○ حضرت مولانا محمد سغرلی 〃

حضرت سید احمد قدسی 〃 ○ حضرت سید عبدالقادر 〃

حضرت سید عبدالوہاب 〃 ○ حضرت سید یحییٰ زاہد 〃

حضرت سید زین الدین 〃 ○ حضرت سید عبدالرزاق القادری 〃

غوث الثقلین حضرت سید عبدالقادر جیلانی 〃 ○ حضرت شیخ ابوسعید مخزومی 〃

حضرت شیخ ابوالحسن علی الہنکاری 〃 ○ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی 〃

حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی 〃 ○ حضرت شیخ ابوبکر شبلی 〃

حضرت خواجہ جنید بغدادی 〃 ○ حضرت خواجہ سری سقطی 〃

حضرت خواجہ معروف کرخی 〃 ○ حضرت خواجہ داؤد طائی 〃

حضرت خواجہ حبیب عجمی 〃 ○ حضرت خواجہ حسن بصری 〃

حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ولی اللٰہیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی 〃

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی 〃

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی

حضرت سید عبداللہ اکبرآبادی قدس سرہٗ ○ حضرت سید آدم بنوری قدس سرہٗ

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی 〃 ○ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ 〃

حضرت مولانا خواجگی امکنگی 〃 ○ حضرت خواجہ درویش محمد 〃

حضرت مولانا محمد زاہد 〃 ○ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار 〃

حضرت مولانا یعقوب چرخی 〃 ○ حضرت خواجہ علاء الدین عطار 〃

حضرت سید بہاء الدین نقشبند 〃 ○ حضرت سید امیر کلال 〃

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی 〃 ○ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی 〃

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی 〃 ○ حضرت خواجہ عارف ریوگری 〃

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی 〃 ○ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی 〃

حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی 〃 ○ حضرت امام ابوالقاسم قشیری 〃

حضرت خواجہ ابوعلی دقاق 〃 ○ حضرت خواجہ ابوالقاسم نصرآبادی 〃

حضرت خواجہ ابوبکر شبلی 〃 ○ حضرت خواجہ جنید بغدادی 〃

حضرت خواجہ سری سقطی 〃 ○ حضرت خواجہ معروف کرخی 〃

حضرت امام علی رضا 〃 ○ حضرت امام موسیٰ کاظم 〃

حضرت امام جعفر صادق 〃 ○ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر 〃

حضرت سلمان فارسیؓ صاحب رسول اللہ ○ خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قدوسیہ امدادیہ رحیمیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی " ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی "

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی ○ حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی "

حضرت شاہ عبدالباری امروہی " ○ حضرت شاہ عبدالہادی امروہی "

حضرت شاہ عضدالدین امروہی " ○ حضرت شاہ محمد مکی "

حضرت سید شاہ محمدی " ○ حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی "

حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی " ○ حضرت شیخ نظام الدین بلخی "

حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری " ○ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی "

حضرت شیخ درویش بن قاسم اودھی " ○ حضرت سید بڈھن بہرائچی "

حضرت سید اجمل بہرائچی " ○ حضرت خواجہ عبدالحق "

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار " ○ حضرت مولانا یعقوب چرخی "

حضرت خواجہ علاءالدین عطار " ○ حضرت سید بہاءالدین نقشبند "

حضرت سید میر کلال " ○ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی "

حضرت عزیزان علی رامیتنی " ○ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی "

حضرت خواجہ عارف ریوگری " ○ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی "

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی " ○ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی "

حضرت خواجہ ابوالقاسم قشیری " ○ حضرت خواجہ ابوعلی دقاق "

حضرت خواجہ ابوالقاسم نصرآبادی " ○ حضرت خواجہ ابوبکر شبلی "

حضرت خواجہ جنید بغدادی " ○ حضرت خواجہ سری سقطی "

حضرت خواجہ معروف کرخی " ○ حضرت خواجہ داؤد طائی "

حضرت خواجہ حبیب عجمی " ○ حضرت خواجہ حسن بصری "

امیرالمومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ○ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ آفاقیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ
قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 〃
حضرت مولانا نصیر الدین دہلوی قدس سرہٗ ○ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی قدس سرہٗ
حضرت خواجہ ضیاء اللہ 〃 ○ حضرت خواجہ محمد زبیر 〃
حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی 〃 ○ حضرت خواجہ محمد معصوم 〃
حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی 〃 ○ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ 〃
حضرت مولانا خواجگی امکنگی 〃 ○ حضرت خواجہ درویش محمد 〃
حضرت مولانا محمد زاہد 〃 ○ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار 〃
حضرت مولانا یعقوب چرخی 〃 ○ حضرت خواجہ علاء الدین عطار 〃
حضرت سید بہاء الدین نقشبند 〃 ○ حضرت سید میر کلال 〃
حضرت خواجہ محمد بابا سماسی 〃 ○ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی 〃
حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی 〃 ○ حضرت خواجہ عارف ریوگری 〃
حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی 〃 ○ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی 〃
حضرت خواجہ ابو علی فارمدی 〃 ○ حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی 〃
حضرت سلطان بایزید بسطامی 〃 ○ حضرت امام جعفر صادق 〃
حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر 〃 ○ صاحب رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ؛

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ آدمیہ سعدیہ غفوریہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الاقطاب حضرت میانجیو عبدالرحیم سہارنپوری ״ ○ قطب العارفین حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات ״

حضرت خواجہ محمد شعیب تورڈھیری ״ ○ حضرت حافظ محمد صاحب ״

حضرت خواجہ محمد صدیق بنیری ״ ○ حضرت سید شاہ محمد سعدی ״

حضرت شیخ محمد عمر چمکنی پشاوری ״ ○ حضرت شیخ محمد یحییٰ اٹکی ״

حضرت شیخ سعدی بلخاری لاہوری ״ ○ حضرت سید آدم بنوری ״

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ״ ○ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ ״

حضرت مولانا خواجگی امکنگی ״ ○ حضرت خواجہ درویش محمد ״

حضرت مولانا محمد زاہد ״ ○ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار ״

حضرت مولانا یعقوب چرخی ״ ○ حضرت خواجہ علاء الدین عطار ״

حضرت سید بہاء الدین نقشبند ״ ○ حضرت سید میر کلال ״

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی ״ ○ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی ״

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی ״ ○ حضرت خواجہ عارف ریوگری ״

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی ״ ○ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی ״

حضرت خواجہ ابو علی فارمدی ״ ○ حضرت امام ابوالقاسم قشیری ״

حضرت خواجہ ابو علی دقاق ״ ○ حضرت خواجہ ابوالقاسم نصرآبادی ״

حضرت خواجہ ابوبکر شبلی ״ ○ حضرت خواجہ جنید بغدادی ״

حضرت خواجہ سری سقطی ״ ○ حضرت خواجہ معروف کرخی ״

حضرت خواجہ داؤد طائی ״ ○ حضرت خواجہ حبیب عجمی ״

حضرت خواجہ حسن بصری ״ ○ حضرت امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ غفوریہ رحیمیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الاقطاب حضرت میانجیو عبدالرحیم سہارنپوری 〃 ○ قطب العارفین حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات 〃

حضرت خواجہ محمد شعیب توڑ ڈھیری 〃 ○ حضرت حافظ محمد صاحب 〃

حضرت خواجہ محمد صدیق نبیری 〃 ○ حضرت شیخ محمد شاہ سدوی 〃

حضرت شیخ مامون یوسف زئی 〃 ○ حضرت شیخ عبداللہ المعروف بہ حاجی بہادر کوہاٹی 〃

حضرت سید آدم بنوری 〃 ○ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی 〃

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ 〃 ○ حضرت مولانا خواجگی امکنگی 〃

حضرت خواجہ درویش محمد 〃 ○ حضرت مولانا محمد زاہد 〃

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار 〃 ○ حضرت مولانا یعقوب چرخی 〃

حضرت خواجہ علاء الدین عطار 〃 ○ حضرت سید بہاء الدین نقشبند 〃

حضرت سید میر کلال 〃 ○ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی 〃

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی 〃 ○ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی 〃

حضرت خواجہ عارف ریوگری 〃 ○ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی 〃

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی 〃 ○ حضرت خواجہ ابو علی فارمدی 〃

حضرت امام ابوالقاسم قشیری 〃 ○ حضرت خواجہ ابو علی دقاق 〃

حضرت خواجہ ابوالقاسم نصرآبادی 〃 ○ حضرت خواجہ ابوبکر شبلی 〃

حضرت خواجہ جنید بغدادی 〃 ○ حضرت خواجہ سری سقطی 〃

حضرت خواجہ معروف کرخی 〃 ○ حضرت خواجہ داؤد طائی 〃

حضرت خواجہ حبیب عجمی 〃 ○ حضرت خواجہ حسن بصری 〃

حضرت امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سعدالٰہیہ جنیدیہ غفوریہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الاقطاب حضرت میاں جیو عبدالرحیم سہارنپوری ″ ○ قطب العارفین حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات

حضرت خواجہ محمد شعیب توروڑھیری ″ ○ حضرت حافظ محمد صاحب

حضرت شیخ محمد صدیق بنیری ″ ○ حضرت شیخ جنید پشاوری

حضرت شیخ عبدالحی سندھی ″ ○ حضرت حاجی سعداللہ وزیرآبادی

حضرت سید آدم بنوری ″ ○ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ ″ ○ حضرت مولانا خواجگی امکنگی

حضرت خواجہ درویش محمد ″ ○ حضرت مولانا محمد زاہد

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار ″ ○ حضرت مولانا یعقوب چرخی

حضرت خواجہ علاء الدین عطار ″ ○ حضرت سید بہاء الدین نقشبند

حضرت سید میر کلال ″ ○ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی ″ ○ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی

حضرت خواجہ عارف ریوگری ″ ○ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی ″ ○ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی

حضرت امام ابوالقاسم قشیری ″ ○ حضرت خواجہ ابوعلی دقاق ″

حضرت خواجہ ابوالقاسم نصرآبادی ″ ○ حضرت خواجہ ابوبکر شبلی ″

حضرت خواجہ جنید بغدادی ″ ○ حضرت خواجہ سری سقطی ″

حضرت خواجہ معروف کرخی ″ ○ حضرت خواجہ داؤد طائی ″

حضرت خواجہ حبیب عجمی ″ ○ حضرت خواجہ حسن بصری ″

حضرت امیرالمومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ کبرویہ قدوسیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرۃ مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 〃

حضرۃ میانجیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرۃ شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی 〃

حضرۃ شاہ عبدالباری امروہی 〃 ○ حضرۃ شاہ عبدالہادی امروہی 〃

حضرۃ شاہ عضدالدین امروہی 〃 ○ حضرۃ شاہ محمد مکی 〃

حضرۃ سید شاہ محمدی 〃 ○ حضرۃ شیخ محب اللہ الٰہ آبادی 〃

حضرۃ شیخ ابوسعید گنگوہی 〃 ○ حضرۃ شیخ نظام الدین بلخی 〃

حضرۃ شیخ جلال الدین تھانیسری 〃 ○ حضرۃ شاہ عبدالقدوس گنگوہی 〃

حضرۃ شیخ درویش بن قاسم اودھی 〃 ○ حضرۃ سید بدھن بہرائچی 〃

حضرۃ سید اجمل بہرائچی 〃 ○ حضرۃ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں 〃

حضرۃ شیخ حمیدالدین سمرقندی 〃 ○ حضرۃ شیخ شمس الدین بن ابومحمد بن محمود بن عبدالرحیم بن ابراہیم 〃

حضرۃ شیخ عطایار خالدی 〃 ○ حضرۃ شیخ احمد بابا کمال جندی 〃

حضرۃ شیخ نجم الدین کبریٰ 〃 ○ حضرۃ شیخ عمار یاسر 〃

حضرۃ شیخ ابوالنجیب سہروردی 〃 ○ حضرۃ شیخ احمد غزالی 〃

حضرۃ شیخ ابوبکر نساج 〃 ○ حضرۃ خواجہ ابوالقاسم گرگانی 〃

حضرۃ خواجہ ابوعثمان مغربی 〃 ○ حضرۃ خواجہ ابوعلی کاتب 〃

حضرۃ شیخ علی رودباری 〃 ○ حضرۃ خواجہ جنید بغدادی 〃

حضرۃ خواجہ سری سقطی 〃 ○ حضرۃ خواجہ معروف کرخی 〃

حضرۃ خواجہ داؤد طائی 〃 ○ حضرۃ خواجہ حبیب عجمی 〃

حضرۃ خواجہ حسن بصری 〃 ○ امیرالمومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 〃

شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

سلسلۂ عالیہ سُہروردیہ قدوسیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی 〃 ○ قطب الاقطاب حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مکی 〃

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی 〃 ○ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی 〃

حضرت شاہ عبدالباری امروہی 〃 ○ حضرت شاہ عبدالہادی امروہی 〃

حضرت شاہ عضدالدین امروہی 〃 ○ 〃

حضرت شاہ محمد مکی 〃 ○ حضرت سید شاہ محمدی 〃

حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی 〃 ○ حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی 〃

حضرت شیخ نظام الدین بلخی 〃 ○ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری 〃

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی 〃 ○ حضرت شیخ درویش بن قاسم اودھی 〃

حضرت سید بڈھن بہڑائچی 〃 ○ حضرت سید اجمل بہڑائچی 〃

حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں 〃 ○ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی 〃

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی 〃 ○ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی 〃

حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی 〃 ○ حضرت شیخ وجیہ الدین عبدالقاہر سہروردی 〃

حضرت شیخ ابومحمد بن عبداللہ 〃 ○ حضرت شیخ احمد دینوری 〃

حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری 〃 ○ حضرت خواجہ جنید بغدادی 〃

حضرت خواجہ سری سقطی 〃 ○ حضرت خواجہ داؤد طائی 〃

حضرت خواجہ حبیب عجمی 〃 ○ حضرت خواجہ حسن بصری 〃

حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

اَرْضِنَا عَنْكَ وَارْضَ عَنَّا

سلسلۂ عالیہ سہروردیہ قدوسیہ ولی اللّٰہیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا شاہ عبد القادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرۃ مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری قدس سرہٗ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا رشید احمد محدث گنگوہی ″ ○ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ″

حضرۃ میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ ″ ○ حضرۃ سید احمد شہید رائے بریلوی ″

حضرۃ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ″ ○ حضرۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ″

حضرۃ شاہ عبد الرحیم دہلوی ″ ○ حضرۃ سید عبد اللہ اکبرآبادی ″

حضرۃ سید آدم بنوری ″ ○ حضرۃ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ″

حضرۃ شیخ عبد الاحد سرہندی ″ ○ حضرۃ شیخ رکن الدین گنگوہی ″

حضرۃ شیخ عبد القدوس گنگوہی ″ ○ حضرۃ شیخ درویش بن قاسم اودھی ″

حضرۃ سید بڈھن بہرائچی ″ ○ حضرۃ سید اجمل بہرائچی ″

حضرۃ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں ″ ○ حضرۃ شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی ″

حضرۃ شیخ صدر الدین عارف ملتانی ″ ○ حضرۃ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ″

حضرۃ شیخ شہاب الدین سہروردی ″ ○ حضرۃ شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی ″

حضرۃ شیخ وجیہ الدین عبد القاہر سہروردی ″ ○ حضرۃ شیخ ابو محمد بن عبد اللہ ″

حضرۃ شیخ احمد دینوری ″ ○ حضرۃ خواجہ ممشاد علو دینوری ″

حضرۃ خواجہ جنید بغدادی ″ ○ حضرۃ خواجہ سری سقطی ″

حضرۃ خواجہ معروف کرخی ″ ○ حضرۃ خواجہ داؤد طائی ″

حضرۃ خواجہ حبیب عجمی ″ ○ حضرۃ خواجہ حسن بصری ″

حضرۃ امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وبارک وسلم

سلسلہ عالیہ کبرویہ ہمدانیہ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ ○ قطب العالم حضرۃ مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا رشید احمد محدث گنگوہی " ○ قطب الاقطاب حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی "

حضرۃ میانجیو نور محمد جھنجھانوی " ○ حضرۃ سید احمد شہید رائے بریلوی "

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی " ○ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "

حضرت شاہ عبدالرحیم " ○ حضرت سید عبداللہ اکبر آبادی "

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی " ○ حضرت شیخ یعقوب صرفی کشمیری "

حضرت حاجی محمد صدیق خبوشانی " ○ حضرت شیخ علی بیدارازی "

حضرت سید عبداللہ برزش آبادی " ○ حضرت شاہ ابواسحٰق ختلانی "

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی " ○ حضرت شیخ شرف الدین محمود مزدقانی "

حضرت شیخ عبدالرحمٰن اسفرائینی " ○ حضرت شیخ جمال الدین احمد ذاکر جوزجانی "

حضرت شیخ رضی الدین " ○ حضرت شیخ الطریقۃ نجم الدین کبریٰ "

حضرت شیخ عمار یاسر " ○ حضرت شیخ ابونجیب عبدالقاہر سہروردی "

حضرت شیخ احمد غزالی " ○ حضرت شیخ ابوبکر "

حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی " ○ حضرت شیخ ابوعثمان مغربی "

حضرت خواجہ علی الکاتب " ○ حضرت خواجہ ابوعلی روزباری "

حضرت خواجہ جنید بغدادی " ○ حضرت خواجہ سری سقطی "

حضرت خواجہ معروف کرخی " ○ حضرت سیدنا امام علی الرضا رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ عنہ ○ حضرت سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا امام محمد الباقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ○ حضرت سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ریحانۃ النبی سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ○ امیر المومنین امام الاولیاء حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضرۃ سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ

سلسلہ عالیہ کبرویہ ہمدانیہ

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ

قطب العارفین حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ قطب الاقطاب حضرۃ میاںجیو عبدالرحیم سہارنپوری

غازی اسلام قطب وقت حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات ○ حضرت خواجہ محمد شعیب تورڈھیری

حضرت حافظ محمد صاحب عمرزئی // ○ حضرت خواجہ محمد صدیق بنیری

حضرۃ شاہ مومن ککروی حضرۃ سید شاہباز ○ حضرت شاہ حبیب پشاوری

حضرۃ سید آدم بنوری // ○ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی //

حضرت شیخ یعقوب صرفی کشمیری // ○ حضرت شیخ یٰسین //

حضرت حاجی محمد صدیق خبوشانی // ○ حضرت شیخ علی بیدارازی //

حضرت سید عبداللہ برزش آبادی // ○ حضرت شاہ ابواسحق ختلانی

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی // ○ حضرت شیخ شرف الدین محمود مزدقانی //

حضرت شیخ عبدالرحمٰن اسفرائینی // ○ حضرت جمال الدین احمد ذاکر جوزجانی

حضرت شیخ رضی الدین // ○ حضرت شیخ الطریقہ نجم الدین کبریٰ //

حضرت شیخ اسمٰعیل اقصری // ○ حضرت شیخ محمد بن الماکیل //

حضرت شیخ داؤد // ○ حضرت شیخ ابوالعاص بن ادریس //

حضرت شیخ ابوالقاسم بن رمضان // ○ حضرت شیخ ابو یعقوب الطبری //

حضرت شیخ عمر بن عثمان // ○ حضرت شیخ ابو یعقوب النور تبریزی //

حضرت شیخ ابو یعقوب // ○ حضرت خواجہ عبدالواحد //

حضرت خواجہ کمیل بن زیاد // ○ امیر المومنین امام الاولیاء حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضرۃ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قطب الارشاد حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کے علوم ومعارف

۱	لامع الدراری شرح بخاری شریف	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ
۲	الکوکب الدری حاشیہ ترمذی شریف	//
۳	تذکرۃ الرشید	حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
۴	یاد یاراں	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
۵	نقش حیات	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
۶	حضرت گنگوہی حیات اور کارنامے	مولانا اسیر ادروی
۷	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور انکے خلفاء	ڈاکٹر فیوض الرحمٰن
۸	تالیفات رشیدیہ	حضرت گنگوہی قدس سرہ
۹	مفاوضات رشیدیہ مکاتیب	//
۱۰	مکاتیب رشیدیہ	//
۱۱	فتاوی رشیدیہ	مرتبہ مولانا نور الحسن کاندھلوی (غیر مطبوعہ)